

Khushboo

Online Digest

WWW.PAKSOCIETY.COM

آن لائن خوشبو ڈائجسٹ



ماہ دسمبر 2016ء



مدیر اعلیٰ

گبری نوید

WWW.PAKSOCIETY.COM

نثری نوید کا ناول راجہ یار تیری بار سین اندرونی صفحات میں ملاحظہ فرمائیں

ناول، انسانی، شاعری، معلومات، زندگی، خوشبو، نثر، صحیح نثریں

انٹرویوز اور بہت کچھ جو آپ ایک معیاری ڈائجسٹ میں پڑھنا چاہتے ہیں

Khushboo Online Digest

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY

Khushboo
Online Digest

آن لائن خوشبو ڈائجسٹ

ماہ دسمبر 2016ء

نگران اعلیٰ شاہد احمد شاہد

خوشبودار سٹرز فورم پاکستان

مدیرہ
امانیہ سردار خان

مدیر اعلیٰ
کبریٰ نوید

چیف ایگزیکٹو
حضرت حیات مومن

نائب مدیرہ
عنبرین صبوحی

سینئر نائب مدیرہ
مومن کنول

سینئر نائب مدیرہ
عریشہ سہیل

منتہی اراکین

فاطمہ عبدالخالق

انچارج برائے دیگر سلسلہ بات

اسامہ بھٹی

سیدہ عروج فاطمہ

فرو سیف

بیانا نور رضوان

سبیل حسین

آمنہ

رضوان عباس

نہیدہ انجم

✉ khushboodigest@gmail.com

📘 **Khushboo Online Digest** Official Page

☎ 03007198339

Khushboo
Online Digest

آن لائن
خوشبو ڈائجسٹ

قہر سلسلہ

- | | | |
|--|--|--|
| 88.....کنگن.....انعم زرین | 05.....اداریہ.....کبری نوید مدیر اعلیٰ | |
| 89.....سولنگلی کہانی 'ندامت'.....ناہید اختر بلوچ | 06.....حمد.....شازیہ خان | |
| 90.....پچی ہمدروی.....علینا قریشی | 07.....عید میلاد النبیؐ.....ویا خان بلوچ | |
| 92.....محبت.....دشگیر شہزاد | 09.....حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی | |
| 92.....میجا.....منتہا آراکین | 13.....بزم خوشبو.....انظرو یو.....نوشین اقبال نوشی | |
| 93.....دینے والا ہاتھ.....زویا حسن | ناول | |
| 95.....عذاب محبت.....ریمانور رضوان | 17.....راہ یار تیری بارشیں.....کبری نوید | |
| 97.....جانان.....گل ارباب | 32.....محبت خواب کی صورت.....عنبرین صبوحی | |
| 103.....بت پرست.....نادیہ خان بگلش | 46.....کامل یقین.....سمیل حسین | |
| 106.....رانگ بپر.....اقراء اقی | 58.....شہر عشق.....مریم مرتضیٰ | |
| 106.....تنہا زندگی.....طیبہ انصار | افسانے | |
| 107.....محبت ہم سفر میری.....ویا خان بلوچ | 74.....وجدان عشق.....مون کنول | |
| 113.....بے خبر.....نشاء ایمان | 77.....جہیز.....ہما طاہر | |
| 114.....سزا.....ثریا بابر | 79.....سراب.....مادوی سلطان | |
| 118.....عاشقی.....سحرش علی نقوی | 80.....کر بناک.....مسکان ثمرین | |
| 119.....محبت ہے انمول.....شمالکہ زاہد | 81.....محبت ہوتو ایسی ہو! سید عروج فاطمہ | |
| 122.....اثر کچھ خواب کا.....ارم فاطمہ | 86.....رہ گی پیا ادھوری میں.....تہمینہ ابرار | |
| 125.....پیوستہ رہ شجر سے.....فرشتے مریم | 87.....زہر.....عزیشہ بخاری | |
| 133.....گل افشاں.....اقراء سیف | | |

- 198..... آنکھوں کی خوبصورتی..... ہما اصغر بیٹہ
- 199..... محبت..... شازیہ کریم
- 201..... جب تک ہم خود انصاف..... مسز جمشید خاکوانی
- 204..... سندیے..... امائیہ سردار خان
- 207..... سفر نامہ دل والی دلی میں..... تبصرہ
- 211..... میری نظر میں.....
- 214..... روحانی خوشبو.....
- 215..... ورلڈ ریکارڈ.....
- 216..... مسلمانوں کے عظیم رہنما..... آرائیس مصطفیٰ
- 220..... افسانہ ادھوری کہانی..... نور بخاری
- 223..... خوشبو کے رنگ شاعری کے سنگ.....
- 143..... میرا تصور کیا ہے..... عفت بھٹی
- 146..... پندرہ سالہ بچپن..... مالا راجپوت
- 151..... محبت روگ ہوتی ہے..... سندھیا شاہ
- 154..... بارش..... آمنہ نثار
- 156..... ایس ایم ایس..... اشک
- 159..... چوہیل..... حمیرا فضا
- 163..... مقدر جاگ جائے تو..... انمول عاکشہ
- 166..... تعلیم کی اہمیت..... اروشا خان
- 167..... شکر کر خدا نے..... محسن مصطفیٰ
- 172..... قرض..... سارہ نورین
- 173..... وطن کی مٹی گواہ رہنا..... سحرش رانی
- 175..... ہیں تشنہ یہ لب..... طوبی عجائب
- 184..... اندھی قبریں..... اریبہ راؤ
- 189..... اہل..... زارا رضوان
- 193..... بری بات..... منتہا آرائیس
- 193..... لاوارث..... شمینہ کنول
- 194..... بانجھ..... سارہ خان
- 195..... اعتبار..... سید عروج فاطمہ
- 195..... آلوداعِ دسمبر..... فاطمہ عبدالحالق
- 196..... چھوٹا ڈاکٹر..... ریکل آرزو
- 196..... مکافات عمل..... نمبرہ فرقان
- 197..... پھوپھو جان..... آسیہ شاہین

فازین منوجہ بیون

خوشبو آن لائن ڈائجسٹ میں شامل ہونے کیلئے اپنی تحریریں
ہمیں جلد سے جلد دے کر اپنی تحریریں اپنا پتہ لکھ کر
کوڈ میں نمکین براہ کرم اپنی تحریریں بذریعہ آن لائن یا
ویس ایپ پر بھیجیں۔ پتہ پاکستان میں ملنے والی تحریریں شامل
اشاعت نہیں ہوگی۔

حضرت حیات مون ایڈیٹنگ ایڈیٹ 0303-3310786

Khushboo
Online Digest

خوشبو ڈائجسٹ

khushboodigest@gmail.com

Official Page
Facebook

03007198339

اداریہ

السلام و علیکم ... دسمبر کے شمارے کے ساتھ حاضر ہیں ... خدا کی ذات کے بعد آپ سب کی بے حد مشکور ہوں آپ نے اکتوبر نومبر کے ایڈیشن کو نا صرف پسند کیا بلکہ بھرپور انداز میں فیڈ بیک دیا۔

کسی بھی ادارے یا ڈائجسٹ کی کامیابی کسی ایک فرد کی وجہ سے ممکن نہیں اس میں پوری ٹیم کا عمل دخل ہوتا ہے اور الحمد للہ ہماری پوری ٹیم سنجیدگی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہی ہے۔ جن کے لئے میں ان سب کی کاوشوں کو سراہنا چاہوں گی .. میں نگران اعلیٰ شاہد احمد شاہد صاحب کی مشکور ہوں جنہوں نے ادارے کی سرپرستی کا ذمہ اٹھایا ... ایگزیکٹو ایڈیٹر جناب خضر حیات مہون صاحب جن کے تعاون کے بغیر ڈائجسٹ کی تکمیل ممکن نہیں ...

دسمبر کا شمارہ ہماری پوری ٹیم کی انتھک محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جس کے ایک ایک صفحے کو بہت خلوص اور محبت سے سجایا گیا ہے۔ منتظمین اور تمام ٹیم کی شکر گزار ہوں جنہوں نے میری صلاحیتوں پر بھروسہ کرتے ہوئے مجھے مدیر اعلیٰ کا منصب سونپا۔ میں اپنی پوری محنت کر رہی ہوں کہ آپ سب کی امیدوں پر پورا اترتے ہوئے ڈائجسٹ کو مزید بہتری کی طرف لے کر جا سکوں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ سب کے بھرپور تعاون اور دعاؤں کی بھی ضرورت ہے ... دسمبر کا شمارہ اس لحاظ سے بھی ہمارے لئے لگی ثابت ہوا کیوں کہ ماہ دسمبر میں عیدوں کی عید ... عید میاں والی ہے جسکی میں آپ تمام پڑھنے والوں کو پیشگی مبارکباد دیتی ہوں ... اللہ پاک اپنے حبیبؐ کی آمد کے صدقے میں آپکے اور ہمارے سب کے لئے آسانیاں فرمائے آمین۔۔۔ ثناء آمین

آخر میں آپکو کچھ اچھی اچھی خبریں بھی دیتی چلوں ...!

ادارہ خوشبو آن لائن ڈائجسٹ اپنے تمام لکھنے والوں کو اعزازی اسناد دے رہا ہے اس کے ساتھ بہترین تحریر پر اعزازی سند کے ساتھ ساتھ دستخط شدہ کتاب کا تحفہ بھی دیا جائے گا۔ آن لائن ڈائجسٹ کی دنیا میں ایسا پہلی بار ہو رہا ہے جسکا مقصد تمام لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہے انشاء اللہ ہم راسٹر کی فلاح کیلئے مختلف سلسلے شروع کریں گے۔ اس کے علاوہ دسمبر سے تین سلسلے وار ناؤز کا بھی آغاز ہو رہا ہے، جو کہ یقیناً آپکو پسند آئے گا۔ اب اگلے ماہ تک کے لئے اجازت اپنی قیمتی رائے سے ضرور آگاہ کئے گا ...

کبریٰ نوید

مدیر اعلیٰ

خوشبو آن لائن ڈائجسٹ



حمد

تیری پُر فیض ہستی کو
 عیاں ہر پل ہی دیکھا ہے
 یہاں ہر پل ہی دیکھا ہے
 وہاں ہر پل ہی دیکھا ہے
 تو قادر ہر قدم پر ہے
 جہاں ہر پل ہی دیکھا ہے
 مری آنکھوں کے اشکوں نے
 سماں ہر پل ہی دیکھا ہے
 وہ شازی جگ کا خالق ہے
 جہاں ہر پل ہی دیکھا ہے

شازیہ خان..... منظر گڑھ

☆.....☆.....☆



ہاتھ پھیرتے، ان کو پیار کرتے اور ان کے حق میں دعاے خیر فرماتے۔ بچے قریب آتے تو ان کو گود میں لیتے۔ بڑی محبت سے ان کو کھلاتے، کبھی بچے کے سامنے اپنی زبان مبارک نکالتے۔ بچہ خوش ہوتا اور بہلتا۔ کبھی لیٹے ہوتے تو اپنے قدموں کے اندر کے ٹکڑوں پر بچہ کو بٹھالیتے اور کبھی سینہ اطہر پر بچہ کو بٹھالیتے۔

اشعار سے دلچسپی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن سمرہ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سو مجلسوں سے زیادہ بیٹھا ہوں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم اشعار پڑھتے تھے اور جاہلیت کے زمانے کے قصے نقل فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ



علیہ وسلم ان کو روکتے نہ تھے خاموشی سے سنتے تھے بلکہ کبھی

انارکلیس ڈیپارٹمنٹ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض عادات مبارکہ تبسم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گریہ

بہنے کی طرح آپ کا رونا بھی ایسا ہی تھا کہ جس میں آواز پیدا نہ ہوتی۔ گریہ کے

وقت اتنا ضرور ہوتا کہ آپ

کی آنکھیں ڈبڈبا آتیں اور

آنسو بہہ جاتے اور سینہ سے

رونے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی

دیتی۔

بچوں سے خوش طبی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچوں

پر بہت شفقت فرماتے۔ ان سے محبت کرتے، ان کے سر پر

اکڑوں بغل میں ہاتھ دے کر بیٹھ جاتے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ میں نے آپ کو بائیں کروٹ پر ایک تکیہ کا سہارا لگائے بیٹھے دیکھا ہے۔

انداز رفتار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلنے کے لئے قدم اٹھاتے تو



کبھی ان کے ساتھ بننے میں شرکت فرماتے تھے۔

تیرنے کا شوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی تیرنے کا بھی شوق فرماتے۔

تفریح

قوت سے پاؤں اکھڑتا تھا، اور قدم اس طرح رکھتے کہ آگے جھک پڑتا اور تواضع کے ساتھ قدم بڑھا کر چلتے۔ چلنے میں ایسا معلوم ہوتا گویا کسی بلندی سے پستی میں اتر رہے ہیں۔ جب کسی کروٹ کی طرف کی چیز کو دیکھنا چاہتے تو پورے پھر کر دیکھتے (یعنی کن آنکھوں سے دیکھنے کی عادت نہ تھی) (نگاہ نیچے رکھتے۔

آسمان کی طرف نگاہ کرنے کے بہ نسبت زمین کی طرف آپ کی نگاہ زیادہ رہتی۔ عموماً عادت آپ کی گوشہ چشم سے دیکھنے کی تھی)۔ مطلب یہ کہ غایت حیا سے پورا سر اٹھا کر نگاہ بھر کر نہ دیکھتے (اپنے اصحاب کو چلنے میں آگے کر دیتے، جس سے ملتے تو پہلے سلام فرماتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام جب بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب نیچے ادیوں میں اترتے تو تسبیح کہتے۔

☆.....☆.....☆.....☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باغات کی تفریح کو پسند فرماتے اور کبھی کبھی تفریح کے لئے باغات میں تشریف لے جاتے۔ خط لکھوانے کا انداز

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ خط لکھوانے کے متعلق یہ تھی کہ بسم اللہ کے بعد مرسل کا نام لکھواتے اور پھر مرسل الیہ کا نام لکھواتے۔ اس کے بعد خط کا مضمون لکھواتے۔

پیغام پر سلام کا جواب

جب کسی کا سلام آپ کو پہنچتا تو سلام پہنچانے والے کے ساتھ سلام لانے والے کو بھی سلام کا جواب دیتے اور اس طرح فرماتے:

علیک و علی فلان سلام۔

آپ کی نشست

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چارزانو بھی بیٹھتے تھے اور بعض وقت

حضرت شیخ الاسلام غوث بہا الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ

خاندانی حالات و علم و فضائل

قریشی ہیں۔ آپ 578ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ عبد خسر ملک غزنوی کا عہد تھا۔ آپ کی ولادت ملتان سے قریب ایک علاقے کوٹ کبر و ضلع لہ میں ۷۲ رمضان المبارک شب جمعہ کو ہوئی۔ آپ کی والدہ نے رمضان کے دنوں میں آپ کو ہر چند دودھ پلانا چاہا مگر آپ نے نہ

پیا جو آپ کی کرامت ہے۔ بارہ سال کی عمر تک آپ رحمہ اللہ علیہ ملتان میں ہی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ رحمہ اللہ علیہ خراسان تشریف لے گئے۔ اسی عمر میں آپ رحمہ اللہ علیہ حافظہ و قاری ہو گئے تھے۔

والد گرامی کے انتقال کے بعد آپ رحمہ اللہ علیہ

نے محض حصول علم و فن کیلئے پیادہ پا خراسان کا سفر کیا۔ اس کے بعد بلخ بخارا و بخارا اور مدینہ منورہ کے شہرہ آفاق مدارس میں رہ کر سند فنسلیت حاصل کی۔ پانچ سال تک مدینہ منورہ ہی میں رہے جہاں حدیث پڑھی اور پڑھائی بھی۔ غرض پندرہ سال اسلام

حضرت مخدوم شیخ بہا الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ علیہ خاندان سہروردیہ کے بڑے بزرگ اور عارف کامل گزرے ہیں۔ حافظ قاری محدث مفسر عالم فاضل عارف ولی سب کچھ تھے۔ شیخ

الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ ہندوستان کے اندر آپ ولیوں میں باز سفید کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت شیخ بہا الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ علیہ ساتویں صدی



ہجری کے مجددین میں شمار کئے جاتے ہیں آپ ظاہری و باطنی علوم میں یکتائے روزگار تھے، اسلام کے عظیم مبلغ تھے۔ آپ کے جد امجد مکہ معظمہ سے پہلے خوارزم آئے، پھر ملتان میں مستقل سکونت اختیار کی۔ آپ یہیں پیدا ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ علیہ نسہا

المدین عمر سبروردی رحمہ اللہ علیہ کا طویل بول رہا تھا۔ ان کی ذات گرامی مرجع خلائق بنی ہوئی تھی۔ بڑا دربار تھا بڑا تقدس۔ آپ رحمہ اللہ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھتے ہی فرمایا باز سفید آ گیا۔ جو میرے سلسلہ کا آفتاب ہوگا اور جس سے میرا سلسلہ بیعت و معیت پذیر ہوگا۔ آپ رحمہ اللہ علیہ نے ادب سے گردن جھکائی۔ شیخ رحمہ اللہ علیہ نے اسی روز حلقہ ارادت میں لے لیا اور تمام توجہات آپ کی طرف مرکوز تھیں۔ صرف ستر روز بعد ورجہ ولایت کو پہنچا کر باطنی دولت سے مالا مال اور خرقہ خلافت عطا کر کے رخصت کر دیا۔

خانقاہ شیخ الشیوخ تو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی روحانی یونیورسٹی تھی جس میں ہر وقت اور ہمیشہ ورہیشوں اور طریقت والوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اس وقت اور بھی بہت سے بزرگ ان کی خدمت میں موجود تھے۔ جو مدت سے خرقہ خلافت کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے جو دیکھا کہ مخدوم بہا الدین رحمہ اللہ علیہ کو آتے ہی خلافت بھی مل گئی اور ہم تو برسوں سے خدمت کر رہے ہیں اب تک یہ مرتبہ حاصل نہ ہوا اور یہ نوجوان چند روز ہی میں کمال کو پہنچ گیا۔ حضرت شباب المدین سبروردی رحمہ اللہ علیہ نے الحمد للہ نور باطن سے معلوم کر کے فرمایا کہ تم بہا الدین رحمہ اللہ علیہ کی حالت پر کیا رشک کرتے ہو وہ تو چوبہ خشک تھا جسے نور آگ لگ گئی اور بھڑک اٹھی۔ تم چوبہ ترکی مانند ہو جو سلگ سلگ کر جل رہی ہے اور جلتے جلتے ہی جلے گی۔ پھر سب لوگ سمجھ گئے کہ یہ تمام امور فضل الہی پر منحصر ہیں۔

سترہویں شب ہی کو مخدوم صاحب نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا آراستہ مکان ہے جو انوار تجلیات سے جگمگا رہا ہے درمیان میں تخت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں۔ دائیں جانب

کے مشہور مدارس و جامعات میں رہ کر مقعولات اور منقولات کی تکمیل کی۔ مدینہ منورہ ہی میں حضرت کمال الدین محمد یحییٰ محدث رحمہ اللہ علیہ سے احادیث کی تصحیح کرتے رہے۔ جب پورا تجربہ حاصل ہو گیا تو آپ رحمہ اللہ علیہ مکہ معظمہ میں حاضر ہوئے اور یہاں سے بیت المقدس پہنچ کر انبیا کرام علیہم السلام کے مزارات کی زیارات کیں۔ اس عرصہ میں ناصرف یہ کہ آپ علوم ظاہری کی تکمیل میں مصروف رہے بلکہ بڑے بڑے بزرگان دین اور کالمین علوم باطنی کی صحبتوں سے بھی فیض یاب ہوئے۔ بڑے بڑے مشائخ سے ملے۔ فیوض باطنی حاصل کئے اور پاکبازانہ و متقیانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ جس وقت آپ بغداد شریف وارد ہوئے تو ایک جید عالم تھے۔

15 سال کی عمر میں حفظ قرآن، حسن قرت، علوم عقلیہ و نقلیہ اور ظاہری و باطنی علوم سے بھی مرصع ہو گئے تھے۔ آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ قرآن مجید کی ساتوں قرت (سبعہ قرت) پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ آپ نے حصول علم کیلئے خراسان، بخارا، یمن، مدینہ المنورہ، مکہ المکرمہ، حلب، دمشق، بغداد، بصرہ، فلسطین اور موصل کے سفر کر کے مختلف ماہرین علوم شریعیہ سے اکتساب کیا۔ شیخ طریقت کی تلاش میں آپ اپنے زمانہ کے معاصرین حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر، حضرت سید جلال الدین شاہ بخاری (مخدوم جہانیاں جہاں گشت) اور حضرت سید عثمان لعل شاہ باز قلندر رحمہم اللہ کے ساتھ سفر کرتے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرقہ خلافت دلایا بیت المقدس سے مختلف بلاد مشائخ اور مزارات کی زیارت کرتے ہوئے مدینہ العلم بغداد میں آئے تو اس وقت حضرت شیخ شباب

مسلمان ہوئے جبکہ لاکھوں مسلمان راہ یاب اور کامیاب ہوئے۔ آپ کے ملفوظات اور مکتوبات طبع ہو چکے ہیں، جن میں سے یہ ایک جملہ مکمل اسلامی زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔

"جسم کی سلامتی کم کھانے میں، روح کی سلامتی گناہوں کے ترک میں اور دین کی سلامتی نبی کریم صاحب لولاک علیہ السلو والسلام پر درود بھیجنے میں ہے۔"

دارالاسلام ملتان کا
سہروردی مدرسہ

ملتان دارالسلام تھا۔ اتنے عرصہ میں فضا اور بدل چکی تھی۔ حالانکہ آپ یہیں کے رہنے والے تھے مگر پھر بھی چونکہ آپ صاحب ولایت اور بااقتدار اور باکمال ہو کر آ رہے تھے اس لئے مشائخ ملتان کو آپ کا ملتان آنا ناگوار

گزر۔ انہوں نے دودھ کا پیالہ آپ کے پاس بھیجا جس کا مقصد یہ اشارہ تھا کہ یہاں کا میدان پہلے ہی سرسبز ہے اور ملتان میں آپ کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ آپ نے اشارہ سمجھ کر دودھ کے بھرے پیالے میں ایک گلاب کا پھول ڈال کر بھیج دیا۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ گوکہ یہ پیالہ لبالب ہے، یہاں جگہ نہیں مگر میں مثل اس پھول کے یہاں رہوں گا اور میرے رہنے سے نہ کسی کی جگہ پر اثر پڑے گا نہ کسی پر بار رہوں گا۔ آپ 614ھ میں ملتان

حضرت شیخ الشیوخ دست بستہ مودب کھڑے ہیں اور قریب ہی چند خرقے آویزاں ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخدوم صاحب کو سامنے بلایا اور ہاتھ پکڑ کر اسے حضرت شیخ الشیوخ کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا کہ میں اسے تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ ان خرقوں میں سے ایک خرقہ بہا الدین کو پہنادو۔

چنانچہ انہوں نے تعمیل حکم کے طور پر آپ کو ایک خرقہ پہنادیا۔

صبح ہوتی ہے حضرت شیخ الشیوخ نے آپ کو بلایا اور فرمایا کہ رات کو جو خرقہ عطا ہوا ہے وہ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے



عطا ہوا ہے۔ آپ نے وہ خرقہ پہنایا اور حکم دیا کہ اب ملتان پہنچ کر ہدایت خلق میں مصروف ہو جا۔ یہ تھا حضرت مخدوم صاحب کا مرتبہ کہ سترہ روز میں خلافت ملی حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی سب کچھ دکھا کر ملی گویا آپ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملتان میں پنجاب سندھ اور سرحد میں روشنی پھیلانے کیلئے متعین کیا تھا۔ شیخ کے حکم پر آپ ہندوستان کے علاقہ ملتان میں تبلیغ دین میں مصروف ہوئے۔ آپ کے ذریعے ہزاروں ہندو

پہنچے اس وقت آپ کی عمر 3637 برس کی تھی۔ آپ نے ملتان پہنچ کر ملتان کا نقشہ ہی بدل دیا۔ اس کی شہرت کو ہمدیش شریا بنا دیا۔ آپ نے عظیم الشان مدرسہ رفیع المنزلات خانقاہ دعویٰ لشکر خانہ پر شکوہ مجلس خانہ اور خوبصورت عالی شان مراٹھیں اور مساجد تعمیر کرائیں۔

پہنچے اس وقت آپ کی عمر 3637 برس کی تھی۔ آپ نے ملتان پہنچ کر ملتان کا نقشہ ہی بدل دیا۔ اس کی شہرت کو ہمدیش شریا بنا دیا۔ آپ نے عظیم الشان مدرسہ رفیع المنزلات خانقاہ دعویٰ لشکر خانہ پر شکوہ مجلس خانہ اور خوبصورت عالی شان مراٹھیں اور مساجد تعمیر کرائیں۔

خالہ زاد بھائی تھے۔ مشہور شاعر عراقی آپ کا داماد تھا۔ والی سندھ اور ملتان ناصر الدین قباچہ کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔

وصال شریف آپ کی وفات حسرت آیات ۷ صفر ۱۶۶ھ ۱۲۱ دسمبر ۱۶۶۱ کو



اس وقت ملتان کا مدرسہ ہندوستان کی مرکزی اسلامی یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا تھا جس میں جملہ علوم منقول کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے لائق اور وحید العصر معلم

ہوئی۔ آپ کا مزار شریف قلعہ محمد بن قاسم کے آخر میں مرجع خلائق ہے، مزار کی عمارت پر کاشی کا کام قابل دید ہے اور سینکڑوں اشعار یاد رکھنے کے لائق ہیں، مزار کا احاطہ ہر قسم کی خرافات سے پاک ہے۔ عرس کے موقع پر غلام کرام کی تقاریر خلاق خدا کی ہدایت کا سامان بنتی ہیں، اندرون سندھ سے مریدین اور معتقدین کے قافلے پایا پورہ حاضر ہوتے ہیں۔

آپ کا وصال ۱۶۶ھ میں اٹھاسی سال کی عمر میں ہوا۔ حضرت خواجہ غریب نواز ۶۶۶ھ حضرت قطب الاقطاب ۳۳۶ھ حضرت بابا صاحب ۶۶۶ھ اور حضرت مخدوم صاحب ۶۶۶ھ میں وصال پا گئے، یہ عبد کتنا مبارک عہد تھا۔

(ماخوذ "دائرہ معارف اسلامیہ")

پروفیسر اس میں فتنہ و حدیث، تفسیر قرآن ادب فلسفہ و منطق ریاضی و ہیئت کی تعلیم دیتے تھے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ بلاد ایشیا عراق شام تک کے طلباء اس مدرسہ میں زیر تعلیم تھے۔ طلباء کی ایسی کثرت تھی کہ ہندوستان میں اس کی کوئی نظیر نہیں تھی۔ لشکر خانہ سے دونوں وقت کھانا ملتا تھا۔ ان کے قیام کیلئے سینکڑوں حجرے بنے ہوئے تھے۔ اس جامعہ اسلامیہ نے ایشیا کے بڑے بڑے نامور علماء و فضلا پیدا کئے۔ ملتان کی علمی و لٹریٹری شہرت کو فلک الافلاک تک پہنچا دیا۔

سیاسیات پر گہرا اثر و رسوخ حضرت صاحب علیہ الرحمہ کا قرون وسطیٰ کی سیاسیات پر گہرا اثر و رسوخ تھا چنانچہ ملتان پر اقتدار قائم رکھنے میں "انتہس" ۷۰۶ھ

بزم خوشبو

مہمان شاعرہ

نوشین اقبال نوشی

انجمن کی سربراہی نوید

یوں تو ادب کی دنیا میں ان گنت ایسے نام ہیں جو شاعری کی دنیا میں اپنے قدم جمائے ہیں اور کچھ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو شاعری کی دنیا میں آئے اور چھا گئے اور اپنے کلام سے دنیائے ادب میں مقام حاصل کر لیا ان میں سے ایک نام ہماری آج کی مہمان شخصیت جو کہ ہم نے اپنی خوبصورت محفل کا حصہ بنایا میں انہوں نے بہت کم عرصے میں دنیائے ادب میں اپنے منفرد لب و لہجے سے نام پیدا کیا ہے اور یہ نام کسی تعارف کا محتاج نہیں.....

کہہ چہرے یاد
بن کر دھندلے
ہو جائیں
محبت کے جس منظر
کھو جائیں.....
سنو.....!

آجاؤ لوٹ کر تم
کہ تمہارے لوٹ آنے کی آس
میں آج بھی محبت کے دیے
دل میں جلاتی ہوں.....!

جی ہاں دل میں دیے جلانے والی شاعرہ کوئی اور نہیں ہم سب کی پیاری نوشین اقبال نوشی ہیں نوشین اقبال نوشی کا تعلق ادب کے اس قبیلے سے ہے جو نظموں کو اشعار کی شکل میں ڈھال کر کبھی غزل کہتے ہیں کبھی نظم لیکن انہیں خود بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب کیسے اس قبیلے کا فرد بن گئیں نوشین اقبال نوشی کی شاعری دراصل ان کی

سنو.....!
ابھی جذبوں میں
محبت کی رقیں باقی ہے
ابھی عمر رواں
کا سورج ڈھلا نہیں
محبت کے نام سے
آشا ہے
ابھی اتنا وقت نہیں گزرا

..... آغاز میں نے شاعری سے کیا شاعری ہی میرا حوالہ
 پہچان بے ناول اور افسانے موڈ ہو تو لکھتی ہوں۔ سب سے
 پہلی نظم ماہنامہ آنچل اور سب سے پہلا افسانہ ماہنامہ دو شیزہ
 میں شائع ہوا
 خوشبو..... خوبصورت اور احساسات کی مالکہ مزاجا کیسی ہیں

اپنی ذات سے وابستہ نہیں بلکہ وہ دوسروں کے دکھ درد
 محسوس کر کے لفظوں میں ڈھال کر شاعری کی صورت میں بیا
 ن کرتی ہیں۔ بر حال ان کی شاعری ان کے وجود کا حصہ
 ہوتے ہوئے ہی ان کی کہانی نہیں..... آئیے ان سے
 آپ کی ملاقات کرواتے ہیں۔

خوشبو..... اپنا تعارف تعلیمی قابلیت
 اور مصروفیات کے بارے میں ہمیں
 کچھ بتائیں

نوشی..... میرا مکمل نام نوشین اقبال
 ہے ادبی حوالے سے اور میرا ننگ نیم
 نوشی ہے 27 جولائی کو کھاریاں کے
 ایک گاؤں میں پیدا ہوئی ایم اے
 اردو کیا اور شاعری ناول افسانہ نگاری
 کے علاوہ مختلف ڈائجسٹوں میں شاعری
 و دیگر تخلیقات شائع ہوتی رہتی ہیں
 مختلف ڈائجسٹ کی سیکشن ایڈیٹر بھی

نوشی..... مزاج میرا خوب چھاؤں سا
 ہے، کبھی بہت زیادہ غصہ اور کبھی بہت
 زیادہ نرمی لیکن غصہ بلا وجہ نہیں آتا، جھو
 ٹ سے سخت نفرت ہے
 خوشبو..... شعراء کو موسموں سے خاص
 نسبت ہوتی ہے آپ کا پسندیدہ موسم؟
 نوشی..... بالکل مجھے جی موسموں سے
 خاص لگاؤ ہے اور خاص طور پر بارش
 سردی اور خزاں کا موسم بہت پسند ہے
 مگر وہ تہی ممکن ہوتا ہے جب دل کا

موسم اچھا ہو۔

خوشبو..... پسندیدہ مصنف مصنفہ؟

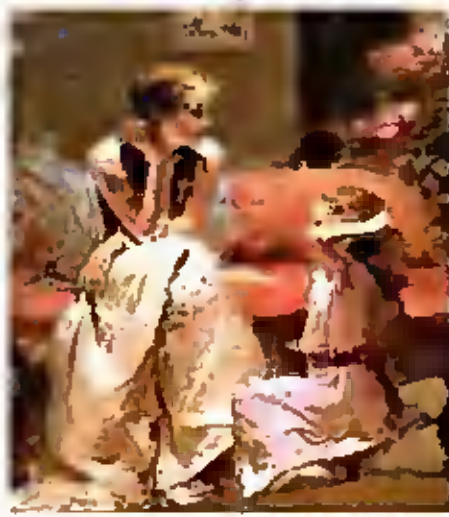
نوشی..... اشفاق احمد بانو قدسیہ مظہر اسلام پاشم ندیم اور دیگر
 کافی شعرا مصنفین میں جن کے کلام سے کافی دلچسپی ہے۔
 خوشبو..... زندگی کیا ہے زندگی کے بارے میں آپ کیا کہیں
 گی؟

ہوں۔

خوشبو..... لکھنے کا آغاز کب سے ہوا؟ کیا ہمیشہ سے ہی لکھنے کا
 شوق تھا؟

نوشی..... جب سے ہوش سنبھالا تو خود کو اسی دنیا میں پایا
 میں نے خود سے کلام ہی نظم اور نثر سے کیا..... اپنی روح کی
 تشنگی کو شاعری کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش بھی کی

بن کر گردش کر رہا ہے۔
 نوشین اقبال نوشی کی ایک خوبصورت
 نزل
 غموں سے کبھی بار جانا نہیں ہے
 تیرے بھر کا غم منانا نہیں ہے



نوشی..... زندگی بذات خود ایک فلسفہ
 ہے اگر سمجھا جائے تو میرا ماننا ہے زندگی
 کسی مقصد کے تحت گزاری جاتی ہے.....
 جی تو جوان بھی لیتے ہیں..... لیکن زندگی
 ایسی ہو چکی بدولت کسی کو فائدہ بھی پہنچے
 اور اپنے زندہ ہونے کی دلیل بھی مل
 سکے.....

خوشبو..... آج کل کیا مسروقیات ہیں؟؟

نوشی..... گھر رہ رہتی ہوں گھر یلو کام کاج میں مسروف رہتی
 ہوں کام کاج لکھنا پڑھنا اور چند ایک ایسے میگزین ہیں جن
 کے مختلف شعبوں میں بطور اسٹارک کام بھی کر رہی ہوں۔۔
 خوشبو..... آپ کی کتاب مارکیٹ میں آچکی ہے کیا کوئی اور
 کتاب بھی مارکیٹ میں آرہی ہے
 نوشی..... جی ہاں! میری ایک کتاب ”وجہ ہے محبت“ مارکیٹ
 میں آچکی ہے دوسری کتاب پر کام جاری رکھا ہوا ہے۔
 خوشبو..... شاعری آپ کے نزدیک کیا ہے؟

نوشی..... شاعری میرے نزدیک آپ کے اور آپ کے ارد
 گرد کی آواز ہے جسے آپ کسی کو بیان کرنے کی بجائے
 شاعری کا روپ دھار دیتے ہیں میں نہ صرف اس کے
 ذریعے اندر کی خاموش صداؤں کو لفظوں کا روپ دیکر نظم کی
 شکل میں پیش کرتی ہوں بلکہ یہ بھی محسوس کرتی ہوں کہ ایک
 زمانہ میرا ہر ایسی ہے اور یہ دکھ زمانے کی رنگوں میں بھی لہو

ہر اک غم کو تنہا ہی سہنا مجھ کو
 کسی کو بھی غمگین بنانا نہیں ہے
 انا اپنی وہ پاس رکھے خوشی سے
 مجھے جھک کے اس کو منانا نہیں ہے
 اسے جیت کر گرچہ یقین ہے
 مجھے بھی تو خود کو ہرانا نہیں ہے
 بہت غمزہ ہوں میں اس زندگی سے
 جہاں کو مگر غم بتانا نہیں ہے
 بھرم دوستی کا نہ یوں ٹوٹ جاتے
 اسے بھول کر آزمانہ نہیں ہے
 کہانی میری اک فسانہ ہے نوشی
 حقیقت میں لیکن فسانہ نہیں ہے
 خوشبو..... اپنے چاہنے والوں کے نام کوئی پیغام؟
 نوشی..... سب سے یہی کہوں گی کہ لگن نیک نیت اور خلوص
 شامل حال ہو تو منزل بہت جلد مل جاتی ہے اور ان لوگوں

ہم قابل فخر شاعرہ نوشین اقبال نوشی کے شکر گزار میں انہوں نے آکر ہماری اس محفل کو رونق بخشی ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہیں سلامت رہیں۔

ان کا خاص خیال رکھنا چاہیے جنہوں نے اپنی جیت کے راستے میں اپنا بہت کچھ پارا ہوا اور ہر حال میں خداوند کریم کا شکر ادا کرتے رہیں اور مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیں.....

نوشین اقبال نوشی کی اس خوبصورت غزل سے اس ماہ کے سلسلے کا انتقام کروں گی۔

آنکھن

مجھے یاد ہے

وہ اکثر مجھ سے کہتا تھا

جاناں

تم ہو میرا سکون

میری ہنسی کی وجہ ہو تم.....

تم میری زندگی ہو

اور میں آج یہ سوچتی ہوں

فاصلے صدیوں کے ہیں ہمارے بیچ

اب وہ کیسے سکون سے رہتا ہوگا

کس کے سنگ وہ بنتا ہوگا

اس کی ہنسی کی وجہ بھی کوئی بنتا ہوگا؟

کیا اب بھی وہ زندگی جیتا ہوگا؟

یا یہی سب باتیں اب کسی اور سے کہتا ہوگا؟

☆.....☆.....☆



خوشبو..... خوشبو آن لائن
ڈائجسٹ کے بارے میں کیا
کہیں گی؟

نوشی..... خوشبو آن لائن کے
تمام سٹاف اور خاص طور
پر مدیر اعلیٰ خوشبو آن لائن
ڈائجسٹ پیاری کبری نوید کا
شکریہ ادا کرنا چاہوں گی اور
ان کے اقدام کو سراہنا
چاہوں گی کہ وہ لکھنے والوں
کیلئے ایک پلیٹ فارم مہیا کر
رہے ہیں خوشبو آن لائن

ڈائجسٹ کیلئے بہت سی دعائیں اللہ تعالیٰ دن دگنی رات چگنی
ترقی عطا فرمائے اور انشاء اللہ ادب کی دنیا میں بہت جلد یہ
ڈائجسٹ اپنا منفرد نام اور مقام پیدا بنائے گا۔ کبری نوید
امامیہ سردار خان کی محنتوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور انشاء
اللہ خوشبو آن لائن ڈائجسٹ انٹرنیٹ کی دنیا میں پہلا
خوبصورت رنگین ڈائجسٹ ہے: میں انہیں ان کی کامیابی
پر مبارکباد پیش کرتی ہوں۔

رہی تھی پتھر اسکے پاں کو زخمی کر رہے تھے وہ اچانک ٹھوکر لگنے سے بری طرح گرنے والی تھی... جب اسے کوئی انجانی سی قوت اپنی طرف کھینچ لیتی ہے... اور اسکو کسی خوبصورت باغیچے میں چھوڑ دیتی ہے... وہ نظر اٹھا کر دیکھتی ہے تو آسمان پر چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے... اتنے میں بادل کے گرجنے سے اسکی آنکھ کھل گئی... سائید ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر پیا تب جا کر وہ اپنے حواس بحال کر پائی تھی... بادل زور سے گرجا اور ٹپ ٹپ کی آواز آنے لگی... وہ جلدی سے اٹھی صحن سے دھلے کپڑے اتار کر برآمدے میں رکھے... چیزیں سمیٹ کر وہ برستی بارش کو دیکھنے لگی جو آہستہ آہستہ موسلا دھار بارش کا روپ دھار بجی تھی....

وہ جلدی میں باہر آئی تھی شمال تک لینا بھول گئی تھی... سردی کی لہر اسکے پورے جسم میں دوڑ گئی... وہ اندر جاتے جاتے پھر مڑی تھی... اور برستی بارش میں ہتھیلی پھیلا کر وہ برستی بوندوں کو قید کر رہی تھی... ایک بات کہوں... وہ پر شوق نظردوں سے اسکی ہتھیلیوں کو دیکھ رہا تھا... ہم کہو... وہ برستی بوندوں کو مٹھی میں قید کر رہی تھی... بارش کی یہ برستی بوندیں بہت باغی ہوتی ہیں جتنے پیار سے بھی انکو قید کرنے کی کوشش کرو یہ پھسل جاتیں ہیں... وہ بھی لا شعوری طور پر اسکی حرکت دہرا رہا تھا... وہ اسکو کہنا چاہتی تھی تم بھی تو باغی ہو... جتنی مرضی کوشش کر لوں تم میرے نہیں بنتے...

یکدم بجلی زور سے چمکی تو وہ دوبارہ ہوش میں آئی... گھر میں اندھیزا چھا گیا تھا... جا... جا... کدھر ہو یار... شاہ میر کی آواز پے وہ اندر کمرے میں آئی... ایر جنسی لائٹ آن کر کے وہ بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی... سردی اسکے پورے جسم پے سرایت کر گئی تھی... کدھر تھی یار اور بارش کب شروع ہوئی... وہ سردی کی شدت کو دیکھتے ہوئے جا کے اوپر کمرے میں لگا... کچھ دیر پہلے... میں چیزیں سمیٹنے لگی تھی... وہ مختصر جواب دے کر اچھی طرح کمرے میں لپٹنے لگی...

کیا ضرورت تھی اتنی سردی میں باہر جانے کی... ہاتھ دیکھو کیسے ٹھنڈے ہوئے پڑے ہیں... شاہ میر نے اسکے ٹھنڈے نرم ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا... وہ بار بار اس عمل کو دوہرا رہا تھا تا کے اسکے ہاتھوں کی ٹھنڈک کم کر سکے... شاہ میر... جانے غور سے شاہ میر کو دیکھ کر پکارا... گم... وہ لیٹ چکا تھا آ پکو مجھ سے محبت ہے؟ نا جانے کیسے اس کے منہ سے یہ سوال نکلا تھا...

بہت دلچسپ سوال پوچھا.. جا کون نامراد ہوگا جس کو اپنی بیوی سے محبت نا ہو... اور وہ بھی تم جیسی خوبصورت بیوی سے... شاہ میر نے کہنی پر اپنا سر رکھا اسکو دیکھا...

مطلب آپکو میری خوبصورتی سے پیار ہے...؟ حبا عظیم نے پھر سوال کیا
میری جان خوبصورتی سے کس کو پیار نہیں ہوتا... مجھے بھی ہے... تمہاری اس سنہری پیشانی سے... تمہاری ان مخرد طی
انگلیوں سے... تمہاری شفاف رنگت سے... لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جس طرح تم مشکل وقت میں میرا ساتھ دے
رہی ہو تمہاری محبت میرے دل میں بڑھتی جا رہی ہے... وہ محبت سے کہ رہا تھا... اور وہ چپ چاپ سن رہی تھی... حبا
ایک بات پوچھوں؟؟ اب سوال شاہ میرے کیا جی پوچھیں.... وہ بھی اسکی طرف رخ کر کے لیٹ گئی...
کیا تمہیں مجھ سے محبت ہوئی؟ شادی سے پہلے تو نہیں تھی... وہ مسکرایا تھا

آپکو کیا لگتا ہے... کیا میری وفا میں کوئی کمی دیکھی آج تک؟؟ حبا نے اسکی آنکھوں میں دیکھا تم اتنی اچھی ہو حبا کے
کبھی کبھی میں سوچتا ہوں تم اتنی اچھی کیوں ہو... تم اتنی خوبصورت ہو کے ڈر سا لگتا ہے کہیں تمبے کھونا دوں...
تمہارے وجود کو چلتے پھرتے اپنے گھر میں دیکھتا ہوں تو اپنی خوش قسمتی بے یقین نہیں ہوتا... لیکن حبا عظیم جب تمہاری
ان گہری چمکدار شفاف آنکھوں میں دیکھتا ہوں تو سوائے خاموشی کے کوئی عکس کوئی رنگ نظر نہیں آتا... ایک عجیب سی
خاموشی ہے ان آنکھوں میں جو مجھے بے چین کرتی ہے... اور پھر میرے دل میں خیال گزرتا ہے کہ شاید تم میرے
ساتھ خوش نہیں... یا میری محبت ابھی اس مقام پر نہیں پہنچنے کے تمہاری آنکھوں میں میرے عکس نظر آئیں... وہ مسلسل
اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا... اور وہ آنکھیں چرا گئی تھی... یہ بس ان بودلکا اثر ہے جو آپ نے حفظ کیے ہوئے ہیں
ورنہ ایسا کچھ بھی نہیں.... وہ مسکرا کے بولی...

اللہ نے مجھے آپکے ساتھ جس بندھن میں باندھا ہے یہ تو اٹوٹ ہے... میں ساری زندگی کے لئے آپکے نام لکھ دی گئی
ہوں... اور میں اس رشتے کو دل و جان سے نبھا رہی ہوں بیفکر رہیں... وہ پیار سے کہ کر آنکھیں بند کر گئی... اوکے
میری جان کہتی ہو تو مان لیتے ہیں... شاہ میر بھی رخ بدل کر لیٹ گیا... اور حبا عظیم نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں
کھولیں اور پھر موند لیں.... باہر بارش زوروں سے برس رہی تھی اور حبا عظیم کا ذہن اپنے دیکھے خواب میں الجھ گیا تھا...
☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆

مجتبیٰ.. اٹھ جا بیٹا دن کے 11 بج رہے ہیں... صبیحہ بیگم کمرے میں آئیں... وال ساڑز گلاس ونڈو سے دبیز پردے
ہٹائے تو چھن سے دھوپ کی کرنیں کمرے میں داخل ہوئیں...
ای مجھے ابھی سونا ہے پلیز... فارگا ڈسک یہ پردے آگے کریں... وہ سنہری دھوپ کو کمرے میں آتا دیکھ کر چڑسا گیا
تھا...

... اور ٹھیک ہے آپ لوگوں نے اسی طریقے سے چلنا ہے تو ٹھیک ہے مگر آج کے بعد آپ میں سے کوئی بھی جا کو کچھنا کہے ... وہ چاہے ٹی وی لگائے چاہے پنکھا ... آپکو اعتراض نہیں ہونا چاہئے ... اس گھر کے اخراجات میں برداشت کر رہا ہوں میری بیوی کو بھی پورا حق ہے اپنی مرضی سے جینے کا ... امید ہے آپ دونوں کو سمجھ آگئی ہوگی ... وہ مریم کی بات پر طیش میں آگیا تھا مگر بہت تسلی سے اس نے ماں بہن کو جواب دیا تھا ...

مریم کچھ بولنے ہی والی تھی جب عارفہ بی بی نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا ... وہ بیٹے کے غصے سے بہت اچھے سے واقف تھی ...

شاہ میر کہ کر گھر سے باہر چلا گیا تھا ... ای کیوں روکا آپ نے دیکھا کیسے مینا کا طوطا بنا ہوا ہے ... مجھے بولنے دیتیں آپ ... مریم کا ذہن بہت برا ہوا تھا ... بچی جب کہاں بیٹے منہ زور ہو جائے تو کبھی کبھی خاموش ہونا پڑتا ہے ... عارفہ بی بی چالاکی سے بولی ...

تو کیا جا کا غلام بنا دیکھتے رہیں اسکو ... مریم کے لہجے میں جا کے لئے نفرت تھی ...

نہیں بلکل نہیں شاہ میر کی لگام کسی اور طریقے سے کھینچی ہوگی ... عارفہ بی بی پر سوچ لہجے میں بولی ...

اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوتے ہی گہرے سیاہ بادلوں نے اسکا استقبال کیا تھا ...

وہ جیسے جیسے اسلام آباد کی سڑکوں پر گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا ویسے ویسے اسکا انداز ایک عجیب سی بے کلی طاری ہو رہی تھی ...

مجھبی کو اسلام آباد پوچھنے پھنچنے پھنچتے شام ہو گئی تھی ... وہ سیدھا رومان کے آفس ہی گیا تھا ...

السلام وعلیکم ... رومان اسے دیکھتے ہی بڑی گرم جوشی سے گلے لگا کر ملا تھا ...

وعلیکم سلام ... کیسے ہو وکیل صاحب ... مجھبی نے بھی اتنی ہی گرم جوشی سے جواب دیا تھا ...

رومان مجھبی سے کوئی 5 سال بڑا تھا مگر دونوں میں خوب یارانہ تھا ... وہ دونوں بچپن سے ایک دوسرے کے پکے دوست تھے ... رومان نے فوراً ہی چائے منگوائی تھی ... اور سنا کیسا جا رہا تھا ہمارا بزنس ... سنا ہے خوب تر تھی ہو رہی آج کل ...

رومان نے خوش دلی سے کہا ... بس یار دعا ہے تمہاری ... اور تم سنا کا لٹ کیسی جا رہی پچھلے دنوں رمیز کا کیس جس طرح تم نے ہینڈل کیا ... امیزنگ یار مزہ آ گیا ... مجھبی نے آفس بوائے سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا ...

بس دیکھ لو مجھبی جمال ایک تمہیں ہی اپنے کزن کی قدر نہیں ... رومان نے مصنوعی فخر سے اپنا کالرا اونچا کیا تھا ...

ہا ہا کیا خوب کہا ڈیئر کزن قدرنا ہوتی تو ہر مہینے آپکے دیدار کو نا آتے آپکے پاس ... وہ رومان کی بات سے خوب منظور ہوا تھا ... واہ کمال کے ایکٹر ہوتے ... چلو پھر باقی باتیں گھر چل کے کرتے ہیں ماما تمہارا ویٹ کر رہی ہیں ... رومان نے

اپنی فائلز سمیٹتے ہوئے کہا... یار گھر بھی چلیں گے پہلے تم میرے ساتھ چلو گے... مجھتی بھی نہیں پے پڑا اپنا سیل فون اور گاڑی کی چابی اٹھا کے کھڑا ہو گیا... کدھر چلنا ہے... رومان بے مشکوک نظروں سے مجھتی.. کو دیکھا... تم جانتے ہو رومان... اب کی بار مجھتی.. نے سنجیدگی سے جواب دیا ناٹ اگین مجھتی... رومان نے خفگی سے مجھتی.. کو دیکھا...

جتنا کہا اتنا کرو... گاڑی میں نیچے پارکنگ میں کھڑی کر رہا ہوں تمہاری گاڑی پر چلیں گے... میں نیچے انتظار کر رہا ہوں جلدی آ... مجھتی.. کہ کے یہ جاوہ جا ہو گیا... اور رومان سر ہلا کر اسکے پیچھے چل پڑا... یہ نہیں سدھر سکتا... وہ بس سوچ کے رہ گیا آفس سے نکلتے ہی بارش شروع ہو گئی تھی... رومان سنجیدگی سے کارڈ ریو کر رہا تھا اور مجھتی.. فرنٹ سیٹ پر رومان کی سیٹ کی بیک پے بازو کاٹنے بیٹھا تھا... مجھتی.. آخر کب تک اس کو ڈھونڈو گئے... سال میں اسکا کچھ پتا نہیں چلا اب کیسے چلے گا...

امید پے دنیا قائم ہے... مجھتی.. نے مختصر جواب دیا تھا... تم جس موڑ پر اسکو تنہا چھوڑ کر گئے تب اسے تنہا ہی ضرورت تھی... جب ایسے دیوانوں کی طرح اسکو ڈھونڈنا تھا تو چھوڑا کیوں؟ رومان بری طرح الجھا ہوا تھا.. رومان پلیز اس وقت کچھ مت پوچھو پلیز... مجھتی نے زبان اور آنکھوں دونوں سے ریکویسٹ کی تھی

اور رومان اسکو بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا...

بارش جوں جوں تیز ہو رہی تھی... وہ مخصوص ایریا میں داخل ہو گئے تھے...

بارش کا پانی پانی چھم چھم برس رہا تھا...

اسلام آباد کی سڑکیں کچھ بارش کے پانی اور کچھ سٹریٹ لائٹس کی مدہم روشنی سے چمک رہی تھیں.. سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا... وہ ہر چیز کو دیکھ رہا تھا اور بہت غور سے دیکھ رہا تھا... اس کے اندر عجیب گھٹن کا احساس جاگا تھا... جیسے ہی اس نے ونڈو کا شیشہ نیچے کیا اسے لگا سرد ہوا کے جھونکے کے ساتھ اسکی خوشبو بھی اسکے اندر بکھر گئی ہو...

سنو تمہیں سردی نہیں لگتی... وہ دونوں ہاتھ ملتا ہوا اس کے پیچھے چل رہا تھا...

لگتی ہے... وہ مسکرا کے اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی... تو تمہیں کہا بھی تھا کہ گاڑی میں بیٹھ کر بات کر لیا کرو... مگر تمہیں ہی اتنی سردی میں مٹر گشت کرنے کا شوق ہے... وہ چڑ کر بولا تھا.

مجھے تمہارے ساتھ چلنا اچھا لگتا ہے... وہ مسکرا کے پھر چلنے لگی تھی...

اچھا ... کیوں اچھا لگتا ہے ... وہ بھی اسکے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا ... اب وہ اسے کرید رہا تھا ... اسلئے کے جب میں نہیں ہوں گی تو یہ مردی ... یہ رات ... یہ ہوا ... یہ رستے تمہیں میری یاد دلائیں گے ... تم جب بھی سردراتوں میں یہاں سے گزر رو گے تو مجھے یاد کرو گے ... وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی بول رہی تھی ... مجتبیٰ .. اسکو مبہوت سا دیکھ رہا تھا ... کتنی چمک تھی اسکی آنکھوں میں ...

یکدم گاڑی کی بریک لگنے پر وہ ہوش میں آیا ... رومان نے گویا اسکو ہوش میں لانے کے لئے ہی اشارے پر زور دار قسم کی بریک لگائی تھی .. وہ کن آنکھیوں سے مجتبیٰ کو دیکھ رہا تھا ... تو تم نے یہ بات بھی ٹھیک کہی تھی ... تم مجھے یاد آ رہی ہو . تم یہاں نا ہو کر بھی مجھے محسوس ہو رہی ہو ... بارش کی شدت میں اضافہ ہوا تھا ...

راہ یار تیری بارشیں

مجھے یوں

ستار ہی ہیں

کہ رہیں ہیں

تیرا یار تجھ سے

خفا خفا

تیری عادتوں سے

جدا جدا

تجھے دیکھنا نہیں چاہتا

تجھے موڑنا نہیں چاہتا

دل اپنا ایک بار کو پھر

وہ توڑنا نہیں چاہتا ...

میرے یار تیرے فراق میں

میری جان نکل رہی ہے

میرے یار تیری تلاش میں

میری زیست تڑپ رہی ہے

راہ یار تیری بارشیں

جبا تمہارا کون ہے میرے علاوہ...؟؟؟ اس کے سوال پر جبا خاموش ہی رہی۔ وہ ریمورٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کے اس کے پاس آن کھڑا ہوا تھا..... میں ان سب سے محبت کرتا ہوں عزت کرتا ہوں خیال کرتا ہوں... لیکن سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں اپنی ذات تک... تمہیں کوئی بھی کچھ کہے یہ برداشت نہیں... تمہاری ان آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا... سبھی... اس کے لئے میں ہر اس انسان سے ٹکراں گا جو تمھے دکھ دے گا... وہ جبا کا بازو پکڑے اپنے طرف اسکا رخ موڑے کھڑا تھا...

جبا خاموشی سے اسکو یک ٹک دیکھ رہی تھی... گندمی رنگت اور کھڑے نعوش والا شاہ میر ہمیشہ ہی اس کے لئے پروٹیکٹر ثابت ہوا تھا... وہ سچ بول رہا تھا... جبا کا دل اسکی سچائی کی گواہی دے رہا تھا... میں کپڑے طے کر لوں عشا کی اذان ہو گئی نماز بھی پڑھنی ہے... وہ گھبرا کر اپنا بازو چھڑا گئی تھی... شاہ میر اس کے گھبرانے پے مسکرا کر بڑھ گیا تھا... گونا ساری جذباتیت بہ گئی تھی... وہ ہمیشہ اس لڑکی کے کسی ایک چھوٹے سے رد عمل کے آگے بھی پیس ہو جاتا تھا... وہ کچھ نا کرا کے بھی بہت کچھ کر جاتی تھی... دن کا خراب موڈ فٹ سے خوشگوار ہو گیا تھا... وہ کچھ دیر بیڈ پر بیٹھ کر جبا کو دیکھتا رہا... جو نفاست سے طے شدہ کپڑوں کو الماری میں رکھ رہی تھی

☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆
وہ دراز قد ایک مکمل لڑکی تھی خدا نے اسے بہت خوبصورت بنایا تھا... وہ مسلسل اسکو دیکھ رہا تھا.. آپ نے نماز پڑھنے نہیں جانا... وہ کپڑے رکھ کر اس سے مخاطب ہوئی... اور شاہ میر کھڑا ہو گیا... اوکے میں بھی مسجد جا رہا ہوں واپسی پے تمہارا فیورٹ سوپ لیتا آوں گا... کھانا مت کھانا اور نہ کہو گی بھوک نہیں ہے... وہ کہہ کر چلا گیا.....

جبا کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی... وہ واقعی دلجوئی کرنا جانتا تھا... وہ اپنے فرائض نبھانا جانتا تھا.. زندگی کے تپتی دھوپ میں وہ اپنوں کا سایہ بننا جانتا تھا... ایک عورت مرد سے چاہتی بھی کیا ہے؟؟؟ صرف اتنا کہ وہ اسکو زمانے کی گرم لو... چبھتی دھوپ... تند و تیز نظروں سے بچا سکے... اور شاہ میر جبا عظیم کی ہمیشہ ڈھال بنا تھا... ہمیشہ... محبت نا سہی... وفا تو تم سے ہمیشہ کروں گی شاہ میر یہ میرا خود سے عہد ہے... وہ سوچ کر نماز ادا کرنے چلی گئی... ☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆

مجتبیٰ آج بھی کچھ حاصل نہیں ہونے والا... گیٹ کولاک ہے... رومان اسلام آباد کی کسی نئی سوسائٹی میں بننے 5 مرلے کے جدید طرز سے تعمیر کیے گئے گھر کے سامنے گاڑی روکے کھڑا تھا... گھر چھوٹا لیکن خوبصورت تھا لیکن

اندھیرے میں ڈوبا ہوا ... سٹریٹ لائٹس کی وجہ سے زیادہ اندھیرا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔
تم یہیں رکو میں پوچھ کے آتا ہوں ... مجھے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر باہر نکلنے لگا جب رومان نے اسے روک لیا ...
مجھے باہر بارش تیز ہے پلیز بیٹھے رہو ... رومان نے سختی سے رد کا تھا ...
مجھے نے باہر دیکھا بارش نے بھی جیسے آج کھل کے برسنے اور نارکنے کی قسم کھا رکھی تھی ... وہ بیسی سے سیٹ کی پشت سے
ٹیک لگا کر بیٹھ گیا ...

رومان کو اسکی اس حالت پر تکلیف ہوئی تھی ... اس نے مجھے کا شانہ تھپتھپایا ...
ہمت کرو مجھے ... وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا تھا وہ جانتا تھا پچھلے دو سالوں میں ملک مجھے کیسے سے دیوانہ وار ڈھونڈ رہا تھا ...
کیسے اسکے شہر اسکی گلیوں کے چکر کاٹ رہا تھا ... رومان جانتا تھا کہ اسکا دوبارہ ملنا آسان نہیں مگر وہ اپنے یار کا دل نہیں
توڑنا چاہتا تھا ... وہ جانتا تھا کہ دوسروں کو توڑنے والے جب خود ٹوٹتے ہیں تو سمجھل نہیں پاتے اور وہ نہیں چاہتا
تھا کہ مجھے ٹوٹے ... اسلئے وہ مجھے کے ساتھ تھا

بارش تیز تھی ... ونڈ سکرین وائپر کی آواز گاڑی میں انک عجیب سا شور پیدا کر رہی تھی ... اتنے میں مجھے کی طرف کا
شیشہ ناک ہوا تو وہ دونوں ہی چونک گئے ... شناسا سا چہرہ دیکھ کر مجھے نے شیشہ نیچے کیا ..
سلام و علیکم ... کیسا ہے 45 ... سالہ مضبوط قد کا ٹھکانہ ہاتھ میں چھتری پکڑے اور چادر لپیٹے کھڑا تھا ...

و علیکم سلام ... کیسے ہو گلاب خان ... مجھے نے خوش ولی سے جواب دیا تھا ...
ام ٹھیک ہے ... آواندر آ جا ... گاڑی ادھر سائیڈ پے کھڑا کر دو ... گلاب خان نے سائیڈ پے گاڑی کھڑی کرنے کا
اشارہ کیا ... ارے نہیں ہم ... رومان انکار کرنے والا تھا جب مجھے نے اسکا بازو زور سے دبایا ... ہم آ رہے ہیں گلاب
خان ... مجھے نے کہا .. آ جا آ جا ... گلاب خان کہہ کر سائیڈ پے ہو گیا آیا وہ گاڑی پارک کر لیں ...
کیا ضرورت ہے اب ادھر جانے کی ... رومان کا موڈ آف ہوا تھا
یار بس 5 دس منٹ کی بات ہے ... چلو ...

وہ گلاب خان کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے .. گلاب خان دونوں کو گرم قہوہ پیش کر کے انکے پاس نیچے نیچے تخت پر
بیٹھ گیا .. پچھلے دو سالوں میں مجھے اور گلاب خان کی اچھی سلام دعا ہو گئی تھی .. اس سے پہلے بھی وہ گلاب خان کا ذکر سن
چکا تھا دیکھ چکا تھا مگر ملتے ہوئے ایک سال ہی ہوا تھا ..

آج پھر تم اس کو ڈھونڈنے آیا ہوگا ... کمرے کی خاموشی گلاب خان نے ہی توڑی تھی ...

ہممم ہاں ... مجتبیٰ نے مختصر سا جواب دیا ...

پھر وہ ملامت کو ... گلاب خان نے جانتے بوجھتے عجیب سوال پوچھا تھا ..

نہیں ... مجتبیٰ بھی مختصر سے جوابات دے رہا تھا جیسے وہ ان سوالوں کا عادی ہو ...

رومان کیوں کے پہلی بار شامل ملاقات تھا لہذا وہ انکی باتیں حیرانگی سے سن رہا تھا دونوں کی عمر میں اچھا خاصا فرق تھا لیکن گفتگو سے بلکل بھی ایسا محسوس نہیں ہو رہا تھا ... مجتبیٰ کئی بار پہلے بھی گلاب خان سے ون ٹو ون ملاقات کر چکا تھا رومان گاڑی میں ہی بیٹھتا تھا.

ناامید ہو گیا ہے؟؟؟ گلاب خان نے پھر سوال کیا

نہیں ابھی تک تو نہیں ہوا لیکن بہت جلد ہو جاں گا ... مجتبیٰ تو وہ بھی ساتھ ساتھ پی رہا تھا ...

ناامیدی کفر سے ... رب سے دعا کرتا ہے تم؟؟؟ گلاب خان استفسار کر رہا تھا ..

کبھی کبھی ... مجتبیٰ کے جوابات رومان کو الجھا رہے تھے ... وہ الجھ کے گلاب خان کو دیکھ رہا تھا .. گلاب خان نے رومان کی الجھن کو دیکھتے ہوئے اسے تسلی رکھنے کا اشارہ کیا

جس کو تم ڈھونڈ رہا ہے نا وہ بہت اللہ والا ہے .. اس وقت اگر اسکا مضبوط رابطہ کسی کے ساتھ ہے تو وہ خدا ہے ... تم اسکے ظاہر کو جان سکے تھے اسکے باطن کو نہیں .. وہ دنیا داری ضرور بخا رہا تھا ... دنیا میں دل بھی لگا بیٹھا تھا مگر خدا سے آگے کسی کو نہیں رکھا اس نے .. اگر اسکی چاہت ہے تو خدا سے مانگو اسے ... اور صدق سے دل سے مانگو .. وہ تمہاری ضرور سنے گا۔

گلاب خان عجیب سے لہجے میں بول رہا تھا ... رومان نے اسکے چہرے کو دیکھا ابھی بھی اسکا رنگ شہد کی طرح تھا چہرے پے جچی داڑھی اسکو اور خوبصورت بنا رہی تھی پیشانی پے سجا محراب روشن تھا ... اسکی باتوں میں اثر تھا .. شخصیت میں روحانیت تھی .

مجتبیٰ نے ایک نظر اٹھا کر گلاب خان کو دیکھا

گلاب خان تم سے بھی رابطہ نہیں کیا اس نے ... وہ تڑپ کے پوچھ رہا تھا

میرا اسکا رابطہ تو دعا کا ہے وہ ہماری دعا میں ہمیشہ رہتا ہے ... گلاب خان مسکرایا تھا

کوئی گھر بھی نہیں آیا ...؟ مجتبیٰ نے پھر سوال کیا ...

نہیں کوئی بھی نہیں 2 سال ہونے کو آئے کوئی مٹر کر نہیں آیا ...

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف
ایڈ فرس لنکس
ایک کلک سے ڈاؤن لوڈ
ڈاؤن لوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلو ڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مکمل ریجنج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

<http://twitter.com/paksociety1>

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Message

Get Notifications
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

See First
See new posts at the top of News Feed

Default
See posts as usual

Unfollow

او کے اب اجازت ... جب بھی کوئی خبر آئے مجھے بتانا گلاب خان ... مجتبیٰ کھڑا ہو گیا تھا اس کے پیچھے رومان بھی کھڑا ہوا تھا ...

ٹھیک ہے بے غم رہو ... گلاب خان نے اس کے شانے پر ہتھر رسید کیا ...

او کے برخوردار خوش رہو ... اس نے رومان سے بھی مصافحہ کیا ...

وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر واپسی کے لئے روانہ ہو چکے تھے ... بارش قدرے ختم چکی تھی ...

مجتبیٰ آج پھر بے مراد ان گلیوں سے لوٹ رہا تھا ... اس کا دل تھا کہ ڈوب رہا تھا ... وہ دن بادن بکھر رہا تھا ...

اب گھر چلیں ... رومان نے گاڑی میں فاسٹ میوزک چلا دیا تاکہ مجتبیٰ کا موڈ چنچ ہو ...

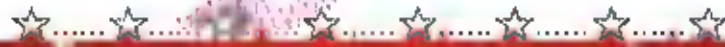
ہاں بس جاتے ہوئے کسی مسجد کے باہر 10 منٹ رکننا .. مجتبیٰ مسلسل ونڈو سے باہر دیکھ رہا تھا ..

مجتبیٰ یہ تم کس طرف جا رہے ہو ... رومان کو شدید کوفت ہوئی تھی ...

وہ گاڑی ڈرائیو کرتے بار بار مجتبیٰ کو دیکھ رہا تھا

جس طرف بہت پہلے جانا چاہئے تھا مجتبیٰ کہنے کے باہر دیکھنے لگا ...

اور رومان غصے سے ہنڈل پے زور سے ہاتھ مار کر رہ گیا damn. it (باقی آئندہ شمارے میں)



ایک دل بے ڈسکہ کا ایک شاعر اُسامہ زاہروی

لہو میں زہر کیوں ہم نے اٹھایا ہے اس دن میں چہرہ پر
 ولولے میں چرچا ہے مانا کہ چھوڑ آگے گناہے چہ گناہ
 تمہیں جب یاس کن شخص میرے ہے گا کن لب لبو پہلا
 چھوڑنا ہے جو کہ ہے سے ہے گناہ وہ پہلا
 منانے کا جی اور میں نے پہل میرے سے پہلا
 لے مزہ تمہیں وہ سمجھا ہے ہے عشق نے ہے سے پہلا
 لے پہلا جی کہ ہے یاس کی جو شخص پہلا
 میرے میں تم ہی سناؤں وہ میرا ہی رنگ رنگ میں گناہ
 ہے تم سے آگے پلٹ کر اُسامہ کیوں گئے رتہ پہلا

راہِ یار تیری یازشیں



قسط نمبر 2

ناول

محبت کے خواب کی صورت

ناول نگار: عنبرین صبوحی

..... آخراں خاموشی کو مریم نے توڑا..... کچھ بولونا.....!

مجھے تمہارے بنا کچھ اچھا نہیں لگتا مریم..... فیضان کے لہجے میں اداسی تھی..... میں ہوں نا تمہارے ساتھ پھر کیا ٹینشن ہے..... مریم دھیرے سے بولی

لیکن تمہارے بننا میرا دل نہیں لگتا..... یہ دنیا والے بھی دوپیار کرنے والوں کو کبھی ایک ساتھ نہیں دیکھ سکتے فیضان دور آسمان پر دیکھتا ہوا بولا.....

تمہارے بابا اور بھائی نے میرے ساتھ بہت بڑا ظلم کیا ہے..... فیضان نے مریم کی ناگ کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر ماری..... یہ جھوٹ ہے..... مریم جھٹ بولی.....

تو کیا میں غلط تھا..... نہیں..... میرے بابا کی غلطی ہے مریم سمجھانے والے انداز میں بولی..... میرے بابا بیٹی کے باپ تھے..... انہیں کچھ تو سوچنا چاہیے تھا..... لیکن وہ تو الٹا سب سے الجھ گئے.....

غلط

ٹھیک ہے فیضان سر ہلاتے ہوئے بولا..... تم تو اپنوں کی سائیڈ ہی لوگی نا.....!

یہ میں ان کی سائیڈ لے رہی ہوں..... اور نہیں کیا.....؟ تم مجھ سے لڑنے آئے ہو کیا.....؟

اب تم سے کیا لڑوں گا میں..... فیضان بولا.....

ہاں البتہ تمہارے لیے دنیا والوں سے ضرور لڑوں گا..... میں ایک دن..... دیکھتا ہو کہ تمہیں مجھ سے کیسے جدا کرتے ہیں..... خدانہ کرے کہ ہم جدا ہوں..... مریم تڑپ کر بولی..... اگر ایسا ہوا تو خدا کی قسم میں اپنی جان دے دوں گی.....

کچھ دیر وہ دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے کچھ سوچتے رہے..... آخراں خاموشی کو مریم نے توڑا..... تم چاچو سے کہو..... کہ وہ دادا جان کو منالیں..... وہ جھوٹے ہیں انہیں پہل کرنی چاہیے.....

دادا جان کو خود چاچو کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تمہیں کیسے معلوم..... فیضان نے چونک کر مریم کو دیکھا معلوم ہے مجھے..... مریم نے بتایا..... کہ وہ کئی دفعہ باتوں باتوں میں اظہار کر چکے ہیں.....

کہ جب سے شفیق گیا ہے..... سب کچھ الٹ پلٹ ہو رہا ہے..... ایک دن وہ میرے بابا پر بھی غصہ ہو رہے تھے کہ یہ سب ان کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ سن کر فیضان ایک دم خوش ہو گیا..... اچھا..... ہاں مریم بولی تم اپنے بابا سے بات کرونا کہ وہ دادا جان سے بات کریں.....

تو ہم پھر پہلے کی طرح ایک ساتھ رہنے لگیں گے..... مریم حسرتوں کے ساتھ بولی..... ٹھیک ہے میں صبح ہی بابا سے بات کروں گا فیضان خوش ہو رہا تھا.....

تم فکر مت کرو میرا دل کہہ رہا ہے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا..... انشاء اللہ مریم اطمینان بھرے لہجے میں بولی..... اور پھر وہ دونوں صبح کے چار بجے تک اسی طرح آپس میں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اپنی باتیں اپنی جدائی کے دکھڑے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک بندھن میں بندھ جانے کے پروگرام بتاتے رہے ہائے اللہ! چارج گئے..... چارج گئے..... کب؟ فیضان چونک گیا۔

ابھی ابھی..... تم نے گھڑیاں کی آواز نہیں سنی شاید نہیں تو..... اچھا..... فیضان انسر دگی سے بولا..... اچھا اب میں چلتی ہوں تم بھی جاؤ امی فجر کی نماز پڑھنے کے لیے بس اٹھنے ہی والی ہوں گی۔ وہ نماز سے کچھ دیر پہلے اٹھ کر نفل پڑھتی ہیں پھر میرا کیا ہوگا..... فیضان جیسے رو کر بولا جب کہ مریم نے بڑے درد کے ساتھ کہا..... اور میرا کیا ہوگا..... کبھی تم نے یہ سوچا

تمہاری سوچوں سے فرصت ملے گی تو کچھ اور سوچوں گا..... اچھا ٹھیک ہے بابا..... کہاں..... فیضان بے بسی سے کراہ کر بولا..... اپنے گھر جانے کی سوچو..... وہاں جانے کے لیے اٹھو..... جلدی کرو..... کوئی اٹھ گیا تو ہنگامہ ہو جائے گا۔ اچھا..... خود ہی بلاتی ہو اور خود ہی جانے کے لیے کہتی ہو..... تمہارا بھی جواب نہیں..... فیضان تھکے تھکے انداز میں اٹھا اور باہر کی طرف مڑا تو وہ بھی اس کے ساتھ اٹھی اور میسر کے دروازے کو لاک کرنے لگی..... پھر وہ زینے سے نیچے اترنے لگے..... فیضان نے مریم کا ہاتھ تھام رکھا تھا دونوں کا دل چاہ رہا تھا..... کہ وہ زندگی بھر یہاں سے نہ جائیں..... وقت ختم جائے..... دونوں کے قدم لڑکھڑا رہے تھے..... نیچے آ کر فیضان بھرائی آواز میں بولا..... اب کب آؤں..... روز روز نہیں..... مریم بولی..... سب کو شک ہو جائے گا..... اور وہ جھپٹ سے بول پڑا..... پھر.....؟ او کے اب جاؤ میں تمہیں Call کر کے بتا دوں گی..... مریم بولی اس کی آواز

بھی بھرا رہی تھی..... لیکن تم مجھ سے وعدہ کر دو کہ تم اپنے بابا سے بات ضرور کرو گے..... تم اپنے بابا اور دادا جان کے درمیان غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش ضرور کرو گے۔ اگر تم لوگ پھر سے یہاں آ جاؤ تو کتنا اچھا ہوگا..... ہاں وہ جیسے بڑی مشکل سے بولا ہو..... اور پھر وہ ایک دوسرے سے اپنے اپنے سینے پہ پتھر کی بھاری سل رکھ کر الگ ہو گئے..... فیضان نے مریم کا ہاتھ تھام رکھا تھا دونوں لڑکھڑاتے قدموں سے ایک دوسرے سے دور جا رہے تھے..... مریم کا ہاتھ آہستہ آہستہ فیضان کے ہاتھ سے پھسل رہا تھا..... فیضان کی حالت مریم سے اور مریم کی حالت فیضان سے زیادہ غیر تھی۔

مجھے اپنی ذات کے اندر آنے تو دو
بوجھل پلکوں کا کچھ بوجھ تو ہلکا کرنے دو
یہ جو آپ چھلک جاتی ہیں۔

ان آنکھوں میں
محبت کی تاثیر تو بھرنے دو
مجھے اپنی ذات کے اندر
اترنے تو دو.....

مریم کے بڑے بھائی حسن علی نے حقارت اور غصہ سے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا..... مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی ہو..... تو اس بذات فیضان سے اب بھی ملتی ہے نا.....
مریم جو سر جھکائے بیٹھی تھی..... یکدم سے بول پڑی یہ تم سے کس نے کہا ہے..... تمہیں ضرور کسی نے میرے خلاف بڑکھایا ہے.....

میں خدا کی قسم بہت بُرا آدمی ہوں..... حسن علی غصے سے تیز آواز میں بولا کاٹ کر پھینک دوں گا میں تجھے کتوں کے آگے..... اتنے میں حمید صاحب اور ان کی اہلیہ آسیہ بھی دہاں آگئیں..... بھائی مجھے ڈانٹ رہے ہیں۔ امی جی آپ انہیں سمجھا لو..... یہ ہر دم میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں..... ان دونوں کو دیکھتے ہی مریم ایک جھٹکے سے اٹھی اور ماں کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی..... اور روتے ہوئے بولی..... بھائی کو سمجھالیں بابا ورنہ میں اپنی جان دے دوں گی۔ بات کیا ہے.....؟ حمید صاحب بیٹے سے مخاطب ہوئے.....

یہ اب بھی اس کمینے سے ملتی ہے بابا..... اور مریم بھپھر گئی..... یہ تم سے کس نے کہا ہے کہ میں اس سے ملتی ہوں..... وہ

صاف مگر گنی اور اپنے باپ کے شانے سے سر ٹکا کر رونے لگی..... روتے روتے بولی..... بھائی کو آپ سمجھا لو بابا یہ 24 گھنٹے میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں..... جب دیکھو پوچھ گچھ..... ڈانٹ پھنکار..... یہ میں برداشت نہیں کر سکتی میرا سانس لینا دو بھر کر دیا ہے اس نے غصے سے بھائی کو دیکھا.....

حمید اپنی بیٹی کا سر تھپکتے ہوئے حسن علی کی طرف متوجہ ہوئے..... کیوں صاحبزادے! کیا یہ سچ ہے..... یہ ہماری عزت نیلام کر جائے گی بابا..... حسن علی نفرت اور غصے سے بولا..... اور آپ بھی کمال کرتے ہو..... بابا آپ کے لاڈ پیار نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے یہ اپنے کر تو توں سے باز نہیں آتی ہے.....

لیکن تم کون ہوتے ہو اسے رک ٹوک کرنے والے حسن علی سے یہ سن کر ایک پل کے لیے کچھ بولا ہی نہیں گیا حسن علی کی ماں نے اپنے شوہر کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے گرج کر کہا..... ایک بھائی سے پوچھتے ہو کہ تم کون ہوتے ہو..... یہ تمہاری لاڈلی اپنی عزت کی پروا نہیں کرے گی تو کیا بھائی چپ رہے گا..... پھر وہ مریم کی طرف گھومی اور غصے سے بولیں..... تو نصیبوں چلی تو ایسے کام ہی ایسی کیوں کرتی ہے۔ کہ کسی کو بولنا پڑے تو حرکتیں ہی ایسی کرتی ہے..... کہ تیرے اوپر شک جاتا ہے..... نہ تو کوئی ایسا موقع آنے دے نہ تجھے باتیں سننے کو ملیں..... اس روز اتنا بڑا جھگڑا تیری ہی وجہ سے تو ہوا تھا..... سارے خاندان والے تھو تھو کر رہے تھے ہم پر..... وہ سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی مریم کی طرف کرتے ہوئے غصے سے بولیں خیزدار جواب تو اس منحوس فیضان سے ملی..... اگر مجھے پتہ لگ گیا تو میں خود تیری بوٹی بوٹی کروں گی ایسا کچھ بھی نہیں ہے..... مریم دل ہی دل میں ڈرتے ہوئے بے خوئی سے بولی.....

میں اسے ملنے نہیں گئی تھی.....

بیٹا جی تمہیں ان باتوں کا دھیان رکھنا چاہیے..... اس کے بابا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار سے کہا..... اسی لیے تو دھیان رکھنے کو کہہ رہا ہوں بابا..... حسن علی بے اختیار بولا..... یہ ہم لوگوں کی عزت ہے..... اچھا ٹھیک ہے..... پر ہر دم اس کے پیچھے نہ پڑا کر آخر یہ تیری بہن ہے.....

بڑا آیا میری عزت کا رکھو والا بن کر مریم دھیرے سے بڑبڑائی..... پھر غصے سے بولی..... ہاں..... ہاں جیسے مجھے خود اپنی عزت کا خیال نہیں..... ہاں بیٹی..... حمید صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو خود سمجھ دار ہے..... بیٹی تمہیں اپنی عزت کا خود دھیان رکھنا ہے.....

اور پھر وہ حسن علی کی طرف متوجہ ہوئے..... تم جاؤ ورنہ دیر ہو جائے گی تمہیں..... اور حسن علی بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔

مریم اپنی کزن صدف کے ساتھ قریبی پارک میں واک کر رہی تھی..... یہ پارک ان کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر تھا..... اکثر شام کو وہ اپنی کزن کے ساتھ وہاں آ جایا کرتی تھی..... ننگے پاؤں گھاس پر چلنا اسے ہمیشہ سے پسند تھا..... آج بھی وہ دھیرے دھیرے گنگناتی واک کر رہی تھی اور گرد خوبصورت موسمی پھول کھلے ہوئے تھے وہ پھولوں کو ہاتھ سے چھوتی ان کی خوشبو کو گہرے سانس کے ساتھ اپنے اندر اتارتی چلی جا رہی تھی..... چند ایک پھول توڑ کر اس نے ڈوٹے کے پلو میں رکھے ہوئے تھے..... مریم ایک بات پوچھوں..... سچ بتاؤ گی..... اس کے کزن صدف بولی اسے کے لہجے میں شرارت تھی بول کیا پوچھنا ہے تجھے.....؟

کبھی آتا ہے وہ.....؟

کون.....؟ مریم حیرانگی سے بولی..... وہی صدف نے وہی پر زور دیا.....

وہی کون.....؟ مریم نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا.....

تیرے دل کا قرار..... صدف مسکرا کر بولی..... تمہیں بڑی فکر ہے اس کی..... مریم پھولوں کی مہک اپنی سانسوں میں بساتے ہوئے بولی..... ہوگی نہیں کیا؟ صدف مسکرائی..... تیری آنکھوں کا کا جل ہے نا وہ.....

پھر.....؟ پھر یہ کہ ملاقات تو ہوتی ہے نا..... تجھے بہت فکر ہے ہماری..... مریم چڑ کر بولی..... تو کیا نہیں ہونی چاہیے..... آخر تو میری بہن ہے اور وہ تیرا دیوانہ.....

ہاں..... مریم شرما تے ہوئے بولی.....

کیا ہاں؟ صدف نے مز کر دیکھا..... ملاقات ہوتی ہے.....

اور یہ سن کر صدف کے ہاتھ سے سارے پھول چھوٹ کر نیچے گر پڑے..... وہ پکلا اتے ہوئے بولی..... ملتی ہو تم اس سے پر کہاں.....؟

خوابوں میں..... مریم مزے سے بولی.....

اور یہ سن کر صدف کے دل کو جیسے سکون مل گیا..... ایک گہرے سانس لے کر وہ بولی..... میں خوابوں کی بات نہیں کر رہی..... اب تو خوابوں کی باتیں رہ گئیں ہیں..... مریم ادا سی سے بولی..... اور صدف کا دل چاہا کہ وہ ایک بار کہہ دے کہ اچھا ہوا..... لیکن وہ دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے سنبھل کر بولی.....

مجھے تم سے ہمدردی ہے مریم.....!

حالانکہ اسے اپنی کزن مریم سے اس سلسلے میں کوئی ہمدردی اس لیے نہیں تھی..... کہ وہ دل ہی دل میں خود فیضان سے پیار کرتی تھی..... یہاں اور بات ہے کہ فیضان اس کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا..... اور اسے اس بات سے حسد محسوس ہوتا تھا کہ فیضان مریم سے پیار کرتا ہے.....

چلتے چلتے ایک جگہ رک کر صدف نے پھر مریم سے پوچھا..... یاد تو وہ تمہیں آتا ہوگا.....

یاد آئے یا نہ آئے..... مریم ڈالی سے ٹوٹی کلیاں اکٹھی کرتے ہوئے بولی..... اب اس بات سے کیا فائدہ..... مریم کو بھی اپنی اس کزن کے دل کا چور معلوم تھا..... اس لیے وہ کبھی کھل کر اپنے دل کی بات اس سے نہیں کرتی تھی..... وہ جانتی تھی صدف فیضان کے معاملے میں کبھی اس کے ساتھ مخلص نہیں ہو سکتی.....

لہذا صدف کو یہ مختصر سا اکھڑا اکھڑا سا جواب دے کر مریم پھر پھولوں کی طرف متوجہ ہو گئی..... اتنے میں پارک کی انتظامیہ میں سے ایک نوجوان وہاں آ گیا..... وہ پارک میں سے پھول توڑنے پر وہاں موجود لوگوں کو روک رہا تھا..... اس نے مریم کو دیکھا تو ڈانٹا..... اے لڑکی.....

اور مریم اس کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی وہ خود بھی ایک جوان لڑکا تھا..... اور اپنے پہلو میں ایک دھڑکتا دل رکھتا تھا..... اس خوبصورت البیلی لڑکی کو دیکھتا رہ گیا..... اور 'اے لڑکی' کے بعد وہ سارے ڈانٹ ڈپٹ کے جملے بھول گیا..... وہ مریم سے مرعوب ہو چکا تھا.....

مریم بیزاری سے بولی..... بولو..... کیا کہنا ہے آپ کو اب یہ کچھ نہیں بولے گا..... صدف دھیرے سے بولی اسکی بولتی تجھے دیکھ کر بند ہو گئی ہے۔

مریم نے غصے سے صدف کو دیکھا..... اس دوران وہ اپنے ہوش و خواسن پر تقابلاً چکا تھا..... پارک میں پھول توڑنا منع ہیں..... وہ نرم لہجے میں بولا اور اگر ہم توڑ لیں تو.....؟

اس بات پر وہ اور زیادہ بوکھلا کر بولا پارک میں پھول توڑنے پر جرمانہ ہے۔

اور کس کس چیز پر جرمانہ ہے..... مریم بولی..... سب ایک ساتھ ہی بتا دو!

اس پر وہ سنبھل کر اپنا ڈنڈا بجاتے ہوئے بولا زیادہ بک بک کر وہ تو اندر بند کردوں گا..... ہاں یہ دھمکی تو تم انہیں دو جو تیری دھمکیوں سے ڈرتے ہیں..... مریم بے خونی سے بولی..... تمہیں ڈر نہیں لگتا وہ بے ساختہ بولا.....؟

مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے..... وہاں آرام سے کھانا تو روز ملا کرے گا یہ روٹی ہی تو ہے جو تمہیں ڈنڈا بجانے پر مجبور کر رہی ہے..... مریم بڑے اطمینان سے بولی..... بڑی سمجھ دار ہو تم.....

اچھا چلو جو پھول توڑ لیے ہیں۔ لے کر جلدی جلدی یہاں سے چلی جاؤ..... ورنہ صاحب لوگ مجھ پر خفا ہوں گے..... ان بڑے صاحبوں نے ہی تو اس ملک پر اتنی بڑی گڑ بڑ مچا رکھی ہے..... مریم نے کہا اور پھر بڑے انہماک سے پھول اکٹھے کرنے لگی.....

اور وہ اسے غور سے دیکھتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔ پھولوں کا گل دستہ بنا کر جیسے ہی وہ واپسی کے لیے مڑی..... تو یا سر ایک دم اس کے سامنے آ گیا یا سر اس کی پھپھو کا بیٹا تھا..... اور ان کے گھر کے قریب ہی اس کا گھر تھا..... ایک نمبر کا آدراہ اور مغرور..... وہ مریم کے سامنے اکڑ کر کھڑا ہو گیا اس کے خوبصورت چہرے کو تکتے ہوئے بولا تم نے میرا سکون چھین لیا ہے مریم..... مریم نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا..... اور حیرانگی سے بولی..... میں نے تمہارا سکون چھین لیا ہے..... وہ کیسے.....؟ دل چیز کر دکھاؤں.....؟

اور یا سر کے منہ سے یہ لفظ سن کر وہ حیران رہ گئی..... بوکھلا کر بولی..... تمہارا دماغ خراب ہے کیا.....

دماغ تو تم نے ایک عرصے سے خراب کر دیا ہے میرا تیرے رنگ روپ کا نشہ چھایا ہے مجھ پر..... مریم اسے قہر آلود نظروں سے دیکھ کر بولی تم ہوش میں تو ہو..... نہیں..... وہ شرارتا مسکراتے ہوئے بولا..... ہوش تو تمہیں دیکھتے ہی گم جاتے ہیں اے..... وہ تڑپ کر پلٹی..... میرا نام مریم ہے۔

مجھے معلوم ہے..... وہ لا پرواہی سے بولا..... بہت پیار کرتا ہوں تم سے..... ارے جا..... جا بڑا آیا مجھ سے پیار کرنے والا..... صورت دیکھی ہے کبھی آئینے میں..... مریم کا پارہ ہائی ہو گیا..... باز آ جا اپنی حرکتوں سے ورنہ ایسا مزہ چھکاؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ یا سر نے سگریٹ کا ایک ٹھولہ کش لے کر اسے دور پھینکتے ہوئے شرارتا مسکرایا..... اور بولا

ایک دفعہ مزہ چھکا دے نا!..... اس مزے کے خواب تو میں کب سے دیکھ رہا ہوں..... مجھے بھی مزہ آ جانے گا اور تجھے بھی..... میں خدا کی قسم کسی سے کم نہیں ہوں..... میری جان.....!

اور مریم اس کی اس حد سے زیادہ بڑھتی ہوئی بکواس پر تڑپ کر رہ گئی..... دکھ اور غصے کے آنسو اس کی آنکھوں میں جھلک آئے..... وہ آنسوؤں کی آمیزش لیے ہوئے لہجے میں بولی..... میں ابھی جا کر بابا سے یہ سب باتیں کہتی ہوں۔ آنسو اس کے گالوں پہ بہہ نکلے..... اور وہ اس کے آنسو دیکھ کر ہاں سے کھٹک گیا..... اس کی ساری سہیلیاں واک ختم

کر کے تھکاوٹ دور کرنے کے لیے اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں.....
اب مجھے سمجھ آ رہا ہے..... کہ اس نے میرے فیضان کو یہاں سے کیوں نکلوایا ہے..... اس کی اپنی نیت خراب ہے..... وہ
ایک ہاتھ سے گالوں پر آئے آنسو صاف کرتے ہوئے بڑبڑائی..... میں دیکھ لوں گی تمہیں..... اور پھر وہ جلدی جلدی اپنی
سبلیوں کی طرف چل دی.....

پلکوں پر رکھے تھے

جو خوشیوں کے لیے

خواب بھیگنے لگے ہیں۔

آنکھوں کی بارش میں.....

فیضان اپنے بابا کو تنہا بیٹھے دیکھ کر ان کے قریب بیٹھ گیا..... کچھ دیر خاموشی سے اپنے بابا کا جائزہ لیتا رہا..... وہ بالوں
میں انگلیاں چلاتے کچھ سوچ رہے تھے۔

رف ساحلیہ، بکھرے بال..... پریشانی ان کے انداز سے چھٹک رہی تھی فیضان نے کھانس کر اپنی موجودگی کا احساس
دلایا..... پھر بولا..... ایک بات کہوں بابا..... ہوں! کیا بات ہے بابا نے اسی پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے دھیرے سے کہا.....
یہاں اس جگہ اس گھر میں وہ سکون وہ اپنائیت نہیں ہے نا! بابا جو ادھر اپنے گھر میں تھی..... جانتا ہوں بیٹے..... مجھے
احساس ہے پھر جو کچھ بھی ہو..... ہمیں اب نہیں رہنا ہے..... ہم اپنے گھر واپس چلے جائیں تو..... وہاں اب گھسنے کون
دے گا ہمیں.....

بابا..... آپ ایک بار دادا جان سے ملو تو سبھی فیضان نے بے قراری سے بابا کا ہاتھ تھام کر بات کی..... مجھے یقین ہے وہ
ہمیں معاف کر دیں گے..... وہ تو ٹھیک ہے لیکن وہ پاشا وہ ہمیں وہاں آنے نہیں دے گا..... اب تک تو وہ ابا جان کو
میرے خلاف بھڑکا چکا ہوگا.....

دادا جان آج بھی آپ کو یاد کرتے ہیں..... تجھے کیسے پتہ چلا..... شفیق صاحب نے بے اختیار بیٹے کو دیکھا۔ کیا تم پھر
ادھر گئے تھے؟ نہیں یا بابا..... اس نے جواب دیا..... وہ میرا دوست ہے نا! احمد اس نے کہا تھا مجھے..... کہ دادا جان شفیق
چاچو کو بہت یاد کرتے ہیں۔ وہ ایک پل کو سوچ میں پڑ گئے..... فیضان دونوں ہاتھ کانوں کو لگا کر بولا نہیں بابا..... قسم
لے لو..... جواب کوئی بات ہو فیضان نے بے اختیار دونوں کان پکڑ لیے.....

پہلے ہی سب نے مجھ پر غلط الزام لگائے تھے.....؟ اچھا..... کل میں ادھر ضرور جاؤں گا..... شفیق نے اس کے کندھے

پراپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالا اور مسکرا کر بولے..... اور فیضان کو ایسا لگا جیسے یہ لفظ ادا کر کے اس کے باپ نے اسے سب کچھ دے دیا ہو..... بابا اٹھ کر باہر چلے گئے اور وہ مریم کے خوش کن خیالوں میں کھو گیا..... نہ نجانے وہ کتنی دیر بیٹھا مریم کے تصور سے باتیں کرتا رہا..... کہ اتنے میں اس کی بہن حنا اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی..... کیا سوچ رہے ہو بھائی! اور وہ چونک گیا اپنے قریب بیٹھی حنا کو بڑے غور سے دیکھا..... پھر ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بولا! کچھ نہیں حنا یہ کیسے ہو سکتا ہے..... کچھ نہ کچھ تو سوچ رہے تھے..... ہاں وہ مسکرایا سوچ تو رہا ہوں..... وہ شرارت سے مسکرایا کیا.....؟ حنا بے تابی سے بولی..... سوچ رہا ہوں اب تم بڑی ہو گئی ہو..... اس نے رک کر شرارت سے ایک نظر حنا پر ڈالی اور بولا..... تمہارے لیے ایک پیارا سا دلہا ڈھونڈنا پڑے گا..... پھر تمہاری شادی ہو جائے گی.....

اور یہ سن کر حنا کے گال شرم سے سرخ ہو گئے..... اور اس نے سر جھکا لیا..... وہ اس کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھ کر بولا

کیوں شرمائی گئی کیا.....

بھائی آپ بھی نہیں..... وہ جملہ اھو در اچھوڑ کر اندر بھاگ گئی.....

پاگل.....!

اور ایک بار پھر وہ مریم کے خیالوں میں گم ہو گیا۔

ہم تمہیں یاد کرتے ہیں.....

تیری باتوں سے اس دل کو شاد کرتے ہیں۔

کبھی دل کے آئینے میں تمہیں سجاتے ہیں۔

کبھی پلکوں کی چھاؤں میں تمہیں بیٹھاتے ہیں

کبھی خواہید اہ شاموں میں

کبھی بارش کی راتوں میں.....

تمہارے پیار سے اس دل کو بہلاتے ہیں۔

ہم تمہیں یاد کرتے ہیں.....

آج کی رات عبداللہ خان کے گھر والوں کے لیے بڑی مسرت اور شادمانیوں کی رات تھی بات دراصل یہ تھی..... کہ دادا جان اپنے بیٹے حمید..... بیٹی انیسہ اور ان کی فیملی کو رات کے کھانے کے بعد اپنے کمرے میں بلا یا تھا.....

ساتھ ہی دادا جان نے اپنے بھائی کے بیٹے اور پوتے کو بھی انوائٹ کیا تھا..... جو ای کالونی میں رہتے تھے.....
آج کی محفل میں یہ مسئلہ زیر بحث آنے والا تھا کہ فیضان کے والد شفیق کو واپس بلا لیا جائے کہ نہیں، شفیق نے اپنے والد کو پیغام بھجوایا تھا کہ وہ انتہائی شرمندہ ہیں اور واپس آنا چاہیے ہیں دادا جان کی بھی یہی خواہش تھی کہ شفیق واپس آجائے..... شفیق ان کی سب سے چھوٹی اولاد تھے اسی لیے وہ ان کے دل کے زیادہ قریب تھے.....

لیکن چند ایک وجوہات کی بنا پر وہ ان سے خفا تھے..... اور شفیق بھی اسے اپنی بے عزتی تصور کرتے ہوئے شدت جذبات میں گھر چھوڑ چکے تھے..... لیکن جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو احساس ہوا کہ ان سے بہت بڑی غلطی ہو چکی ہے..... سو اپنی فیملی کے ساتھ ایک کرایہ گھر لے کر رہنے لگے..... شفیق کے پہل کرنے پر کہ وہ گھر واپس آنا چاہتے ہیں۔ جب کہ دادا جان بھی دل سے چاہتے تھے کہ شفیق خوشی واپس گھر آجائے..... دراصل دادا جان شفیق سے بہت پیار کرتے تھے..... اور ان کے جانے کے بعد دادا جان بیمار ہو گئے تھے..... انہیں ہر پل شفیق کی یاد سلاتی تھی..... اسی لیے وہ دل سے چاہتے تھے کہ دونوں بیٹوں کے درمیان غلط فہمیاں دور ہو جائیں اور وہ گھر واپس آجائیں.....

جب کہ یاسر جو دادا جان کا نواسہ تھا..... ان کے گھر کے قریب ہی ان کا گھر تھا مگر وہ سارا دن اپنے نانا کے گھر میں ہی رہتا تھا..... وہ نہیں چاہتا تھا کہ فیضان واپس اس گھر میں لوٹ کر آئے..... وہ اپنے اور مریم کے درمیان فیضان کو ایک کانٹا سمجھتا تھا..... اور مریم کے والدین وہ بھی یہ دل سے نہیں چاہتے تھے کہ شفیق کی فیملی واپس آئے..... کیونکہ ان کو ڈر تھا کہ فیضان ان کی بیٹی کو واپس آ کر پھر اپنی محبت کے جال میں پھانسا شروع کر دے گا..... اس لیے وہ فیضان کا مریم سے دور رہنا ہی پسند کرتے تھے.....

اور تیسرا فرد پاشا..... جو نہیں چاہتا تھا کہ شفیق چاچا اپنے خاندان کے سمیت واپس آجائیں..... پاشا دادا جان کے بھائی کا پوتا تھا..... جوان کے گھر سے کچھ دور ہی رہتا تھا..... اور اس کی رال بھی مریم پر ٹپک رہی تھی..... اور وہ فیضان اور مریم کا ایک جگہ رہنا پسند نہیں کرتا تھا..... گویا کہ سبھی شفیق چاچو کے واپس آنے سے خوش نہیں تھے..... لیکن مشکل یہ تھی..... کہ وہ دادا جان کے آگے بول بھی نہیں سکتے تھے..... وہ سب کے سب مجبور تھے..... اور دل ہی دل میں بیچ و تاب کھا رہے دادا جان کا رُعب ان سب پر تھا..... اور وہ دادا جان کے سامنے دم نہیں مار سکتے تھے..... دادا جان کے کمرے میں سب لوگ جمع تھے..... انہوں نے ایک نظر سب کی طرف ڈالی..... اور بولے میں نے آپ سب لوگوں کو جس مقصد کے لیے ادھر جمع کیا ہے وہ یہ کہ شفیق واپس آنا چاہتا ہے.....

اس کا جرم اتنا بڑا بھی نہیں کہ اسے معاف نہ کیا جائے لڑائی کس گھر میں نہیں ہوتی..... مگر خدانے کرے اس نے کوئی قتل تو

نہیں کیا..... بھائیوں کے درمیان اختلاف ہیں..... وہ مل بیٹھ کر ختم بھی ہو سکتے ہیں..... میں اپنی مرضی سے اسے واپس آنے کی اجازت دے دیتا..... پر جیسا تم لوگوں کو پتہ ہے میں سب کی رائے لینے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتا..... اسی لیے تم سب کو بلایا ہے..... اس کے بعد دادا جان سب کی طرف ان نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ اگر کسی نے شفیق کو یہاں بلانے کی مخالفت کی تو میں سب کے سر توڑ ڈالوں گا..... جان سے مار دوں گا میں تم سب کو.....

اب تم لوگ آزادی سے اپنی اپنی رائے دو..... کہ ہم شفیق کو اجازت دیں یا نہیں..... خدا کی قسم کسی پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہے۔ کسی کی خوشامد نہیں کروں گا..... اور نہ کسی کو آزادی سے بولنے اور رائے دینے سے منع کروں گا..... اور نہ کسی پر زور ہے کہ جو میں کہوں وہ کر دو..... تم لوگ خود فیصلہ کرو..... کہ شفیق کو یہاں آنا چاہیے یا نہیں..... انہوں نے کسی کے بولنے سے پہلے سب کی طرف دیکھ کر کہا.....

اچانک ایک طرف سے آواز آئی..... وہ یہاں نہیں آسکتے..... دادا جان نے غصے سے یا سر کی طرف دیکھا..... جو بڑے اطمینان سے بیٹھا ان ہی کی طرف دیکھ رہا تھا.....

کیا بک رہے ہو تم..... دادا جان نے غصے سے یا سر کو دیکھا..... مگر یا سر اپنے نانا جان کی اس گھن گرج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بڑے اطمینان سے بولا..... غصہ کیوں کر رہے ہیں آپ آزادی سے بولنے کا حق تو آپ نے خود دیا ہے.....

نوا سے کے منہ سے یہ جواب سن کر دادا جان کے غصے کا پارہ اور چڑھ گیا..... گرج کر بولے..... تمہیں بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کیا..... میرے آگے بولتے ہو..... بد ذات..... وہ غصے سے لڑتے ہوئے لڑکھڑائے تو بڑے بیٹے حمید نے بڑھ کر انہیں تھام لیا..... سہارا دے کر قریب رکھے صوفے پر بیٹھا یا اور بولے..... اب جانے بھی دیں اباجی آپ بس وہی کریں جو آپ کا دل کہتا ہے۔ ہم سب آپ کے فیصلے کے ساتھ ہیں..... ہاں..... ہاں..... کئی آوازیں آئیں ہم آپ کے فیصلہ کا احترام کریں گے.....

ہمیں آپ کی ہر بات منظور ہے دادا جان کا غصہ یہ سب سن کر ٹھنڈا ہو گیا..... پھر بڑے اطمینان سے نیک لگاتے ہوئے وہ ایسے سے مخاطب ہوئے! لگتا ہے تمہارے گھر شیطان نے جنم لیا ہے..... کبھی کبھی کسی برے انسان کے گھر نیک اور کبھی کسی نیک انسان کے گھر شیطان بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ دادا جان نے ترچھی نظروں سے یا سر کا جائزہ لیا اور دھیرے سے بڑھاتے..... نالائق..... گدھا..... مریم کے والد حمید ڈرتے ڈرتے بولے ایک بات ہے اباجی! کہو کیا کہنا چاہتے ہو..... شفیق کے بیٹے فیضان کا میں اپنی بیٹی مریم سے ماننا جلنا بالکل پسند نہیں کرتا.....

حمید دھیرے سے بولے..... ہوں.....! دادا جان نے ٹھنڈی سانس لی اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے..... ہاں یہ بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو..... خیر میں شفیق کو سمجھا دوں گا..... کہ وہ اپنے بیٹے پر نظر رکھے..... انشاء اللہ وہ کبھی مریم کو تنگ نہیں کرے گا.....

اور پھر دادا جان نے پاشا سے جو بڑا بیزار بیزار سا بیٹھا تھا پوچھا.....! تم کیوں چپ چپ سے بیٹھے ہو..... کچھ تو بولو..... پاشا جو کہ 30-35 سال کا ایک سانولا سا مرد تھا..... ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا..... ہمیں آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے دادا جان پر شفیق چاچو کا بیٹا ہے نا فیضان وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا..... اور میں آپ کو بتا دوں کہ ہم عزت دار لوگ ہیں..... دوسروں کی عزت کرتے بھی ہیں۔ اور کرانا بھی جانتے ہیں..... ہم سب سچے اور شریف لوگ ہیں..... اور یہ فیضان بڑا کمینہ ہے..... وہ اپنی کمینگی ضرور دکھائے گا اور محلے والے پھر سے شکایت لے کر آجائیں گے۔ کہ فیضان لڑکیوں کو تا کتا جھانکتا ہے..... نہیں نہیں پاشا بھائی..... شفیق چاچو کا دوست جوان کا پیغام لے کر آیا تھا..... گھبرا کر بولا..... اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی..... اگر فیضان کی طرف سے پھر کوئی شکایت ہوئی تو جو سزا دو گے مجھے منظور ہوگی..... ہاں دادا جان بولے اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی..... اور پھر یہ معاملہ طے ہو گیا..... کہ کل صبح شفیق کو لے آئیں گے..... یہ فریضہ دادا جان نے اپنے بڑے بیٹے حمید کو سونپ دیا.....

اگلے صبح شفیق واپس آ گئے..... ایک بار پھر گھر بھر میں خوشی کی لہر ڈور گئی وہ ایک سال کے بعد آئے تھے..... سب سے گلے ملے..... مگر دل کی پیاس پھر بھی نہیں بجھی..... ایک ایک سے کٹی ہار ملتے..... اور پھر خود ہی شرمندہ ہو جاتے..... کچن سے خوشبو دار کھانوں کی مہک پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی سب خوش گپیوں میں مصروف تھے بڑے ایک جگہ بیٹھے حالات حاضرہ اور مہنگائی پر باتیں کر رہے تھے..... جبکہ نو جوان پارٹی الگ اپنے اپنے مسائل کو حل کرنے اور نوک جھوک میں مصروف تھی۔ بچے کھیل کود میں مصروف تھے.....

یا سزا بہتہ کسی محفل میں شریک نہیں ہوا..... وہ لاؤنچ کے ایک کونے میں بیٹھا سب کی طرف دیکھ رہا تھا..... اور مریم..... خوشی اس کے انگ انگ سے جھلک رہی تھی..... اس کے دل کی سب سے بڑی مراد پوری ہو گئی تھی..... وہ کل رات سے اس خوشی میں کہ اس کا فیضان پھر سے اس گھر میں لوٹ آئے گا..... سو نہیں سکتی تھی وہ رات بھر اپنے فیضان کے تصورات میں کھوئی رہی اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا.....

اے پچھلے پہر کے تارو

جب تمہیں میں دیکھتی ہوں

Paksociety.com

تو بے ساختہ
میری آنکھیں
میرے آنسو
تمہیں پکارنے لگتے ہیں.....
اور سرخمدے میں جھک جاتا ہے.....
کیونکہ میں نے سنا ہے.....
پچھلے پہر مانگی ہوئی دعا
شرف قبولیت پاتی ہے.....

شفیق چاچو کے واپس آنے کی تین ہفتیوں کو بے حد خوش تھی..... شفیق کے والد یعنی دادا جان دوسری مریم سے اس بات کی خوشی تھی کہ اس کا محبوب واپس آ گیا تھا..... اسے فیضان کے بغیر زندگی میں کچھ اچھا نہیں لگتا تھا..... اور تیسری صدف خوش تھی..... محض اس خیال سے کہ فیضان اگر اسے لفٹ نہیں کرواتا تو کیا ہوا..... کم از کم وہ اپنے پیار کا روز دیدار تو کر لیا کرے گی..... اور اپنے لیے وہ یہی بہت سمجھتی تھی.....

شفیق صاحب نے واپس آنے سے پہلے اپنے بیٹے فیضان سے بات کی تھی انہوں نے فیضان سے کہا تھا..... دیکھو بیٹا.....! ہمیں واپس آنے کی اجازت تو مل گئی ہے لیکن بابا جان کی ایک شرط ہے..... اور فیضان خوشی سے بے حال ہوتے ہوئے بے خیالی میں بولا..... کیسی شرط بابا.....!

شرط یہ ہے کہ تم وہاں کسی کو تنگ نہیں کرو گے اور خاص طور پر مریم کو..... تجھے اس سے زیادہ بات چیت کرنے یا ملنے کی کوئی ضرورت نہیں..... میں نے بابا جان سے وعدہ کیا ہے..... کہ تو مریم سے کوئی رابطہ نہیں رکھے گا..... ٹھیک ہے بابا..... فیضان بے بسی سے بولا..... کیا ٹھیک ہے..... شفیق نے حیرانگی سے پوچھا میں ادھر کسی لڑکی سے بات نہیں کروں گا..... کسی لڑکی سے نہیں، بیٹا جی..... خاص طور پر مریم سے بالکل بھی بات نہیں کرنی.....

سمجھ گیا بابا..... کیا سمجھا.....؟

میں مریم سے نہیں ملوں گا.....

ہاں اس بات کا دھیان رکھنا..... ورنہ بڑی بدنامی ہوگی..... شفیق نے بیٹے کا ادا اس چہرہ دیکھ کر دھیرے سے اس کے کندھے کو چھو کر کہا.....

ان کی تجربے کا رانکھیں فیضان اور مریم کے بے لوث پیار کو سمجھتی تھیں..... لیکن وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے..... ان کے بڑے بھائی یعنی مریم کے والد اس رشتے کے خلاف تھے.....

اس رات دادا جان اپنے بیٹے شفیق سے رات ویر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے..... آخر سب آہستہ آہستہ اپنے کمروں میں آرام کرنے چلے گئے..... تو دادا جان بھی انہیں سو جانے کا کہہ کر اٹھ گئے.....

اگلی صبح فیضان سب سے پہلے اٹھ گیا..... وہ صبح سویرے اس لیے اٹھا تھا..... کہ اگر مریم بھی اتنی جلدی سو کر اٹھ گئی تو وہ اس سے اگر ممکن ہو تو دو چار باتیں ہی کر لے گا.....

کل سے وہ صرف دور ہی سے مریم کو دیکھ سکا تھا..... بابا کی نظریں مسلسل فیضان پر تھیں..... جیسے یہ وہ مریم کو پکارنے یا اس کی طرف اٹھ کر جانے کی کوشش کرتا..... بابا کھانسی کر کے ٹوک دیتے اور وہ بے بسی سے سر جھکا کر بیٹھ جاتا.....

فیضان جیسے ہی اپنی آنکھیں ملتا ہوا کمرے سے باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ آسمان پر تارے ابھی جھلملا رہے ہیں..... اور مریم اس کے بیڈروم کی کھڑکی کے سامنے لان میں کچھ ہی دور درخت سے ٹیک لگائے کھڑی ہے.....

جب رات کی رانی سہکتی ہے

رگ رگ میں پیارا اُٹتا ہے

جب چاند کی چاندنی چھلکتی ہے

سب جذبوں پر چھا جاتے ہو.....

تم یاد بہت آتے ہو.....

مریم کو اس طرح اپنے انتظار میں کھڑا دیکھ کر فیضان خوشی سے دیوانہ ہو گیا..... مریم بھی اس سے پہلے اٹھ گئی اور اب اس کے انتظار میں اس کے روم کے باہر کھڑی تھی..... فیضان سوچنے لگا..... کہ مریم اس سے بھی زیادہ اس سے پیار کرتی ہے

..... پیار میں اس کا رتبہ کتنا اونچا ہے..... اس سے بھی اونچا وہ مریم کو جتنا چاہتا ہے مریم اس سے بھی کہیں زیادہ اس سے پیار کرتی ہے..... جھسی تو لڑکی ہوتے ہوئے بھی محبت میں پہل کرتے ہوئے اس کے انتظار میں اتنی صبح سے آ کر کھڑی ہو گئی ہے.....

وہ بے قراری سے مریم کی طرف لپکا..... اس وقت وہ اپنے باپ سے کیا ہوا وعدہ بھی بھول چکا تھا..... وہ اپنے دل میں پیار کا طوفان لیے ہوئے مریم کے بالکل قریب جا کر سامنے کھڑا ہو گیا..... اب کھلی تمہاری آنکھ.....؟ مریم دھیرے سے

بولی..... ہاں وہ اس کی طرف پیار سے دیکھ کر بولا..... گھوڑے گدھے بیچ کر سوئے تھے کیا.....؟

(باقی اگلے شمارے میں).....☆.....☆.....☆

داستانِ محبت میرے نصیب سے تیرے نصیب تک

قسط نمبر 1

از قلم سمیرا حسین

کامل یقین

قسط وار ناول



Khushboo Online Digest



0300-7198339

رات کے اس پہر میں چاند کی بکھری چاندنی میں ہر چیز اپنے اندر سحرزہ خاموش اداسی لیے ہوئی تھی جیسے چاند دور آسمان پر ہزاروں ستاروں کے درمیان بھی اداس اور منفرد نظر آتا ہے۔ اسی طرح چاند ہر چیز پر اپنی چاندنی بکھیر کر اُسے اپنی اداسی کا حصہ بنا لیتی ہے اس وقت پورے حسین ہاؤس میں خاموش اور اندھیرے کا راج تھا اور باہر لان چاندنی سے روشن تھا۔ لان کے ایک حصے میں ایک ٹیبل اور کچھ کرسیاں رکھی ہوئی تھی۔

آف وائٹ ظہر میں نیٹ کی کلیوں والی فزاک جس کے بین کالر گلے پر نہایت نفیس کام بنا ہوا تھا۔ ساتھ ہی اسی رنگ کا چوری دار پجامہ پہنے ہوئے وہ چاند کا ہی ایک حصہ لگ رہی تھی۔۔۔ نگاہیں آسمان پر روشن چاند پر ہی مرکوز کئے وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔ نا جانے وہ چہرہ اداس تھا یا اداس چاند کی روشنی نے اُس کے چہرے کو جفا بخشی تھی آنکھوں کے گیسوں چاند کی اداسی پہنم تھے یا اپنے نصیب پر۔

چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ اور شازل کی بلیک ہونڈ احسن ہاؤس میں داخل ہوئی گاڑی رکی سوکین نے شازل کو گاڑی سے باہر نکلتے دیکھ لیا تھا اور جلدی سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا۔

اس سے پہلے شازل کو دوکت ہوتی سوکین کو تلاش کرنے میں وہ اُسے اپنے بائیں جانب ہی کرسی پر بیٹھی نظر آئی اُس نے وہ فاصلہ چند قدموں میں پار کر لیا تھا چند لمحوں تک وہ سوکین کو گہری نظروں سے دیکھتا رہا جو نظریں جھکائے ہوئے تھی۔ شازل اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"سوکین نے پلکوں کی چھالرا اٹھا کر اُسے دیکھا آنکھوں میں چھپائی اداسی اور سطح نم۔۔۔ شازل کا دل ڈوبا تھا وہ جتنا ہو سکے کوشش کرتا تھا۔۔۔ سامنے بیٹھی اُس لڑکی کو خوش رکھنے کی پردہ ہر بار ناکام ہو جاتا تھا کتنا بے بس ہوں میں کہ چاہ کر بھی تمہاری ان آنکھوں کی اداسی کو ختم نہیں کر پاتا وہ سوچ کر رہ گیا ہر بولا کچھ نہیں۔

وہ اب ٹیبل پر نظریں جمائے ہوئے تھی جب اُس نے دھیرے دھیرے بولنا شروع کیا۔

"میں نے مثال کو دیکھا"۔ شازل تم جاننا چاہتے تھے نامیرے انکار کی اصل وجہ؟ وہ جملہ مکمل کر کے رکی اس کا جواب سننے کے لئے۔۔۔ شازل کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ اُس نے کہا ہاں "مثال سے میری پہلی بار ملاقات دس سال پہلے ہوئی تھی ان دنوں میں میٹرک سے فارغ ہو جانے کے بعد شوقیا کبیوٹر سیکھ رہی تھی اُسے میں نے پہلے کبھی وہاں نہیں دیکھا تھا وہ یقیناً اُس کا پہلا ہی دن تھا۔

وہ بہت جو بصورت ہے شازل اُس جیسا نا اُس سے پہلے کبھی دیکھا نا اُس کے بعد۔۔۔ اُس سے میری دو ملاقاتیں ہی ہو پائیں تھیں۔

ان دو ملاقاتوں کے بعد آج میں نے اسے دیکھا۔۔۔ مینا کی سالگرہ میں۔

وہ چند سیکنڈ کے لئے خاموش ہونے کے بعد پھر سے بولی۔

"اُسے کھو دینے کے بعد میں نے اُسے کبھی اللہ سے نہیں مانگا کہ نا جانے وہ کہاں کھو گیا تھا۔ اور وہ مجھے کیسے ملے گا لیکن ہاں اُس کے نا ہونے پر اک اور اک ہوا تھا مجھ پر اُس کی محبت کا۔

"میں ہمیشہ سوچتی تھی کیا میری زندگی میں محبت کی بارش اتنی سی لکھی گئی تھی۔

"اک رات میرا دل میں نا جانے کیا خیال آیا کہ میں اُسے اللہ سے مانگ لوں کیا پتہ وہ میری دعا قبول کر لے اور پھر میں نے اُس رات رو کر اُسے اپنے رب سے مانگا۔ اُس رات کے بعد میرے دل میں نا جانے کیسا یقین پیدا ہو گیا تھا کہ وہ جہاں بھی ہے میرا ہے وہ اک روز مجھے مل جائے گا۔۔۔

شازل جانتے ہو وہ یقین کیا تھا۔۔۔؟ کامل تھا اپنے رب کی ذات پر اُس کی خدائی پر اُس کی قدرت پر کہ اُس کے آگے کچھ نہیں لیکن صوبہ کہتی تھی ایسا کچھ نہیں ہوتا یہ میں نہیں مانتی تھی اور میری ایسی ضد اور بڈرمی نے مجھ سے باہا اور ماما کو چھین لیا۔۔۔

وہ خاموش ہوئی تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔

شاہد حسین کی تین بیٹیاں تھی سب سے بڑی ناندہ تھی جو دو سال پہلے پیادیس گھر جا چکی تھی موموں کے بڑے بیٹے ارسلان کے ہمراہ اُس کے بعد سوکین تھی جو NCA سے آرٹ میں ماسٹر کر رہی تھی سب سے چھوٹی ہادیہ تھی جو ابھی تھرڈ ایئر میں تھی ناندہ نے ابھی بی کام مکمل ہی کیا تھا کہ اُس کی شادی طے پا گئی۔

شاہد حسین کا شمار کامیاب بزنس مینوں میں ہوتا تھا جو اپنے کام اور ایمانداری کی وجہ سے جانے جاتے تھے۔

شاہد حسین کو اپنی تینوں بیٹیوں سے بے حد محبت تھی اُن کا کوئی وارث نہیں تھا جس کا انہیں کبھی دکھ نہیں ہوا ان کے لئے اُن

کی بیٹیاں ہی اُن کی کل وراثت تھیں۔

شاہد کے برعکس نور جہاں کے دل میں بیٹے کی آرزو ہمیشہ رہتی اگر ایک حادثے میں شازل کے والدین خالق حقیقی سے نا جا ملے ہوتے۔ اور یوں ایک اداس شام وہ شاہد حسین کا ہاتھ تھامے حسین ہاؤس کا حصہ بن گیا تھا۔

"پورے کمرے میں اندھیرا اچھایا ہوا تھا"

دیوار پر لگی گھڑیاں کے سوئی کی ٹنگ ٹنگ کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔

وہ بیڈ پر لیٹے ہوئے اُس سحر ذرہ پل کو سوچ رہی تھی جس نے اس کی زندگی کو ہمیشہ کیلئے اپنے حصار میں قید کر لیا تھا وہ پل جو اُسے بھلائے نہیں بھالتا تھا۔

جولائی کی 25 تاریخ دل کے کورے کاغذ پر سنہری لفظوں سے درج کردی تھی شام کے سرمائی اُجالے میں جب میں نے اُس کو دیکھا تھا۔

یار میرے ساتھ چلو..... "سوئین جو ابھی کلاس میں داخل ہی ہوئی تھی کہ ثانیہ نے اُسے جالیا۔

کہاں...؟ ابھی تو آئی ہوں اور چلنے کو کہہ رہی ہو" سوئین نے اپنے ٹیبل پر کمپیوٹر ایکسلو کی بک رکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

فیس (Free) جمع کروانی ہے جلدی کرو کلاس شروع ہو جائے گی ثانیہ نے اُس کو ہاتھ سے کھینچتے ہوئے کہا۔ کلاس شروع ہونے میں ابھی کچھ ٹائم تھا سو میں اُس کے ساتھ ہوئی یہ گھر کی نظر زکابنا ہوا سینٹر تھا۔ ہماری کمپیوٹر کی کلاس میں سے ہوتا ہوا دوسری کلاس کا راستہ تھا۔

جہاں سے باہر ریسیپشن کو جاتی ایک کیلری نما گلی بنتی تھی اُس گلی سے ہوتے ہوئے بائیں ہاتھ کی جانب ریسیپشن آتا تھا اور گلی کا اختتام دوسری کلاس پر ہوتا تھا۔

شکر ہے آج موسم اچھا ہونے کی وجہ سے ہوائیں چل رہی ہیں۔۔۔ ثانیہ نے ہوا کے بھونکنے سے اپنے پلو کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ ہاں۔۔۔ تم بیگ میں کچھ وزنی شے ڈال کر لائی ہو؟ سوئین نے اپنی بے ساختہ آئی ہنسی کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے ثانیہ کے کمزور سے وجود پر چوٹ کی۔۔۔ اوے اب ایسا بھی نہیں ہے اچھا۔۔۔ ثانیہ سمجھ گئی تھی کہ اس کا اشارہ کس جانب ہے۔۔۔ دونوں ہنستی ہوئی اس گلی میں داخل ہوئیں۔۔۔ بے خیالی میں سوئین نے سامنے دیکھا تھا نگاہیں اٹھی تھی۔ اور واپس پلٹنا بھول گئیں تھی۔

اٹھتے قدم تھم گئے تھے۔۔۔

آسمان سے محبت کی سورج پر بھونکنے جانے کا حکم ہوا تھا تب ہی شاید وقت تھم سا گیا تھا۔
نہیں شاید میرے قدموں نے میرے ذہن کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا۔

ثانیہ کچھ کہہ رہی تھی۔۔۔ کیا؟۔۔۔ یاد نہیں۔۔۔

ہاں شاید روکنے کی وجہ دریافت کر رہی ہوگی۔

وہ غائب ہو گئی تھی۔۔۔ کہاں۔۔۔؟

یاد نہیں۔۔۔ ہاں یا وہ تو صرف اتنا یاد ہے۔۔۔

وہ کالے رنگ کا لباس زیب تن کئے اپنی بھرپور وجاہت کے ساتھ کھڑا تھا۔۔۔ اُسے دیکھ کر لگانو یہ رنگ بنا ہی اسی
کیلئے تھا۔۔۔

اس کے چاند سے روشن چہرے پر ہلکی ہلکی ڈارہی اس کی خوبصورتی کو بڑھا رہی تھی۔۔۔ اسے بنا کر اللہ کی ذات نے حسن
کی مثال قائم کر دی تھی۔۔۔ اُسے دیکھ کا مثل یوسف کا احساس ہوا تھا میں اُسے یوں دیکھے جا رہی تھی جیسے چاند کو دیکھتا
چکورے۔

میری آنکھوں کی اوج دیتی پیش نے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ کہ تب ہی اس نے رک کر آنکھوں میں حیرانگی لیے مجھے
دیکھا تھا۔۔۔

"سوکین" چلو ثانیہ مجھے ہاتھ پکڑ کر کلاس میں لے گئی۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتی سر کلاس میں داخل ہو چکے تھے
۔ جس پر میں نے دل میں شکر ادا کیا کیوں کہ میرے پاس اس کے کسی سول کا جواب نہیں تھا۔۔۔

"یا اللہ یہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔۔۔ کیا کوئی دیوانہ کر دینے کی حد تک حسین ہو سکتا ہے۔۔۔"

وہ چھت پر بیٹھی کانی دیر سے اسی کو سوچے جا رہی تھی۔۔۔ کہ گھر آ کر بھی اس کے سحر کا زور ختم نہیں ہو پا رہا تھا۔۔۔ اور دل کی
ایسی کیفیت کے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔۔۔ محبت نام وہ دینا نہیں چاہتی تھی کہ ایسے بھی کبھی محبت ہوتی ہے بھلا
۔۔۔ اس نے دور آسمان پر چاند کو دیکھا۔۔۔ جس کا حسن آج اسے پھیکا لگا۔۔۔ اُس مثل یوسف کے آگے۔۔۔

کیسے ہو؟ اور پیپرز کسے گئے تمہارے؟ میں کل ہی اپنے اف اس سی۔ کے فائل پیپرز سے فری ہوا تھا۔ اور آج میں
اپنے دوست سلمان سے ملنے اس کے کمپیوٹر سینٹر چلا آیا۔۔۔ سلمان مجھ سے پانچ سال بڑا تھا۔ لیکن پھر بھی ہم دونوں بہت
اچھے دوست تھے ہم دونوں کا بچپن صادق آباد کی گلیوں میں ایک ساتھ گزرا تھا۔ تین سال پہلے سلمان کی فیملی کراچی آ بسی
تھی۔۔۔ پیپرز کے دوران بندہ کیسا ہو سکتا ہے۔۔۔ پھر بھی اچھا ہوں اور پیپرز تو بہت اچھے ہوئے۔۔۔ تو سنا اپنے اور

اپنے سینٹر کے بارے میں۔۔ اس نے سلمان سے بغل گیر ہوئے جو اب کہتے ہوئے اس سے اس کی بابت پوچھا۔۔۔
"اللہ کا شکر ہے"

اور کراچی کب تک ہو؟۔۔ وہ اب آفس میں رکھی کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔۔
بس یار ایک دو دن میں فلائٹ بک کر داؤں گا۔ تجھے پتہ تو ہے اماں کا۔۔ اماں کی خواہش تھی صرف اس لیے ول پر پتھر رکھ کر مجھے کراچی سے تعلیم دلوانے پر مجبور ہیں۔
تو سب ٹھیک ہے پھر یہ دو دن تم میرے ساتھ گزار رہے ہو۔۔
خوب گھومے گے۔۔؟ سلمان چہکا
میرا بھی ایسا ہی ارادہ تھا۔

اچھا میں ایسا کرتا ہوں ابھی چلتا ہوں ہاسٹل کے کچھ ذیوز باقی ہیں وہ کیسے کر کے سامان پیک کر کے پہنچتا ہوں پھر تیرے اپارٹمنٹ۔۔ مثال کری پیچھے کو دھکیل کر کھڑا ہوا۔۔ چل ٹھیک ہے پھر ملاقات ہوتی ہے۔۔ سلمان اسے اٹھتے دیکھ کھڑا ہوا۔ اور مصافحہ کرتے ہوئے اس سے بولا وہ بھی اُخدا حافظ کرتے باہر آگے کو بڑھا تھا کہ اچانک رک گیا۔
سامنے سیدھی گلی سے دو لڑکیاں کسی بات پر مسکراتے ہوئے آرہی تھیں۔ ان میں سے ایک لڑکی کے بڑے قدم کے تھے نگاہیں مجھ پر اٹھنے کے بعد۔۔ ایسا نہیں تھا کہ مجھے رک رک کر ہر آتی جاتی لڑکیوں کو دیکھنے کا شوق تھا۔ لیکن میرے بڑے قدم رکنے کی وجہ اس لڑکی کا مجھے حیرانگی سے دیکھنا تھی۔ جیسے وہ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہے۔
اور دوسری وجہ اس کی وہ کانچ کی جھیل سی آنکھیں تھی کہ جس کو جی بھر کر دیکھنے کو دل چاہے۔۔ کے ناچاہتے ہوئے بھی میں قدم رکے اسی کو دیکھے جا رہا تھا۔۔ "سو کین چلو یوں رُت بنی کیوں کھڑی ہو۔ پھر اس کی دوست اسے پکارتے ہوئے لے گئی۔

میں آج جلدی سینٹر چلی گئی تھی۔۔ وہاں پہنچنے کے بعد بار بار نظریں اسے ڈھونڈتے ہوئے بے چینی سے اس کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ کمپیوٹر لیب ابھی خالی تھی۔ اپنی اس دلی کیفیت کو ملامت کرتے ہوئے میں نے کمپیوٹر ON کیا ہی تھا کہ کسی کے سلام کرنے کی آواز پر اس نے گھوم کر دیکھا۔ وہ اس کے قریب دو قدم کے فاصلے پر کھڑا سینے پر ہاتھ باندھے نظریں اس پر جمائے ہوئے تھا۔۔ اسے سامنے پا کر سو کین کا دل زور سے ڈھرکا اور وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔
"میرا نام مثال ہے" اور آپ کا سو کین؟ اچھا نام ہے کیا اس کا مطلب میں جان سکتا ہوں۔ دلوں کا سکون۔۔
اس نے پلکوں کی جھلکی جھال کر کواٹھا کڑا سے دیکھتے ہوئے جواباً کہا۔۔ وہ آج کل سے بھی زیادہ پیارا لگ رہا تھا۔ دونوں کی

نگاہیں ملیں۔

دونوں ایک دوسرے میں کھوسے گئے۔ آپ کی آنکھیں بہت حسین ہیں۔ جھیل کی طرح گہری۔۔۔ مثال نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا

”اسلام علیکم“ ثانیہ جو ابھی کلاس میں داخل ہوئی تو ان دونوں کو ساتھ کھڑے دیکھ کر پاس چلی آئی۔۔۔ اچھا میں چلتا ہوں

خیریت پیوہ ہی تھانہ جیسے کل تم دیکھتے جا رہی تھی۔۔۔ مثال کے جانے کے بعد ثانیہ آنکھوں میں حیرانگی لیے سوکین سے پوچھ رہی تھی۔۔۔ ”ہاں میں کیوں دیکھوں گی کسی کو“ سوکین نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کمپیوٹر پر نظرین مرکوز کر لیں۔۔۔ ”اچھا؟“ ثانیہ نے مجسوس کیا وہ اس سے کچھ چھپا رہی ہے پر اسے بتانا نہیں چاہ رہی سو اس نے اس کو مزید پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔۔۔ اور خاموشی سے کمپیوٹر ON کر کے اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔۔۔

آج اس کے کمپیوٹر کی آخری کلاس تھی۔۔۔ دل کچھ اداس بھی تھا۔۔۔ کہ پھر اس سے کیسے ملاقات ہو سکے گی۔۔۔ اور لہجہ ایسی کہ وہ اس سے اس کا نمبر بھی نہیں مانگ سکتی تھی۔۔۔ انہی سوچوں میں گری وہ کوچنگ پہنچی۔۔۔ کل کی طرح آج بھی وہ جلدی چلی آئی تھی۔۔۔ اور نظرین اور دل پھر اس کا بے صبری سے انتظار کرنے لگے۔۔۔ ایسا کروں گی آج اس سے پوچھوں گی۔۔۔ کہ وہ کیا سیکھنے آتا ہے یہاں؟۔۔۔ پھر میں بھی اسی کورس میں ایڈمیشن لے لوں گی۔۔۔؟ کافی دیر سوچنے کے بعد آخر کار اس نے مزید ملاقاتوں کا ذریعہ ڈھونڈ ہی لیا۔۔۔“

☆☆☆☆☆☆☆☆

”اسلام علیکم“ ثانیہ نے سوکین کی کرسی کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اسے سلام کیا۔۔۔“

”سوکین نے ہاتھ پر بندھی ریٹ وائچ کو دیکھا جہاں پانچ بجنے میں پانچ منٹ کم تھے۔۔۔ اور باقی بھی سارے اسٹوڈنٹس بھی آنا شروع ہو چکے تھے۔۔۔“

”وعلیکم السلام۔۔۔“

وہ ابھی تک نہیں آیا۔۔۔ کہی ایسا تو نہیں کہ وہ آج نا آئے۔

پہلی بار اک عجیب سی درد کی لہر اس نے اپنے دل میں اٹھتی محسوس کی۔۔۔ ”کیا بات ہے دو تین دنوں سے تم کچھ کھوئی کھوئی سی لگتی ہو۔۔۔ ثانیہ نے اس کے کھوئے سے انداز میں واعلیکم کہنے پر اس سے پوچھا۔۔۔

ہاں۔۔۔ نہیں۔۔۔ تو۔۔۔ آج آخری دن ہے نائینٹر میں تو۔۔۔ خیر سر آچکے ہیں کمپیوٹر ON کروورنہ ڈانٹ پڑے گی۔۔۔ سوکین نے کلاس میں داخل ہوئے سر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ثانیہ سے کہا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

”وہ کیوں نہیں آیا۔۔۔ ہو سکتا ہے وہ کل آئے۔۔۔ میں پھر کل جاؤں گی۔۔۔ ایسا کروں گی سر سے کہوں گی ایکسل کے دو تین پوائنٹ سمجھ نہیں آئے وہ پھر سے سمجھا دیں۔۔۔“ پر میں یہ سب کیوں کر رہی ہوں کیا اسے دیکھنے کے لئے۔۔۔“ وہ اپنے کمرے کی بالکونی کی طرف کھلتی کھڑکی کے پاس کھڑی سوچ رہی تھی۔۔۔

”کیا وہ مجھے اچھا لگنے لگا ہے۔۔۔؟ ہاں شاید وہ مجھے اچھا لگنے لگا ہے۔۔۔ دل چاہتا ہے اسے دیکھتی رہوں۔۔۔ اگر وہ کل بھی نا آیا تو۔۔۔؟ اک آواز اس کے دل نے سنی اللہ نا کرے۔۔۔ ایسا ہو۔۔۔ بس ایک بار وہ پھر سے آجائے میں اس سے ضرور ہمت کر کے پوچھ لوں گی۔۔۔؟“

☆☆☆☆☆☆☆☆

میں صادق آباد آ گیا تھا۔۔۔ دل چاہ رہا تھا اک اور ملاقات کرنا اس سے پر میں نے دل کی نہیں سنی۔۔۔ لیکن یہاں پہنچ کر دل کی کیفیت کچھ اور بھی عجیب سے لگی۔۔۔ نگاہیں ہر لڑکی کی آنکھوں پر اٹھتی ویسی ہی دو کہری کینچی جیسی آنکھوں کو دیکھنے کی چاہ میں۔۔۔ اور کبھی ایسا لگتا ہے وہ دو آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہیں میرا پیچھا کر رہی ہیں، عجیب سا عالم تھا عجیب سے کیفیت تھی۔۔۔ ”ایسا لگ رہا تھا ان دو آنکھوں نے مجھے اپنے سحر میں جھکڑ لیا ہے۔۔۔؟ اور میں جو لمبی چھٹیاں گزارنے آیا تھا۔۔۔ اب ایک پل بھی گزارنا دو بھر ہو گیا تھا۔۔۔ اماں میں کل واپس جا رہا ہوں“ ”ہیں کیا کہا۔۔۔؟“

ابھی تو تمہارے پیپر ختم ہوئے ہیں اور نئی کلاسز شروع ہونے میں کچھ مہینے ہیں۔۔۔

”جی اماں بس ایک ضروری کام نکل آیا ہے، اسے بننا کر واپس آ جاؤں گا“ اس نے عزت راشتے ہوئے کہا۔۔۔“

ٹھیک ہے خیریت سے جانا خیریت سے آنا۔۔۔ اللہ بخشے تمہارے بازندہ ہوتے تو اتنی تھک تعلیم کے ساتھ ساتھ سارے کام بھی تمہیں نہیں کرنے پڑتے۔۔۔“

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دو ہفتوں کے بعد ہی کراچی واپس آ گیا۔۔۔ ”اور کراچی پہنچتے ہی اس نے سلمان کے کمپیوٹر سینٹر کا رخ کیا وہاں جا کر اسے پتہ چلا کہ وہ بیچ ختم ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا ہے۔۔۔ اور اس کی جگہ اب نیو بیج اسٹارٹ ہو چکا ہے۔۔۔“

”اسے افسوس ہوا۔۔۔ خیریت تو ہے نا۔۔۔؟ سلمان نے اسے پریشان سی صورت بنائے بیٹھے دیکھ کر وجہ دریافت کی۔۔۔“

کہیں کسی لڑکی کا تو کوئی معاملہ تو نہیں۔۔۔؟

”یار پتہ نہیں محبت ہے یا سحر۔۔۔ پر اس کو دیکھنے کے لئے میں دوبارہ آیا۔۔۔ پر اب میں کبھی اسے نہیں دیکھ سکوں گا۔۔۔“

اس نے سلمان کو اپنے اس سے ہوئی ملاقات کو بتاتے ہوئے مایوسی سے کہا۔۔۔“

اس پل اسے محسوس ہوا اسے محبت ہوگئی ہے۔۔۔ مایوسی کے اندھیرے چار سو پھیلنے لگے۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا منت مانگی؟“ سوکین نے نصرت کے ہاتھ میں پکڑی منت کی چوڑی دیکھ کر اس سے پوچھا؟

شازبیہ کی شادی کے لئے منت اٹھائی ہے۔۔۔

”اور تم نے“ یقیناً“ اسی کے لئے منت اٹھائی ہوگی ہے نا۔۔۔؟

نصرت نے سوکین کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔۔۔

”ہاں“ سوکین نے اپنی مسکراہٹ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

”یار کیا معلوم ان کے صدقے ہی مجھے وہ مل جائے۔۔۔“

”انشاء اللہ“ نصرت نے اپنی اٹھائی ہوئی منت کی چوڑی کو نہایت عقیدت سے اپنے Cluch میں رکھتے ہوئے جوابا کہا

تھا۔۔۔

اور اس نے اپنی منت کا چھلا اپنے سیدھے ہاتھ کی دوسری انگلی میں پھین لی۔۔۔ وہ دونوں امام بارگاہ سے باہر نکل آئیں۔

کہ باقی گھر کے سبھی افراد انہیں اندر نظر نہیں آئے کہ شاید وہ باہر جا چکے تھے جیسے ہی وہ دونوں باہر سبیل کے پاس

پہنچی۔۔۔ سامنے ہی انہیں باقی سب نظر آئے۔۔۔ کب سے ہم سب تم دونوں کا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔“ پر تم دونوں کی

منتیں ختم ہی نہیں ہوتیں۔۔۔“

ناہدہ آپا نے انہیں جسے ہی آتے دیکھ کر فوراً شروع ہوگئی تھیں۔

”ایسا ہر سال آپ کی ایک ہی منت ہوتی ہے جو کبھی پوری تو ہوتی نہیں۔ کتنی منتیں اٹھائیں گی آپ۔۔۔“

یہ ہر سال سے ہوتا آرہا ہے جب بھی سوکین اور اس کی خالہ کی فیملی محرم میں امام بارگاہ جاتے۔۔۔ ہر سال وہ ایک ہی منت

اٹھاتی۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

”وہ مسلسل صبح سے کلاسز تک کئے جا رہی تھی کل سے اُس کا دل کبھی بھی نہیں لگ رہا تھا۔۔۔“ جب سے ہادیہ نے

اُس کے لئے آنے والے رشتے کے لئے بتایا تھا۔۔۔ جب بھی اس کے لئے کوئی رشتہ آتا اس کی ایسی ہی حالت ہو جاتی تھی۔۔۔

”یار سوکین مزید کتنی دیر تک یوں بیٹھی رہو گی“ ہر لڑکی کا رشتہ آتا ہے۔ یہ تو خوشی کی بات ہے۔ صوبیہ نے اس کی جانب پانی کی بوتل کرتے ہوئے کہا۔

”یہ خوشی تم لے لو۔۔۔ ویسے بھی مجھے نہیں کرنی شادی“ سوکین نے صوبیہ سے بوتل لے کر زمین پر پٹختنے سے انداز میں رکھتے ہوئے کہا۔

صوبیہ کو اس کی یہ حالت دیکھ کر افسوس بھی ہو رہا تھا اور غصہ بھی آ رہا تھا۔

”کیوں نہیں کرنی شادی...؟ محترمہ بتائیں گی آپ...؟ صوبیہ نے نخل سے پوچھا۔۔۔

جس کے لئے تم بیٹھی ہو نہ تو بیٹھی ہی رہ جاؤ گی... دماغ خراب ہے تمہارا۔ پاگلوں والی باتیں ہے تمہاری... وہ تمہیں نہیں ملے گا۔ دو ملاقاتیں مل لینے سے تم خود سے دل میں یقین ڈال کر بیٹھ گئی ہو کہ شادی بھی اُسی سے ہو گی... یہ تمہارے دماغ کا خلل ہے۔ کامل یقین۔۔۔ صوبیہ سانس لینے کو رکھی۔

”اللہ پر کامل یقین ہونے کو تم بیوقوفی کہہ رہی ہو؟“ اُسے صوبیہ کا اتنا کچھ کہہ جانا دل برداشتہ کر گیا۔

”ایک نام کے علاوہ اُس کے... اور تو تمہیں کچھ پتہ نہیں کہ وہ کون تھا... کہا سے آیا تھا... کہا کو گیا۔ ایک بندہ سامنے ہو تو میں مان بھی لوں۔ کہ ہاں اُسی سے کرنا۔ ڈھونڈتی ہوں تم اُس کو... اور دل میں کامل یقین پالے بیٹھی رہو۔ کہ وہ ایک دن خود چل کر آئے گا... اور کہے گا... مجھ سے شادی کرو گی“ صوبیہ نے اُسے اچھا خلاصہ جھاڑ دیا تھا۔

اُس نے سوکین کی طرف دیکھا جس کے لب خاموش اور آنکھیں نم تھیں اُسے افسوس ہوا کہ شاید وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی۔

اچھا سوری یار... اگر تمہیں کامل یقین ہے تو یوں رشتے آنے پر پریشان کیوں ہو جاتی ہو۔؟

پریشان میں رشتوں کے آنے پر نہیں۔ جانتی ہوں کہ یہ تو امتحان ہے اللہ کی طرف سے جو میرے یقین پر لیا جا رہا ہے۔ جیسے میں نے دینا ہے۔ پریشان تو میں اس لیے ہوں کہ میرے بار بار کے انکار سے میرے اپنوں کی جو دل آزاری ہوتی ہے۔۔۔ وہ مجھے تھکاتی دیتی ہے خیر

لا بھریری جا رہی ہوں بک اشکر وانی ہے۔ چلو گی۔۔۔ اُس نے اپنی کتاب اٹھاتے ہوئے ان دونوں سے پوچھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آجاؤ اندر سوکین نے غصے سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا
 ”جہاں سے آواز آئی تھی ہادیہ نے ڈرتے ڈرتے تھوڑا سا دروازے کو کھولا سر کو اندر ڈالتے ہوئے پورے روم کا جائزہ لیا
 ... کمرے میں اندھیرا تھا... ہادیہ نے آنکھ گھماتے ہوئے کمرے میں ایسا کو تلاش کرنے کی کوشش کی...
 ”اب منہ سے پھوٹو گی بھی کچھ یا پھر دیکھتی ہی رہو گی؟ کیا کام ہے۔“
 سوکین کی آواز پر ہادیہ اچھلی۔

”وہ آپنی امی کہہ رہی تھی کہ جلدی سے تیار ہو جائیں آپ کو دیکھنے کچھ خاتون آئی ہے“ ہادیہ یہ بات کہتے ہی باہر کو بھاگی
 ... وہ جانتی تھی ورنہ اپیانے رشتہ والوں کا غصہ اس بیچاری پر اتار دینا ہے جوڑ کی تو سو بھاگ لینے میں آفیت تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بس بہن بیٹیاں تو اللہ کی رحمت ہوتی ہیں۔

میں نے اپنی بیٹیوں کو تعلیم کے ساتھ سب ہی گھریلو کاموں میں بھی طاق کیا ہے...

”ہادیہ بیٹا سوکین کو بالاکر لیاؤ...“ نور جہاں کے پاس بیٹھی ہادیہ نے کہا... ”جی امی جان“

وہ سوکین کو بلانے اس کے کمرے میں آئی تو اسے سوچ میں ڈوبہ پایا۔

ایسا امی بلا رہی ہیں آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟

ہادیہ نے اسے عجیب سے جملے میں بیٹھے دیکھ جیرانی سے پوچھا؟ اچھی لگ رہی ہوں نہ چلو مہمانوں کو بے چینی سے میرا
 انتظار ہوگا سوکین نے پھٹی ہوئی چادر کو سر پر لیتے ہوئے پریشان کھڑی ہادیہ کی طرف دیکھا۔

ایسا یہ یہ آپ کے چہرے کو کیا ہوا؟ آپ کا رنگ کیوں اتنا خراب ہو رہا ہے؟ ہادیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی

خراب ہو گیا ہے میرا رنگ اب دماغ مت کھاؤ...

خراب ہوا نہیں کیا گیا ہے ایسا پلیز اپنا منہ صاف کر لو ورنہ امی آپ کو تو کچھ کہیں گی نہیں۔ آپ کا سارا غصہ مجھ پر اتار دیں
 گی... ہادیہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”بول چکی“ اب چلو۔

”ہادیہ کے ساتھ وہ ڈائینگ میں داخل ہوئی تھی جہاں وہ خاتون اور نور جہاں آپس میں باتوں میں مگن تھیں... اسے آتا
 دیکھ لیا تھا تب ہی وہ دونوں خاموش ہوئی تھیں۔ اس کا حال دیکھ کر نور جہاں نے غصے سے ہادیہ کو گھورا تھا وہاں خاتون نے

بھی پہلو بولا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

صوبیہ اور عائشہ نے اسے آرٹ ڈیپارٹمنٹ سے باہر آتے دیکھ تھا۔ ”جواب سوکین کے چہرے پر ایک مسکراہٹ آگئی جس کو اس نے بلکل بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی اور وہی ان دونوں کے ساتھ گھانسن پر بیٹھ گئی ان دونوں کو اس وقت اس کی یہ مسکراہٹ زہر لگ رہی تھی۔

”آف او ایسے کیوں گھور رہی ہو تم دونوں۔“ اب بس بھی کرو۔“ تم ٹھیک نہیں کر رہی ہو۔ اپنے اور انکل آنٹی کے ساتھ اس کے لئے جس کا تمہیں پتہ بھی نہیں کہ وہ کہاں ہے اور کہاں ملے گا صوبیہ نے سوکین کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔ عائشہ نے بھی صوبیہ کی بات سے اتفاق کیا۔

”بس ٹھیک ہے جو کر رہی ہوں اپنے ساتھ کر رہی ہوں تم دونوں کو میرے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے

”پلیز دیکھو اب اگر تم دونوں نے اس بارے میں بات کی تو میں کہی اور جا کر بیٹھ جاؤں گی“

جواب دونوں نے خاموش رہنا بہتر سمجھا کہ وہ جانتی تھی کہ اس کو سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔

پھر جاتے سے ہی ان کے آخری سیموز سز پر سوار شھے۔ سو وہ تینوں ہر بات بھول بھال اس کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

”کیسا رہا پیپر؟ سوکین کینٹین میں بیٹھی ان دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ دونوں بھی پیپر کر چکنے کے بعد اُسے ڈھونڈتی ہوئی کینٹین میں آگئی تھیں۔“ بہت اچھا ہوا یار“ دونوں نے یک زبان ہو کر کہا ”اور تمہارا“ وہ دونوں بھی وہی اس کے پاس رکھی کرسیوں پر براجمان ہو گئیں۔

”میرا بھی بہت اچھا۔“

شکر ہے کہ آخری سیموز کا آخری پیپر بھی اچھے سے ہو گیا۔ ویسے میں سوچ رہی ہوں یار اتنے تھکا دینے والے پیپر کے بعد ایک پنک تو بنتی ہے۔ کیا خیال ہے پارٹی شارٹی ہو جائے“ صوبیہ نے ویز کو ہاتھ کے اشارے سے بلاتے ہوئے کہا

”کیا کہتی ہو تم دونوں؟“

”تین کوک اور تین سمو سے رول لادیں“

”ہاں یار پھر ہم تینوں کو یوں مل بیٹھنے کا کبھی موقع ملے گا کہ نہیں“

عائشہ کو بھی صوبیہ کی بات پسند آئی تھی۔۔۔

پھر کیا پلان ہے؟ دونوں نے سوئیں کی طرف دیکھا۔۔۔

”ایسا کرتے ہیں ہی ویو چلتے ہیں“ عائشہ نے چٹکی بجائی

”پلیزی یار سمندر بھی کوئی جگہ ہے گھومنے کے لئے۔۔۔ مجھے نہیں پسند کوئی اور جگہ کا کرڈ“ سوئیں نے اعتراض کیا۔ اس سے پہلے وہ دونوں ڈن کر دیتیں ”ایک تو تم سدا کی بورنگ ہو پھر خود ہی بتاؤ کہا کا کریں؟“ صوبیہ نے اسٹرد کو منہ سے لگاتے ہوئے اس کا طرف دیکھا۔

یار مجھے اس طرح کے پروگرام پسند چانتی تو ہو تم دونوں

”ہاں ٹور پر جانے کو کہو مزاتو اس میں ہے نا۔۔۔ سوئیں نے سمو سے سے انصاف کرتے ہوئے کہا۔۔۔

”اوبہن“ بس ہاں جیسے تم عجیب دیے تمہاری باتیں بھی عجیب ہی ہوتی ہیں۔۔۔“ اس سے پہلے کہ وہ مزید بولتی

عائشہ سے اسے ٹوکا۔۔۔

بلکل ٹھیک کہا“ صوبیہ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔۔۔

تم دونوں بہت بد تمیز ہو۔۔۔ دفعہ ہو جاؤ۔۔۔

یار ہمارے اماں ابا اتنے بھی آزاد خیال نہیں ہیں کہ یوں ہمیں اکیلی ٹور پر جانے دیں ورنہ مزہ تو بہت آتا ہے ٹورز میں ”خیر“۔۔۔

اچھا چلو پہلے کسی اچھے سے شوپنگ مال سے شوپنگ کرنے کے بعد اچھا سا ڈنرا مبالا سے کریں گے۔۔۔ بس ڈن

ٹھیک ہے ناسی ویو نہیں جانا پانی سے فو بیا ہے مجھے۔

”سوئیں نے بل ویٹر کو دیتے ہوئے ان دونوں سے پوچھا۔

ہفتہ کا دن ٹھیک رہے گا۔۔۔؟

بلکل ٹھیک ہے اور اب بعد میں کوئی بہانے نہیں بنائے گا نا جانے کا۔۔۔ دنوں نے سوئیں کو خطرناک نظروں سے گھورا

کہ جانتی تھیں وہ پروگرام بنا تو لیتی ہے پر پھر عین وقت پر غائب بھی ہو جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆ (باقی آئندہ شمارے میں)

www.paksociety.com



مریم مرضی کے قلم سے سلسلہ وار ناول قسط نمبر 1

شہر عشق

Email: khushboodigest@gmail.com | Khushboo Online Digest | 0300-7198339

راہ فقر و تندرستی سے تھ پھڑپھڑے ہو
تارک دنیا تداں تھیوے فقر ملیوے خاصہ ہو
دریا وحدت نوش کیتوے اجاں بھی جی پیاسا ہو
راہ فقر رتروں باہولوکاں بھانے ہاسا ہو

۱۱ اگست

آج میں نے پہلی بار ڈیڈی سے صاف کہہ دیا ہے کہ مجھے ماڈلنگ کرنی ہے۔ ڈیڈی تو تحل مزاجی سے کام لے گئے مگر مٹی آگ بگولہ ہیں۔ مجھ سے بات یوں کر رہی ہیں جیسے کھا جائیں گی۔ ہمارے گھر میں سوشل لائف چلتی ہے۔ مٹی یونیورسٹی میں میٹھ کی لیکچرار ہیں۔ فیشن کے ساتھ چلتی ہیں جو ان ہے اسے آن رکھتی ہیں جو آؤٹ ہے اسے آف رکھتی ہیں۔ ڈیڈی بھی معاشرے کے ساتھ چلتے ہیں۔ سب سیٹ ہے لیکن مٹی ماڈلنگ کے لیے نہیں مان رہی۔ ان کا کہنا تھا شو بزز سے دور رہو۔

”میں ماڈلنگ ہر قیمت پر کروں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔“ میں نے بھی دو لوک کہہ دیا تھا اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے لندن پیرس گھوم آتیں ہیں اور میری خواہش پوری نہیں کریں گی تو میں ہنگامہ کر دوں گی۔ میری بھی خواہش ہے میں ماڈل بنوں مشہور ہوں، شہرت کی بلند یوں پر جانا میری سب سے بڑی خواہش ہے۔ انسان سب کچھ چھوڑ سکتا ہے مگر پہلی خواہش نہیں۔ میں نے بھی ٹھان لی میں ماڈلنگ کر کے ہی دم لوں گی۔ حق بنتا ہے میرا میں اپنی خواہش پوری کروں۔ آخر میری اپنی لائف ہے۔ مجھے بھی اپنی مرضی سے جینے کا حق ہے۔ مٹی کب تک نہیں مانتی دیکھتی ہوں میں بھی۔۔۔

ہمارے ڈیڈی جو ہیں ناں وہ بھی مٹی کی بات نہیں ٹالتے ناں۔ اب ٹالنا نہیں چاہتے یا ان کی ہمت ہی نہیں ہوتی یہ بات الگ ہے۔ کاش میرا کوئی اور بہن بھائی ہوتا تو میں اسے آگے کر دیتی، وہ مٹی کو منالیتا۔ اب کیا

کروں۔؟ چلیں دیکھتے ہیں می انا کی پکی ہیں یا میں۔۔۔ انا کی جنگ پہلی بار اس گھر میں ہوگی اس سے پہلے یہاں نہیں ہوئی مگر اب ہوگی۔

۱۱ اگست

بھابھی نے پھر تصویر لڑکی کی اٹھالائی۔ کتنی بار کہا ہے مجھے اپنے خوابوں جیسی لڑکی چاہیے مگر پتا نہیں انہیں سمجھ نہیں آتی۔ آج تصویر لائی اور بولی۔

”باپ اس کا کنیڈا میں ہے، ماں بزنس کرتی ہیں اور خود اپنی تعلیم مکمل کر کے فارغ ہوئی ہے۔۔۔“ میں نے سوچا چلیں تصویر دیکھ لیتے ہیں۔ بالکل میرے خوابوں کے الٹ۔۔۔ شکل سے چالا کو ماسی لگتی تھی۔ مجھے تو بالکل اچھی نہیں لگی۔ اسیلے بھابھی سے صاف کہہ دیا۔

”بھابھی مجھے ایسی لڑکی نہیں چاہیے۔۔۔“

”تو کیسی چاہیے۔؟“ بھابھی بھی اکتا گئیں ہیں۔ کیا کریں بے چاری لڑکیاں تلاش کر کے تھک گئی ہیں اور مجھے کوئی پسند ہی نہیں آتی۔

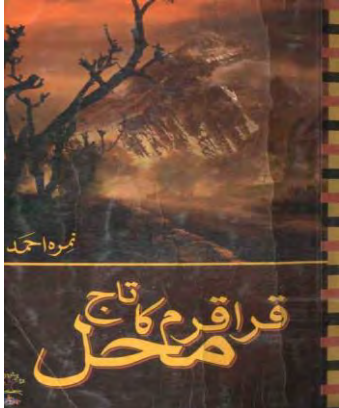
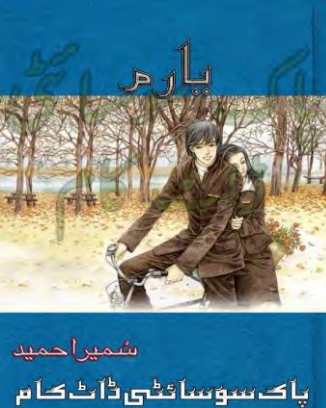
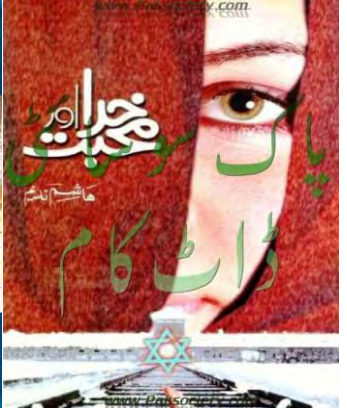
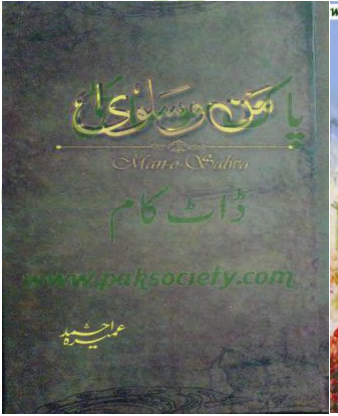
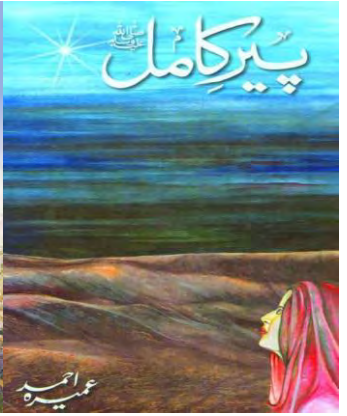
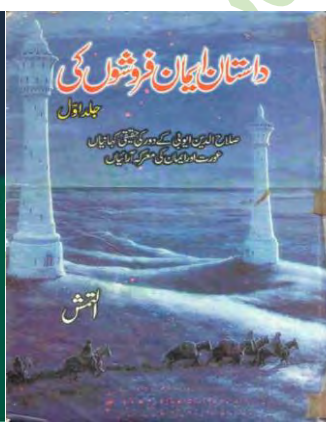
کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے میرے خوابوں جیسی لڑکی ابھی تک خدا نے تخلیق ہی نہیں کی۔ شکل معصوم ہو مگر زمانے کے ساتھ چلنے والی، حسن ایسا ہو کہ دیکھنے سے میلا ہوتا ہو، دنیا قدموں میں دل بچھانے کو تیار ہو مگر وہ سب کو رد کر دے، امیر ہو مگر غریبوں کی طرح رہنے والی، تکبر نہ ہو اسے نہ حسن پر نہ دولت پر۔ گھریلو خیال رکھنے والی ہو مگر آجکل کی دنیا کے ساتھ چلے۔ لیڈی ورکر ہو مگر میرا مکمل خیال رکھنے والی ہو۔ ازے یہاں تو خیالوں کے سب الٹ چل رہا ہے، گھریلو ملتی ہے تو بس باورچن کی باورچن ہی اور اگر لیڈی ورکر تلاش کرتا ہوں تو گھر کے کاموں سے اسے ایسے چڑچڑاہٹ ہے جیسے کرنٹ لگتا ہو۔

اب میں کیا کروں۔؟ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کس سے شادی کروں آخر گھریلو لڑکی تک بھی مشکل اور اگر کام کاج کرنے والی تب بھی رولا۔۔۔

۱۲ اگست

می اسلام آباد گئی ہیں وہاں ہی رک گئی دو دن کے لیے۔۔۔ مجھے ماڈلنگ کا فیصلہ دینا تھا چلو دو دن کی ہی بات ہے۔ ملازم بھی چھٹی پر ہے آج تو خوب اپنی پسند کی ڈشز بناؤں گی۔ آہا بہت مزہ آئے گا۔ می گھر ہوں تو بچن میں کام ہی نہیں کرنے دیتی کہتی ہیں تم اتنے بڑے گھر کی ہو کر بچن میں کام کرو گی۔؟ لو بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی۔؟ یہی بات مجھے بہت ایریٹیٹ کرتی ہے۔ ہم امیر کیا ہو گئے ہم ذرہ اپنی شان سے ہٹ کر کام نہیں کر سکتے۔ لو ہم اگر ذرہ سانو کروں گا کام کر لیں تو ہماری ذات پر آج آنے لگتی ہے۔ سچ کہوں تو مجھے اس ماں باپ کی دولت سے شدید نفرت سی ہو گئی۔ اسی لیے تو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



اپنا کمانا چاہتی ہوں۔ شہرت کی بلندیوں پر پہنچنا چاہتی ہوں مگر تکبر کو اپنے پاس نہیں آنے دوں گی۔ ان لوگوں کا خیال رکھوں گی جو میرا خیال رکھتے ہیں۔ انسانیت کا درد دل سے مٹنے نہیں دوں گی۔ میں غرور کو نہیں اپناؤں گی مٹی کی طرح۔۔۔ مٹی جس طرح اپنے ملازم پر ظلم کرتی ہے، نیچے کو قدموں تلے رکھتی ہے ابھی کل ہی کی بات ہے ہمارے ملازم شیخو سے کپ ٹوٹ گیا مٹی نے اسے سب رشتے داروں کے سامنے سزا دی حالانکہ ہمارے ہاتھ سے ٹوٹ جائیں تو مٹی کہتی ہے کوئی بات نہیں بیٹانے آجائیں گے۔ ایسا کیوں کرتی ہے مٹی؟ میں ایسا نہیں کروں گی ہرگز نہیں۔ کل ہماری دوردراز کی رشتیدار شائستہ آنٹی گاؤں سے آگئی مٹی نے اسے جوتے کی نوک پر بھی نہ رکھا۔ میں نے اسے خالہ پکار دیا تو ہنگامہ ہو گیا۔

”تم نے اس بیچ عورت کو میری بہن بنا ڈالا۔۔۔“ مٹی اس عورت کے سامنے شروع ہو گئیں تھیں۔ میں تو مارے شرم کے سر بھی نہ اٹھا سکی۔ وہ اتنے پیارے ہمارے لیے دیسی گھی اور لسی لائی تھیں مٹی نے اسے بھی ان کے منہ کر مار دیا۔ میں ایسے نہیں جینا چاہتی مٹی کچھ بھی کر لیں میں ماڈلنگ کروں گی اور اپنی لائف اپنی مرضی سے گزاروں گی۔ اس طرح اپنی مرضی نہیں کرنے ہوتی ناں۔ مٹی ڈیڈی کے پیسے پر نہیں اترا نا چاہتی ہاں مگر جہاں بیچ ہوتا ہے کہہ دیتی ہوں انہیں کڑوا ضرور لگتا ہے مگر کیا کریں بیچ چیز ہی ایسی ہے جسکی کڑواہٹ کا اثر کئی دنوں تک رہتا ہے۔ یہی حال مٹی کا ہوتا ہے جب میں کسی بات پر اختلاف کرتی ہوں تو مٹی کا منہ کئی دن تک سو جا رہتا ہے۔ اب مجھے بہت بھوک لگی ہے چل کر کچھ بنا کر کھاتے ہیں شام کو ڈیڈی بھی آئیں انہیں بھی اپنے ہاتھ کا کھلاؤں گی بیگم کے ہاتھ کا تو انہوں نے کبھی نہیں کھایا مگر بیٹی کا ضرور کھائیں گے

انشاء اللہ

۱۱۲ اگست

ارے ایک ہمارے بھائی صاحب ہیں کچھ سننے کو تیار نہیں۔ صاف گوئی سے مجھے کہہ دیا ہے ”رومی اگر تم نے دو ہفتوں کے اندر جواب نہ دیا تو ہم اپنی مرضی سے کسی لڑکی کو تمہاری بہن بنا لائیں گے۔“ ہم تو بکے بکے ہی رہ گئے تھے

لوجی ہمیں تو اٹھیم مل گیا۔ اب گلی گلی خاک چھانی پڑے گی شاید کہیں مل جائے۔ ارے بھئی کہاں آخر اللہ پاک نے اسے چھپا رکھا ہے۔؟ اے اللہ جی اب کوئی کرشمہ دکھا اور اسے ملا دے۔

میں کیسے رہوں گا اس لڑکی کے ساتھ جسے بھی پسند کر لائیں گے۔ وہ بیکر لیس شادی میں نہیں کرنے والا، ویسے بھی اسلام میں چار جائز ہیں۔ بھابھی اسے دیورانی سمجھتی رہیں گی اور وہ اسے اسکی سوتن بنا لائیں۔ بڑا پتا چلتا ہے آج کل کی عورتوں کو۔۔۔ عورتیں تو اعتبار کی پکی ہوتی ہیں اگر انہیں اعتبار آ جائے تو۔۔۔

اعتبار سے یاد آیا مجھے جو لڑکی چاہیے وہ بھی اعتبار کرنے والی ہو۔ شک سب کچھ ڈبو دیتا ہے اور مجھے تو شک سے سخت نفرت

ہے۔ شکی مزاج تو ہونی ہی نہیں چاہیے۔ رومی میاں تم خواب دیکھتے رہو اور ادھر بھیا کوئی ایسی ہی سرسریل اٹھالائیں گے جو مجھے پاگل کر دے گی، یہاں کیوں گئے تھے وہاں کیوں نہیں، وہ لال دوپٹے والی کون تھی، اس لڑکی کو تم نے مسکرا کر کیوں دیکھا تھا، وہ تمہیں ایسے کیوں دیکھ رہی تھی۔ اف کیا بنے گا میرا۔؟ بھیا ایسی ہی لے آئیں گے۔ کچھ کر رومی میاں کہیں سے اسے ڈھونڈ لا

۱۱۵ اگست

آج می سے میں نے صاف بات کر ہی ڈالی۔ صبح ناشتے کی ہی میز پر میں نے تذکرہ کیا جب ڈیڈی جا چکے تھے۔
 ”ممی میں ماڈلنگ کرنا چاہتی ہوں۔۔۔“

”میں نے تمہیں منع کیا تھا دوبارہ ذکر نہیں کرنا اس کو اس کا۔۔۔“ ممی نے کانٹا یوں سیب میں گسایا اسکے ایک ہی بارنگرے نکلے ہو گئے تھے تو ایک لمحے کو کانپ گئی کہ اب سیب جیسا میرا بھی حال ہونے والا ہے۔

”ممی یہ میری خواہش ہے اور میں اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے کسی حد تک بھی جاسکتی ہوں۔“ میں نے بھی دو ٹوک کہہ دیا تھا۔ ممی کو بڑا غصہ آیا، آگ بگولہ ہو گئیں تھیں مگر میں نے بھی صاف کہہ دیا

”اگر آپ ضد کی سچی ہیں تو میں بھی آپ ہی کی بیٹی ہوں۔ میری بات کو لائٹ مت لیجیے گا میں جو کہہ رہی ہوں کر کے دکھاؤں گی۔“

لو ہم ممی سے تو کہہ دیا اب صرف پروڈیونر سے رابطہ کرنا باقی ہے۔ ہفتہ پہلے آفر آئی تھی کہیں کوئی اور سیلیکٹ نہ کر لی ہو۔ ارے یا اس نے کر لی ہوئی تو کوئی اور تلاش کر لیں گے۔ کوئی بات نہیں جی۔۔۔

۱۱۵ اگست

آج تو بھیا نے آفس میں جا بٹھا دیا کہتے ہیں کام کرو گے تو آئے گا۔ اپنا بزنس بھی نہ ہو کسی کام از کم بے روزگاری کے بہانے بندہ گھر تو بیٹھا رہتا ہے۔ آفس میں سارا دن ہر لڑکی کو دیکھتا تو اس خوشی سے تھا کہ میرے سپنوں کی رانی ہوگی مگر اگلی ہی نظر میں امیدوں پر پانی پھر جاتا تھا اور نظریں فوراً نیچے لڑکیاں سمجھتی تھی میں کتنا شریف ہوں نظریں جھکائے بیٹھا ہوں حالانکہ میں دیکھ بھال کے پھر جھکاتا تھا۔ مگر لیڈیز ورکر کا یہی مسلہ ہوتا ہے نا انہیں خبر ہی نہیں رہتی کب انکی طرف نظر مخلصانہ اٹھی اور کب بے ایمانہ۔۔۔ ایک طرح سے ٹھیک بھی ہے اور نہیں بھی۔۔۔ ٹھیک اس لیے کہ خدشات اور لڑائیوں سے محفوظ نہیں رہا جاسکتا اور نہیں ٹھیک اس لیے کیونکہ یہی نظریں اسے غلط قرار دے دیتی ہیں کہ وہ جان کر انجان بنی رہی ہے اسے سب خبر ہے اور یوں دل کی میل بڑھنے لگتی ہے۔ لڑکی ایسی ہونی چاہیے جس کی طرف نظر اٹھے اور اسے خبر ہو جائے مخلصانہ یا بے ایمانہ۔۔۔

آج آفس کا دن تو بس ٹھیک تھا لڑکیوں سے امید باندھتے اور ٹوٹتے وقت بیت گیا۔ مجھے لگتا ہے بھیا مجھے اسی لیے آفس میں لے گئے ہیں کہ شاید کوئی پسند آجائے۔ مگر بھیا نے جو پرپاں اپنے آفس میں بٹھا رکھی ہیں وہ پرستان کے

ان شہزادوں کو ہی مبارک وہ انہی کے لیے بنی ہیں۔ مجھے تو کوئی اپنی سوچ رکھنے والی چاہیے۔
۱۲۴ اگست

میری ماڈلنگ خوب چل رہی ہے نل مستی میں دن رات گزرتے ہیں۔ می بھی بول بول کر چپ ہو گئی ہیں۔ آج مجھے چیک ملا تو میں کیش کردا کر دل سے اپنے ملازم شیخو کو دیے۔ اسکی بیٹی کی شادی ہے ناں پچھلے دنوں اس نے می سے ادھار مانگا تھا تو می نے اسے ڈانٹ دیا تھا کہا تھا کہ کام صبح کرتے نہیں اور پیسے مانگنے لگتے ہیں اور ویسے بھی میں اس لیے کماتی ہوں کہ تم جیسے لالچیوں کو دے دوں، دفع ہو یہاں سے۔۔۔ می نے اسے اتنی سنائی میری آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ آج مجھے جب چیک ملا تو میں نے چیک سے اسے پیسے دے دیے۔ اس نے مجھے اتنی دعائیں دی جو لکھی نہیں جاسکتی۔ مجبور اور غریب سے دعا لے کر دل کو جو راحت ملتی ہے وہ ہوٹلوں اور پارٹیوں میں جانے سے نہیں ملتی۔ مگر میں جب بھی می سے کہتی ہوں تو می سنتی ہی نہیں ہیں وہ کہتی ہیں غریب کو خدا نے غریب بنایا ہے ہم نے نہیں ہم کیوں اس کی مدد کریں۔ ان کے دماغ میں یہ بات ہی نہیں پڑتی کہ غریب امیروں کے لیے آزمائش ہے۔ پرسوں کی بات ہے میں اور می پارٹی سے آرہے تھے کہ ایک بوڑھی عورت آگے آگئی اور پوچنی میرے پوتے کی بہت طبیعت خراب ہے وہ مر جائیگا آپ اسے ہسپتال پہنچادیں۔ می نے ڈرائیور سے کہا چلو اور اسے مڑ کر بھی نہ دیکھا میں کہتی رہی مجھے جانے دیں مگر می نے ڈرائیور کو رکھنے ہی نہ دیا تھا۔ معلوم نہیں اس عورت کا کیا بنا ہوگا، کہیں نہ کہیں سے خدا نے اپنا بندہ بھیج دیا ہوگا۔ ہر کوئی ہم جیسا تھوڑا ہوتا ہے۔ میں ماڈلنگ کر کے بھی اس طرح آزاد نہیں ہوں جیسے ہونا چاہتی ہوں۔

۱۲۴ اگست

لو بھئی کل ہمیں دیا گیا پلیٹیم ختم ہو جائیگا۔ میرے تو ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں۔ کاش خوابوں کا وجود نہ ہوتا۔ یہ دیکھتے تو نہیں مگر دوسروں کو اندھا کر دیتے ہیں۔ باغ و بہار میں بیٹھے شخص کو پتے جھڑا میں لاکھڑا کر دیتے ہیں، خواہش کی پیاس کی اذیت سے گزارتے ہیں۔ منزل کا پانی مانگتے مانگتے عمر تمام ہونے کو آئے مگر یہ ترس نہ کھائیں۔ اگر خواب انسان ہوتے تو فرعون نمرود کا ذکر نہ ہوتا جتنے بھی ظالم گزرے ان کو کوئی یاد نہ کرتا، جب بھی مثال دینی ہوتی ظالم خوابوں کی دی جاتی۔
میرے خواب مجھے کس موڑ پر لے آئے ہیں۔ میں اب کیسے کہوں بھیا کو۔۔۔ کوئی دکھتا تو بھیا سے مزید درخواست کر لیتا۔ مگر اب کیا حاصل۔۔۔۔۔ مایوسی کے بادل دل پر بسیرا کر رہے ہیں۔ دل کو ہر چیز بری لگنے لگی ہے۔ خواب وہ شے دکھاتے ہیں جن کا وجود ہی نہیں ہوتا۔

۱۲۵ اگست

آج جب میں ٹی وی شو میں گئی تو وہاں ایڈورٹائزنگ کمپنی کے لیے کچھ لوگ آئے ہوئے تھے۔ ایک صاحب تو جیسے مجھے پہلی بار دیکھ رہے تھے۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو میں نے پوچھا

فیس بک پر اسی فلاسفر کی ریکویسٹ آئی ہوئی ہے۔ یوں تو ہر کسی کو اندھا دھن ایڈ کر لیتی ہوں مگر سچانے کیوں رومان علی پر نظر پڑی تو نام جانا سا لگا میں نے ڈی پی کھولی تو اسکی فلاسفی یاد آنے لگی۔ میں رک گئی تھی۔۔۔ مجھے تو خطرناک لگنے لگا ہے۔ میں ناٹ ناؤ کر دوں۔؟ نہیں اگر میں نے ایسا کیا تو میں اس کی فلاسفی نہیں جان پاؤں گی۔ مجھے ان باتوں کا مقصد جانتا ہے کفر اور امید کا کیا چکر تھا آخر۔۔۔ یہ سب جاننے کے لیے میں اسکی ریکویسٹ ایکسپٹ کر رہی ہوں۔ زیادہ تنگ کیا تو بلاک کر دوں گی۔

☆☆☆☆

۳۰ اگست

میری ریکویسٹ ایکسپٹ کرنے کے بعد نہ جانے وہ کہاں چلی گئی۔ فیس بک پر آتی ہی نہیں۔ میں ہر بار فیس بک اس امید سے کھولتا ہوں شاید اب اسکا رپلائی آیا ہو مگر ناکام لوٹتا ہوں۔ کیا ہو گیا اسے آخر جو آن لائن نہیں آتی۔ اتنی بڑی ہو گئی کیا آجکل تو ہر میڈیا پرسن فیس بک استعمال کرتا ہے اور باقاعدہ کرتا ہے، اگر نہ کرے تو اس کے پرستار کم ہونے لگتے ہیں۔ پھر وہ کیوں نہیں آتی خدا نخواستہ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اسکی۔ اللہ خیر کرے

۳۰ اگست

شیخو کی بیٹی کے ساتھ جو ہوا وہ تو نا قابل بیان ہے۔ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں مجھے تو یقین نہیں آ رہا، اسکی بیٹی کو اس لیے نکاح کے بعد طلاق دے دی گئی کیونکہ ماں باپ سونے کا زپور نہیں خرید سکے اور چاندی پہن رکھی تھی۔ لوگ ایسے کیوں ہیں۔؟ اس دن کے بعد کہیں جی ہی نہیں لگ رہا۔ لوگ بے چین کیوں ہیں۔ شیخو کی بیٹی خوبصورت اور گروالی ہے، شیخو نے محنت مزدوری کر کے اسے بی اے کروایا۔ گھرداری کے خواب دیکھنے والی اسماء کا کیا قصور تھا۔؟ اس کے ان خوابوں کا کیا قصور تھا جو پاکیزہ تھے اتنے صاف شفاف کہ جیسے موتی ہوں، اس نے جنہیں غربت کی سٹی میں پکا کر تیار کیا تھا۔ ایک ایک پل زندگی کا وقف کر کے اس نے جنہیں سجا کر تیار کیا تھا مگر خریدار یوں نے اسے تھکڑا کر مار کر چل دیے جیسے وہ بکاؤ ہی نہیں۔ ہاں وہ بکاؤ نہیں تھے خواب کبھی بکاؤ نہیں ہوتے اور خصوصاً وہ خواب جو ایمانداری اور خلوص سے تر ہوں۔ اسماء کے ساتھ جو ہوا وہ میرے لیے بھولنا بہت مشکل ہے۔ میں اس دن شیخو کے گھر اس کے کہنے پر گئی تھی۔ اس نے مجھے خصوصی دعوت دی تو میں چلی گئی۔ تھوڑی لیٹ ہو گئی تھی میرے پہنچنے سے پہلے طلاق ہو چکی تھی۔ میں جب داخل ہوئی تو ماتم کا سماں تھا۔ اسماء کونے میں یوں بیٹھی تھی جیسے زندہ لاش۔۔۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا مگر آنکھیں پتھر بنی ہوئی تھی اور لب خاموش۔۔۔۔۔۔

اس دن کے بعد تین چار دن گزر گئے دل ہی نہیں کیا کہ کچھ کروں۔

۲ ستمبر

وہ جانتی نہیں شاید انتظار کتنا تکلیف دہ ہو رہا ہے۔ انتظار انسان کا وجود لہو لہان کر دیتا ہے، دل کرچیاں بن جاتا ہے، انتظار انسان کو خاموشی کے سمندر میں اتار دیتا ہے۔ میری بھی یہی کیفیت ہے کچھ دنوں سے میں بھی اس قدر چپ ہو گیا ہوں کہ گھر والے سب پریشان ہو رہے ہیں۔ بھیا بھا بھی مسلسل سوالات کر رہے ہیں مگر میں کیا جواب دوں۔۔۔

۲ ستمبر

اب سوچ رہی ہوں کل سے کام کی طرف دوبارہ گامزن ہو جاؤں۔۔۔ کب تک اس دنیا کے دکھوں کا سوگ منائے بیٹھی رہوں گی۔ اگر میں آج نہیں قدم اٹھاؤں گی تو میں بھی اس کی زد میں آ جاؤں گی۔ میں نے تو دنیا کو راستہ دکھانا تھا اس طرح تو میں خود کو ہی ختم کر ڈالوں گی۔۔۔ نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ میں دوبارہ لائف کی طرف آؤں گی یوں آؤں گی کہ کسی کو علم ہی نہ ہو سکے کہ میرے دل میں کیا چل رہا ہے۔ مجھے دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے منافقت کا روپ اپنانا پڑے گا۔

۳ ستمبر

لبے انتظار کے بعد بالآخر اس نے رپلائی کر ہی ڈالا میں بہت ہی زیادہ خوش ہوں۔ آج کا دن مجھے عید کی مانند لگ رہا ہے۔ مجھے ایسے لگ رہا ہے جیسے مجھے کھوئی ہوئی شے دوبارہ مل گئی ہو۔ ہجر کے بعد وصل کا احساس یوں ہوتا ہے جیسے آپ نے عمر دوزخ میں گزار لی اور جنت کا نام سنتے ہیں تپش کم لگنے لگتی ہے۔ اس نے زیادہ بات تو نہیں کی۔ سلام دعا ہوئی پھر پوچھنے لگی۔

”امید اور کفر کی فلاسفی کیا تھی جو میرے چہرے پر لکھی ہے۔۔۔“ میں نے اس کا پیغام پڑا اور سوچ میں ڈوب گیا سچ بتلایا جائے یا نہیں۔ پھر سوچا ابھی نہیں کچھ وقت اس سے دوسری باتیں کرنی جائیں

”یوں ہی۔۔۔ آپ ٹینشن نہ لیں۔۔۔“ میں نے رپلائی میں لکھا۔

”گہری باتیں یوں ہی نہیں ہو جایا کرتی ہیں۔۔۔“ اس نے مسکراہٹ کے نشان سے ساتھ جواب بھیجا تھا

”کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو وقت پر ہی اچھی لگتی ہیں جب وقت آئے گا تو آپ کو بتا دوں گا۔“

”آپ وہ وقت بتادیں جب میں پوچھنے آ جاؤں، مجھے عجیب الجھا کر رکھا ہوا ہے آپ کی فلاسفی نے۔۔۔“ اس کا جواب پڑھ میں مزید سوچ کی کھائی میں اترتا گیا۔

”انشاء اللہ جلد بتاؤں گا اطمینان رکھیے۔۔۔“ میں نے پیغام سینڈ کیا اور اس نے واپسی میں پسند (لائک) کا نشان رپلائی کیا تھا۔

میں نے اس سے مزید بہت کچھ پوچھنا تھا مگر ہاتھ روک لیے۔ سوچا رومی میاں اسی کو عنایت سمجھ ایک ہی دن سب کچھ پوچھنے لگ گیا تو اگلے دن وہ گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔

۵ ستمبر

عجب لڑکا ہے وہ۔۔۔ نجانے کس دن کا انتظار کروا رہا ہے۔ بھلا ایک بات بتانے کے لیے بھی کوئی انتظار کرواتا ہے۔ بڑے بڑے عجیب لوگ دیکھے مگر اس سائمنس۔ تین دن سے بات کر رہا ہے۔ ہیلو ہائے حال چال کے بعد چپ ہو جاتا ہے۔ کئی بار میں چاہ رہی ہوں کوئی چیٹنگ کرے کیونکہ بور ہو رہی ہوں مگر وہ نہیں کرتا۔ اس کا یوں ہاتھ کھینچ لینا کس طرف اشارہ ہے۔ چالاکی سے کام لے رہا ہے یا واقعی وہ کوئی اچھا انسان ہے۔ خیر مجھے کیا۔؟ میرا کیا لینا دینا اس سے۔؟ میں کیوں اسے اتنا سوچنے لگی۔ کبھی کبھی اپنی بے وقوفی پر میں خود ہی حیران ہوتی رہتی ہوں۔

۱۰ ستمبر

آج تو وہ کھل کر سامنے آئی گیا۔ میں تو پیغام دیکھ کر ہنسی بکی رہ گئی۔

”ہیلو۔۔۔ میں آپ سے صاف کہہ دینا چاہتا ہوں میرے خوابوں میں آپ جانے کب سے تھیں۔۔۔ میں نے آپ کو دیکھا تو یوں لگا جیسے میں آپ کو جانے کب سے جانتا ہوں۔ اس سے قبل ایک رات میں شدید مایوسی کا شکار تھا۔ میں نے سوچ رکھا تھا شاید میرے خوابوں جیسی کوئی خدا تعالیٰ نے بنائی ہی نہیں۔۔۔ میں آپ سے کہہ دینا چاہتا ہوں جانے آپ برا منائیں گی یا آپ کا رزی ایکشن کیا ہوگا مگر حقیقت یہی ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میری محبت کو ٹھکرانا آپ کا حق ہے مگر میری محبت پہ شک نہ کرنا، میری محبت پاکیزہ اور شفاف ہے بالکل سوتی جیسی چمکتی ہوئی۔۔۔ آپ کہیں گی میں اپنے منہ مٹھو بن رہا ہوں مگر میں اپنی تعریف نہیں کر رہا آپ کے لیے ملنے والے اس احساس کی تعریف کر رہا ہوں جسے میں محبت کا نام دے رہا ہوں۔ آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ مجھے ضرور بتائیے گا کیا آپ کو میری محبت قبول ہے۔؟ آپ امید اور کفر کا فلسفہ پوچھتی ہیں تو مجھے آپ کے ملنے کی امید ہے اور نہ ملی تو مایوسی جیسا کفر کر بیٹھوں گا“

میں اس کا پیغام پڑھتے ہی حواس باختہ ہو گئی تھی۔ سوشل میڈیا کو چھوڑ کر سوچوں کی دلدل میں یوں پھنس گئی کہ باہر ہی نہیں آیا جا رہا ہے۔ کیا جواب دوں۔؟ محبت کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں۔

۱۰ ستمبر

نجانے کیا جواب دے گی وہ۔۔۔ اس کا رد عمل کیا ہوگا۔؟ اس نے مجھے جواب بھی نہیں دیا سمن کر کے چلی گئی تھی۔ شاید مجھے کتنا ہی برا تصور کر رہی ہوگی یا پھر ہو سکتا ہے اس کے لیے نئی بات ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کوئی مجھ سے زیادہ چاہنے والا اسکے پاس ہو۔ اور اللہ اب نجانے کیا جواب دے گی۔ میرا تو دل کانپ رہا ہے۔ اگر اس نے نہ کر دی تو میں تو جیتے جی مر جاؤں گا۔ میرے سپنے چور چور ہو جائیں گے۔ نجانے اس کا کیا جواب ہو۔؟

۱۱ ستمبر

میں نے بہت سوچا مگر میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اسے نہ کر دی جائے۔ مجھے دنیا کے ہتھکنڈوں کے آگے نہیں آنا۔ دنیا جو چاہ

رہی ہے کہ میں اسی کی ہو کر رہ جاؤں اور کٹھ پتلی بن کر حیروں میں ایسا نہیں چاہتی اس لیے اس کو انکار کا بیج بھیج دیا مگر نجانے کیوں اس نے کوئی شکوہ نہیں کیا خاموش رہا کوئی جواب نہ دیا۔ اسکا یہ عمل مجھے اندر اندر چھبے جا رہا ہے جیسے میں نے اس کے ساتھ کتنی زیادتی کر دی ہو، یقیناً اس کا دل دکھا ہوگا۔ مجھے عجیب سی الجھن ہو رہی ہے کہ میرا چہرہ صبح سے اترا ہوا ہے۔ مکی ڈیڈی یوں تو اپنے کام میں اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ انہیں احساس نہیں ہوتا کوئی مر رہا یا جی رہا پھر بھی انہوں نے نوٹس لے لیا۔ ایسی بھی کیا بات ہے جو دل کو اتنا جھٹلائے جا رہی ہے۔ کہیں مجھے بھی اس سے محبت تو نہیں ہوگئی۔ نہیں۔۔۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔ مجھے ان لیلیٰ مجنوح، ہیرا رانجا والے قصوں میں نہیں پڑنا۔ لیکن میں سنگدل کیسے بن سکتی ہوں۔ میں می جیسی حرکت نہیں کروں گی۔

۱۲ ستمبر

میں نے فیس بک ڈی ایکٹیوٹ کر دی ہے بھلا کیا رکھ کرنا کر ایسے اکاؤنٹکو جہاں اسے بار بار دیکھ کر دل میں ہول اٹھیں۔ اس نے انکار کر کے مجھے جیتے جی مار ڈالا ہے۔ اس کا حق بنتا ہے کہ وہ کیسے بھی فیصلہ کرے اسکی اپنی زندگی ہے۔ اسے جینے کا حق ہے اور ویسے بھی مجھ میں ایسا کیا کہ وہ مجھے ہی منتخب کرے۔ کیوں کرے۔؟ مجھ میں تو کچھ نہیں ہے گرتو سارے اس میں ہیں۔ اسے بہت اچھا لڑکا چاہیے ہوگا، میں تو برا ہوں۔ اب تو خود سے شدید نفرت ہو رہی ہے۔ دل چاہتا ہے مر جاؤں۔ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو کب کا موت کو سینے لگا چکا ہوتا۔ مگر مجھ سے کوئی محبت نہیں کرتا ایک اللہ کی ذات ہے جو میرے ساتھ رہتی ہے۔ دنیا کی ساری محبتیں جھوٹی ہو سکتی ہیں اس ذات کی نہیں۔ اب میں اسی ذات سے ہی محبت کروں گا صرف اور صرف اسی سے۔۔۔ ہر محبت مٹ سکتی ہے مگر اللہ کی محبت نہیں مٹتی۔۔۔ ہر محبت کو زوال ہے مگر خدا تعالیٰ کی محبت ہمیشہ عروج پر رہی۔ مجھے چلنا ہوگا اس راستے پر جہاں اللہ چاہتا ہے۔ میرے لیے اللہ کی محبت ہی سب کچھ ہوگی۔ ہاں میں ان خوابوں کو کسی کھنڈر میں دفن آؤں گا جہاں سے کبھی گزر بھی نہ ہو۔ میرے پاس صرف اللہ کی محبت بسیرہ کرے گی۔ یہ سب پانے کے لیے، آگے بڑھنے کے لیے مجھے علم چاہیے ہوگا وہ علم جو میری روح کو تازہ کر دے۔ وہ علم جو میری روح کو سیراب کر دے۔۔۔ میں علم کی تلاش میں نکلوں گا ہاں میں اللہ سے محبت کر دوں گا۔ مجھے خوابوں والی محبت نہیں کرنی، مجھے حقیقی محبت کرنی ہے، جو سچی ہے، جہاں کوئی دھوکہ نہیں کوئی فریب نہیں ہے۔

۱۵ ستمبر

مجھے بیسٹ ماڈلز میں نومینٹ کیا جا رہا ہے اور میں بہت خوش ہوں اتنی خوش ہوں کہ خوشی سنبھالی نہیں جا رہی۔ اب فینز کے ووٹس کی ضرورت ہے مجھے۔۔۔ میں نے سب سے پہلے یہ خبر اپنے ملازم شیخو کو دی وہ بہت خوش ہوا۔ کہتا ہے ”بی بی آپ بہت اچھی ہیں اسی لیے آپ کو کامیابی ملتی ہے۔“ بس سب اسی کی دعائیں ہیں۔ مکی ڈیڈی نے ”کنگریٹس“ کہہ کر بات ہی ختم کر دی۔ ماں باپ ایسے ہوتے ہیں گلے لگاتے ہیں اولاد کی خوشی میں خود کو رنگ لیتے ہیں مگر یہاں تو الٹی گزنگ

بہتی ہے۔ کوئی کسی کو پوچھتا نہیں۔ کبھی کبھی حسرت سی ہوتی ہے اور میرا دل بار بار چلاتا ہے۔ ”کاش میں غریب ہوتی، میرے ماں باپ دو وقت کی روکھی سوکھی کھا کر شکر ادا کرنے والے ہوتے۔“

اس امیری میں کوئی اپنوں کو نہیں پوچھتا تو اللہ کا شکر کون ادا کرنے لگا۔

۱۶ ستمبر

آج ایک عالم صاحب مولانا طارق جمیل کی چھوٹی سی ویڈیو کلپ دیکھی جنکی باتوں نے مجھے لرزا کر رکھ دیا تھا کہتے تھے۔

”اسے بلاؤ جو سوتا نہیں، اسے بلاؤ جو اونگھتا نہیں، اسے بلاؤ ڈرتا نہیں، اسے بلاؤ جو دبتا نہیں، اسے بلاؤ جو گھبراتا نہیں، اسے بلاؤ جس کے لشکر ہی حد نہیں، جسکی ذات کی حد نہیں، جسکی طاقت کی حد نہیں، جسکے خزانوں کی حد نہیں، جس کی وقت کی حد نہیں، جسکے ملک کی حد نہیں، جسکی شاہی کی حد نہیں، جسکی کبرائی کی حد نہیں، جسکی عظمت کی حد نہیں، جسکی ہیبت کی حد نہیں، جسکے جاہ و جلال کو سوال نہیں، جسکی ذات کو موت نہیں، جسکی ذات کو حاجت ضرورت نہیں، وہ کون ہے وہ اللہ ہے وہ کون ہے رحمن ہے وہ کون ہے وہ رحیم ہے وہ کون ہے وہ الملک القدوس ہے وہ کون ہے وہ السلام المؤمن المہتمن ہیوہ کون ہے العزیز الجبار المتکبر وہ کون ہے وہ وہ ہے جو تمہاری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔“ میں دن بھر اس کلپ کو بار بار سنتا رہا ایسا محسوس ہوا جیسے اللہ کو پہلی بار جان رہا ہوں

۱۹ ستمبر

آج میرا موڈ سخت خراب ہے۔ آج آتے ہوئے میں نے ایک ایسے بچے کو دیکھا جو ریسٹورینٹ کے باہر کھڑا روٹی کو ترس رہا تھا، ہر استطاعت رکھنے والا ہنستا کھیلتا، کھاتا پیتا اور چل دیتا کوئی اسے مڑ کر بھی نہ دیکھتا۔ اس کا جی لپچا رہا تھا، ایک دو سے اس نے مانگا تو انہوں نے اس سے نفرت کرتے ہوئے جھڑکا تو وہ سہم گیا تھا۔ مجھے اس پر بہت ترس آیا میں نے اسے کھانا کھلایا اسے پیسے بھی دیے اور اسے گھر بھی چھوڑ دیا۔ اس کے گھر جا کر مجھے بتا چلا وہ یتیم بچہ ہے اور ماں دوسروں کے گھروں میں کام کرتی ہے۔ اس کی ماں کو پتا چلا تو وہ اسی پر غصہ ہونے لگی تھی، خود از گھی ناں، مجھ سے معافیاں بھی مانگ رہی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی وہ خوش ہوئی اور میں آگئی۔ لیکن پھر بھی نجانے کیوں میرا دل سکون میں نہیں۔ جانے کتنے ایسے بچے ہوں گے جنہیں ترسایا جاتا ہے اور ہمارے جیسے اٹنے کٹنے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے۔ پتھر دل دکھنے والے ذلیل لوگ جن کے پاس رحم دنی جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ انسان نہیں درحقیقت حیوان ہیں۔ جو انسان اپنے اندر رحم نہیں رکھتا وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

۱۹ ستمبر

آج اسلام آباد جانے کا اتفاق ہوا وہاں ایک بزرگ ہستی سے ملاقات ہو گئی۔ بڑے پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ ماشاء اللہ ان کی ہستی ہی کمال کی ہے۔ میرے دوست جراز کے قریبی ہیں۔ میں نے جراز سے کہا کہ مجھے حقیقت کی پہچان چاہیے تو

وہ مجھے ان کے پاس لے گیا۔ وہ کمرے میں بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے۔

”اسلام و علیکم!“ جرار کے تعارف کروانے کے بعد میں نے کہا

”وا علیکم اسلام بیٹا بیٹھ جاؤ۔۔“ انہوں نے مجھے اپنے سامنے کرسی پر بیٹھنے کو کہا

”بولو کیا پوچھنا ہے۔؟“ انہوں نے قدرے توقف کے بعد کہا

”بابا میں اللہ کی محبت میں ڈوبنا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا

”اگر تیرا دل اس کے لیے دھڑک اٹھا تو تو محبت سے مالا مال ہو گیا۔“

”لیکن میں فنا ہونا چاہتا ہوں۔“

”محبت تک محدود رہو عشق نہ کر۔۔“ انہوں کی آنکھوں میں نمی تھی

”کیونکہ عشق تیرے بس کا کھیل نہیں ہے۔“

”کیوں باباجی۔۔؟؟“

”کیونکہ عشق میں بڑی آزمائشیں ہیں، معشوق کا یہ کام آسان ہے اسے آزما نہیں جاتا عشق بارہا کا آزما جاتا ہے۔

رابعہ بصری نے ایک بار کہا تھا کہ اللہ مجھے اپنا عاشق بنا لے تو آواز آئی تھی آسمان کی طرف دیکھو رابعہ بصری نے جب اوپر

آنکھ اٹھائی آسمان لہولہاں تھا۔ بتایا گیا کہ عاشق کو عشق میں یوں لہولہاں ہونا پڑتا ہے۔“ باباجی نے بتایا

”اللہ بھی عاشق کی دوری نہیں سہتا کیا۔؟“

”ہاں۔۔“

”اسکا اجر بھی تو ہوتا ہوگا نا۔۔“

”بہت بڑا اجر ہے یہ میں بیان نہیں کر سکتا اللہ ہی جانے اپنے عاشقوں کی منزلوں کو جانے لیکن عاشق جب پل صراط سے

گزرے گا تو دوزخ کے لیے جلدی گزر کہیں میں ٹھنڈی نہ ہو جاؤ کہ میں گناہگاروں کو سزا نہ دے سکوں۔۔“

باباجی کی باتیں مجھے اللہ کے اور نزدیک لے گئیں ہیں۔ کیا ہوگا اس عشق میں چھلنی ہی ہونا ہے تو ہونے دو، جان ویسے بھی

اس کی دی ہوئی ہے اس کے لیے چلی گئی تو کیا ہو۔ پڑھوں گا میں اسکی کتاب کو جانوں گا وہ مجھ سے کیا کہتا ہے اس کے

رسول ﷺ کی کتابوں کو انہوں نے کیا سکھلایا پھر جانوں گا ان عاشقوں کو جو فنا ہوئے اس کے لیے کیوں اور کیسے۔۔۔

۲۰ ستمبر

آج رات میں نے خواب دیکھا۔ ایسا خواب پہلے نہیں دیکھا کبھی بھی، میں نے دیکھا میں صالحین کی محفل میں بیٹھی ہوں

اور وہ مجھے طرح طرح کے وظیفے بتا رہے ہیں کہ یہ پڑھا کرو یوں پڑھا کرو اس وقت پڑھا کرو۔ میں بہت خوش

تھی۔ میرے چہرے پر نور ہی نور تھا۔ پھر میرا جانا خانہ کعبہ ہوا میں نے طواف کیا اور دعا کی۔ ”یا اللہ مجھے اپنا محبوب بندہ بنا

لے۔۔۔“

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی تھی۔ میں نے شوٹنگ کے وقت اپنے کیمرہ میں سے ذکر کیا تو وہ کہنے لگا ”تمہارا دل اب شاید یہاں نہ لگے، کچھ عرصہ ہو یہاں چھوڑ دو تم سب۔۔۔“ مجھے سمجھ نہیں آئی میں ایسا کیا کر رہی ہوں جو برا ہو۔ میں بد کرداری تھوڑی کر رہی ہوں پھر کیوں چھوڑ دوں گی یہ تو سوشل لائف ہے نا۔

آج نجانے کیوں مجھے رومان بہت یاد آ رہا ہے حالانکہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر بھی وہ میرے ذہن پر چھایا سا ہے۔

۲۰ ستمبر

قرآن کا سز لینے کے میں نے آج قدم بڑھایا ہے میں بہت خوش ہوں۔ میں جان سکوں اس علم کو جو خدا نے ہمیں دیا ہے مگر ہم غافل ہیں۔

عشق دم جبرئیل، عشق دل مصطفیٰ

عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

قرآن میں کتنا چین ہے وہ چین جو روح روح تک ٹھنڈک پہنچا دیتا ہے۔ باباجی نے اس دن مجھ سے کہا تھا ”جیسے جسم کی خوراک کھانا پینا ہے ایسے روح کی خوراک عبادت ہے اللہ کا ذکر ہے، یہ جب بھوکی ہوتی ہے تو یہ چلاتی ہے اور آج کا نوجوان احمق اسے کبھی شراب سے چپ کر واتا ہے اور کبھی موسیقی پر ناچ کر بھلا ایسے کبھی روح سیراب ہوتی ہے۔“

قرآن میں آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔ اللہ پاک نے اپنے ذکر کو اتنی خوبصورتی سے بیان کیا جو بیاں نہیں کیا جاسکتا۔ آج میں تفسیر اور تجوید کی کلاس لینے کے بعد سمندر کی طرف نکل پڑا۔ میری نظر سمندر میں موجود مچھلیوں اور دیگر آبی جانوروں پر پڑی تو میری زبان سے بے اختیار نکلا۔ الحمد للہ رب العالمین۔۔۔ بے شک تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ میری نگاہوں کے سامنے معلم کی تمام باتیں گھوم گئیں انہوں نے کہا تھا۔۔۔ ”اللہ کے جہانوں کی تعداد ہم نہیں جانتے وہ لا تعداد ہیں، وہ اللہ بہتر جانتا ہے۔“

ہم آج تک یہی سمجھتے رہے ہم ہی ہیں سب کچھ بس۔۔۔ اللہ کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں ہے اس کے لیے لا تعداد عالم ہیں جو اسکی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

۲۱ ستمبر

میرے اندر ایک بے چینی ہی کیوں ہے نجانے کیوں۔؟ ابھی پارٹی سے آرہی ہوں۔ خوب ہلہ گلہ گیا مگر اضطرابی ہی کیوں ہے۔ جیسے میرا کچھ کھو گیا ہے۔ موسیقی سننے کو بھی جی نہیں چاہ رہا جانے کیوں ایسا ہو رہا ہے۔؟ ایک ہیلن اندر ہی اندر مجھے

تنگ کیے جا رہی ہے۔ ایک عجب سی کمی ہے۔ کیا ہو رہا ہے حالانکہ پرسوں میرا ایوارڈ شو ہے مجھے پورا یقین ہے میں ہی جیتوں گی پھر بھی ایکسٹ منٹ نہیں ہے۔ میں کتنی خوش تھی جانے کیوں خوشی کے سارے آثار کہیں کھو گئے۔ ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کچھ خاص ہی نہیں ہے۔ میں نے ایک ماہ میں شہرت کی بلندیوں کو چھو لیا اور پھر بھی میں مطمئن نہیں ہو رہی ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ یہ بے سبب الجھن کیوں ہے؟

۲۱ ستمبر

قرآن پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اللہ مجھ سے ہی باتیں کر رہا ہو میری بات کر رہا ہو۔ مجھے افسوس ہے اس بات کا کہ میں نے اتنا عرصہ غفلت میں گزار دیا تھا۔ ہم نے قرآن محض قسمیں اٹھانے کے لیے ہی رکھے ہوتے ہیں یا پھر پڑھ بھی لیے تو محض عبارت پڑھ لی ثواب کی نیت سے۔۔۔ یہ ٹھیک ہے ثواب اللہ نے ایک ایک لفظ میں رکھا ہے مگر یہ بھی تو جاننا چاہیے

ناں کہ آخر اللہ کہنا کیا چاہتا ہے۔؟ کبھی ہم جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے اللہ کیا کہنا چاہتا ہے ہماری کوشش ہوتی ہے بس اللہ جان لے کہ ہم کیا چاہتا ہے۔

اللہ کہتا ہے نانا بے شک میں تمہارے لیے آیتیں بھول بھول کر بیان کرتا ہوں پھر ہم کیوں غافل ہیں حالانکہ ہدایت قرآن میں ہی ہے۔ میری آج ایک شخص سے ملاقات ہوئی، چالیس کے لگ بھگ کا وہ آدمی تھا۔ وہ سڑک کے کنارے بیٹھا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھا تو اہل کے پاس پہنچ گیا۔

”ارے بھائی صاحب کیا ہو گیا آپ کو؟“ میں نے پوچھا۔
 ”ارے بھائی صاحب اچھا بھلا تھا میں ایسے ہی کچھ ڈراؤنے سے خواب آنے لگے تھے تو میں ایک عامل کے پاس چل دیا اس نے پھونکیں مار مار کر میری ہڈیوں میں درد کر دیا ہے۔ میں ڈاکٹر سے مرض لے کر آ رہا ہوں۔۔۔“ اس پر کچھ طاری تھی
 ”کوئی اللہ والا تھا۔۔۔“

”میں کیا جانوں،،، بس مجھے بٹھا کر پھونکیں مارتا رہا اور میرے جوڑ جوڑ ٹوٹ گئے جیسے۔۔۔“
 ”جب جانتے نہیں ہیں تو پھر ایسے عاملوں کے پاس کیوں جاتے ہیں جو جنات کے زور سے آپکے وجود کو نہ صرف چھانی کر دیتے ہیں بلکہ آپ کے عقیدے کو بھی کمزور بنا دیتے ہیں۔“ میری باتیں سن کر اس کے ماتھے پر شکن پڑے تھے
 ”اب جو ہونا تھا کر دیا کچھ ایسا کرو میں ٹھیک ہو جاؤں۔۔۔“ میں نے اس پر سورت فاتحہ پڑھ کر پھونکی اور وہ بہتر محسوس کرنے لگا۔

”کیا جادو کر ڈالا تم نے بھائی میں تو سوچ رہا تھا آج شاید زندگی کا آخری دن ہے۔“ وہ حیران ہوا تھا
 ”سورت الفاتحہ وہ سورت ہے جسے ام القرآن بھی کہا جاتا ہے اور رقیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اسے پڑھ کر خود پر دم کیا جائے تو

اللہ پاک شفا دیتے ہیں۔ ہم ہیں کہ کسی جعلی عامل کے پاس جا کر سب کچھ گنوا آئیں گے مگر اتنا نہیں کہ اللہ کو خود پکار لیں۔ کہتے ہیں جب حضرت ابو سعیدؓ نے سانپ کے کانٹے ہوئے شخص پر اس کو دم کیا تو وہ اچھا ہو گیا تب حضور ﷺ نے ان سے فرمایا ”تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ رقیہ ہے یعنی پڑھ کر پھونکنے کی سورت ہے۔“ میں نے کہا۔ اس نے میرا بہت شکر یہ ادا کیا اور دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا، اس کے بعد وہ گھر چلا گیا اور میں بھی گھر کی طرف مڑ آیا۔

آج بھیا اور بھیا بھی نے میرے لیے لڑکی دیکھ لی ہے۔ کل مجھے دیکھنے کے لیے جانا ہے۔ میں نے کہا بھی جیسی بھی ہوئی کر لوں گا مگر بھیا اسلام بیچ میں لے آئے کہنے لگے۔ اسلام ہی تمہیں اجازت دیتا ہے کہ تم اسے ایک نظر دیکھ لو۔ میں ان کی بات سن کر چپ ہو گیا۔

۲۳ ستمبر

جانے کیوں اداسی بڑھتی ہی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ گھٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ آخر کیا ہوا جو میرے دل میں اک ارماں سا پلنے لگا ہے، حسرت سی محسوس ہونے لگی ہے جیسے میرے ہاتھ سے کچھ چھوٹ رہا ہے۔ سانسوں میں اضطراب کا طوفان کیوں اٹھا ہوا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے برسوں سے کوئی میرے ساتھ رہا اور آخر میرا ساتھ چھوٹنے لگا ہے۔ ایسا احساس پہلے تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ ایسے تو میں پہلے کبھی چپ نہیں ہوئی۔ آج تو شیخو بھی بار بار پوچھ رہا تھا۔ ”بی بی جی آپ اتنی خاموش کیوں

ہیں۔؟“ می ڈیڈی بھی بار بار یہی سوال کرتے ہیں اور میں مزید الجھ جاتی ہوں۔ اس سوال کا کیا جواب دیا جائے جس جواب کو میں خود تلاش کر رہی ہوں۔ بچپن سے لے کر آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کل میرا ایوارڈ شو بھی ہے مجھے ہارنے کا ڈر ہے نہ جیتنے کی خوشی۔۔۔ کیوں۔؟

۔۔۔ سمجھ میں نہ آئے یہ کیا ماجرا ہے

تجھے پا کے دل میں یہ خالی سا کیا ہے

۲۳ ستمبر

لو جی ہو گیا انکار۔۔۔ میری جانب سے نہیں لڑکی والوں کی جانب سے۔۔۔ میں جب ان کے گھر بھیا اور بھیا بھی کے ساتھ پہنچا تھا حالانکہ پینٹ شرٹ پہن کر گیا تا کہ یہ نہ کہیں بالکل ہی مولوی ہے پھر بھی سب مجھے چھتی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ گھر والوں نے جب یہ جانا کہ میں دین سیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں تو انہوں نے منہ موڑ لیا۔ لڑکی کو دیکھنے کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔

”ہمیں داڑھی والا داماد نہیں چاہیے۔۔۔ ایسے لوگ غورتوں کو خوش نہیں رکھتے۔۔۔“ لڑکی کی ماں اکھڑے ہوئے لہجے میں

ہوتی گی۔

آجکل کے دور کے ہیں سوچ بھی ان کی آج کل ہی کی ہے۔ ہر داڑھی رکھنے والے کو مولوی تصور کر کے اسے دھتکار دیا جاتا ہے۔ یہ ایسا دور ہے جہاں سنت پوری کرنا شیر کے منہ میں ہاتھ دینے کے برابر ہے۔ لوگ ایسے حقارت سے آپ کو دیکھتے ہیں جیسے آپ نے ان کے بھائی کو قتل کر دیا ہو۔ حالانکہ میں نے داڑھی حضور ﷺ کی محبت میں رکھی ان سے عقیدت رکھتے ہوئے رکھی، تاکہ میں کچھ تو حق ادا کر سکوں۔ لوگ ہنتے ہیں تو ہنتے رہیں مجھے اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے، مجھے صرف اتنی غرض رکھنی ہے کہ اللہ مجھ سے خوش ہے یا نہیں۔ باقی اللہ کے عاشقوں سے دنیا کب خوش ہوئی تھی۔ عشق سچا ہو تو دنیا کی پردا نہیں رہتی، منصور کی ایڑھیاں اس قدر پھٹ گئی تھیں کہ چڑیاں بچے نکال کر اڑا لے گئی تھیں اور اسے خبر نہ ہوئی تھی۔ وہ محو تھا اللہ کے ساتھ، اللہ کے عشق میں اس نے خود کو غرق کر رکھا تھا۔ اور جب سولی پر چڑھانے لگے تو قاضی نے کہا اسے اتنی آسانی سے موت نہیں دینی، پہلے بازو کاٹو۔ دایاں بازو کاٹا گیا تو اسے تکلیف نہ ہوئی پھر بائیں بازو کاٹا گیا اس نے ذرہ ملال نہ کیا تو قاضی نے پوچھا۔ تمہیں تکلیف نہیں ہو رہی کیا تمہارے بازو کاٹ دیے گئے اور تم ذرہ تڑپے نہیں تو انہوں نے کہا زلیخا کی سہیلیوں نے یوسف کا حسن دیکھا تو انگلیاں کاٹ لیں تمہیں تو انہیں احساس نہ ہوا تھا، میں تو خدا کو دیکھ رہا ہوں مجھے تکلیف کیسے ہو۔ سچے عاشق کو کافر بنا دیا گیا تھا۔ وہ وہ کافر تھا جس کی توحید کی مثالیں زمانہ دیتا آیا اور دیتا رہے گا۔

بھائی! تو عاشق ہو یا ابنِ رب دا ہو کی ملامت لاک
تینوں کافر کافر آکھدے تو آہوں آہوں آکھ

(باقی آئندہ ماہ انشاء اللہ)



افسانہ وہ جدان عشق

Khushboo Online Digest 0300-7198339

khushboodigest@gmail.com

افسانہ نگار مون کنول۔

چاہیے تھا۔" ماریہ کیوں پیچھے رہتی اس نے بھی مذاق اڑا کر گویا اپنا فرض ادا کیا۔

"کم از کم اپنے کیمپس میں تو تم چہرے سے اپنا یہ پردہ ہٹا سکتی ہو نا۔۔۔" مزید گوہر افشانی کی گئی۔۔۔

عزیز نے چونک کر اپنی سہیلیوں کی طرف دیکھا۔ اور ہمیشہ کی طرح نرمی سے گویا ہوئی۔

"دیکھو میری بہنوں ہم مسلمان لڑکیاں ہیں تو ہمیں صرف نام کی مسلمان نہیں ہونا چاہیے ہماری ظاہریت ہماری باطنیت قول و

افعال سے مسلمان ہونا بھی ضروری ہے اور اللہ نے ہمیں خوبصورتی و دیانت کی ہے تو وہ صرف ہمارے محرموں کے لیے ہے نہ کہ نمائش کے لیے ہے۔"

... اور یاریہ لکھا ہے کہ آپ پردہ کرنے سے انگلش نہیں پڑھ سکتے ہم اور تم جانتی ہو جب پردہ کا حکم آیا تو صحابیات نے خود کو سرتا پاؤں ڈھانپ لیا۔۔۔ اور ہاں ماریہ تم ضرور بہ

ضرور میرے لیے دعا کرو کہ اللہ پاک مجھے مدارس کے لیے قبول کرے میرا شمار اپنے نیک و برگزیدہ بندوں میں کرے۔ تم لوگوں کو بھی چاہیے ان فیکٹ ہر مسلمان مرد و عورت چاہے بوڑھے ہوں یا جوان سب کو دنیاوی فنون کے ساتھ دینی تعلیم سے ہی آگاہی

ضرور حاصل کرنی چاہیے۔ دنیا ایک دن فنا ہو جائیگی جہاں ہم نے

"عزیز میں تمہیں کیا بتاؤں؟ ولید تو مجھ پر اک پل کا اعتبار نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں اگر تمہارا مجھ سے افسیر ہو سکتا تھا تو نجانے تمہارے شادی سے پہلے کس کس سے نا جائز گفتاوت ہوں۔ کہیں آنے جانے پر پابندی۔۔۔ تیار ہونے پر اعتراضات۔ آئے روز کسی معمولی سے معمولی بات پر پیٹ کر رکھ دیتے ہیں نہ بچوں کا خیال نہ میری پردہ۔۔۔ ہر وقت کاشک اور نار پیٹ سے میں تنگ آگئی ہوں۔۔۔۔۔ اچھا اب میں فون رکھتی ہوں دعاں میں یاد رکھنا"

عالیہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

عالیہ کی باتوں کو سوچتے ہوئے ماضی کے لمحات اسکے ذہن میں نمودار ہوئے۔ "یار تم تو پرستان کی پری کشمیر کی شہزادی جیسی ہو۔ اتنی خوبصورت و حسین کہ تمہاری جھیل سے گہری آنگھیں کسی کو بھی تن من سے پاگل کر سکتی ہیں مجھے تو حیرانی ہوتی ہے کہ تمہیں آج تک کسی سے محبت نہ ہوئی ہو۔۔۔ نہیں یاریہ تو ممکن لگتا ہی نہیں کہ

کوئی تمہارے سامنے چاروں شانے چیت نہ ہو اہو"

"ہاں مدیحہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو اگر ہمیں اتنی خوبصورتی ملی ہوتی تو ہم یہ کیوں فلاح جیسا عبا یا کا تکلف نہ کرتے۔" عالیہ نے اسکا زمین کو چھوتے عبا یا کا مذاق اڑایا۔

"بلکل تمہیں ایم۔ اے انگلش نہیں کسی مدرسے میں ماننی ہونا

عمل کرتی ہوں تو وہ مجھے شہادت کے ثواب تک کا رتبہ عطا کرتا ہے"

"تم بھی کر کے دیکھو اس سے محبت وہ دکھ نہیں دیتا . وہ تو ایسی محبت کرتا ہے جس میں نہ ہجر کا عذاب ہے نہ ہی تڑپ و دکھ کے آنسو . وہ محبت جس میں ہر سانس کے ساتھ سکون ہے ... صرف سکون !!... وہ ذات تو قادر مطلق ہے محبت کی اصل حقدار . میرا رب میرا پالنہار تو وہ ہے جو ہر چھوٹے بڑے اور گھٹانے عیب پر بھی کشادہ دلی سے پردہ ڈال دیتا ہے . وہ ہجر کی تپش میں نہیں تڑپاتا لیکن اسکی محبت کے بہا بہرہ شبنم کی مانند ضرور ہوتے ہیں . وہ ابن آدم کی محبت کی طرح نہ تہیم کرتا ہے نہ آگ لگا کر راکھ کرتا ہے . میرے مالک کی محبت نہ ہجر کا ماتم سوچتی ہے نہ رقابت کا جذبہ . اسکی ذات سے محبت نہ راتوں کو تپتے صحرا کی گود میں دکھلتی ہے نہ دن کو جبر کا قبر بنا کر گزارنے پر مجبور کرتی ہے . اس ہستی کی محبت میں فانیت نہیں بلکہ باقیات کا عشق ہے لیکن ہم زمین زادے اپنے جیسوں کی محبت میں پاگل ہو کر اپنے خالق حقیقی کو بھی بہول جاتے ہیں اور وہ خالق رب کتنا عظیم ہے بے نیاز کریم و رحیم ہے ... صرف ایک پکار پر کتنے لاڈ و پیار سے گناہوں میں لعبرے بندھے کو "لبیک یا عبدی" کی صدا سے نوازتا ہے . لیکن یہی عبد اپنی ذات کے غرور کے نشے میں چوراہے ہم نفسوں کو پاؤں کی دھول بنا کر راکھ کر دیتے ہیں . ہمیں اپنے رب کی رحیمی و کریمی کو قبول کرتے ہوئے وار لہقا کی اتنی تو فکر کرنی چاہیے کہ جب موت کے بعد سوال ہو من ربک؟؟ تو ہیبت کبے کی بجائے اللہ ربی کہ پائیں . کل ہم سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ زندگی Thomas Hardy کے فلسفہ

ہمیشہ کیلئے رہنا ہے وہاں کی تیاری کیلئے ہمیں اپنی پوری کوشش کرنی چاہیے وہ تو ایسی دنیا ہوگی کہ جس میں نہ موت ہے نہ آزمائش بس بقا ہے . میں تو صحابیات کی نقل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں اس یقین کے ساتھ کہ میرا رب میرا خالق پوری امت کے ساتھ مجھے بھی حقیقی معنوں میں شریعت کا پابند بنا دے اور یہ جو تم کہہ رہی ہونا کہ میں اپنی خوبصورتی سے کسی کے دل پہ حکومت کر سکتی ہوں تو میری پیاری دوستو اللہ نے مجھے ہر کسی کے دل پہ حکومت اسلام کی سلطنت عطا کر کے دے دی ہے . اور میری خوبصورتی صرف میرے محرم کے لیے ہے . اور میں تو دعا کرتی ہوں کہ اللہ رب العزت اسلام کی ہر بیٹی کو باپردہ و باحیا بنائے . آمین اور ہاں رہی بات محبت کی تو وہ مجھے ہو چکی ہے "

غز مسکراتے ہوئے ذرا سارگی تو سب سہیلیوں نے حیرانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا .

"بتا ہے مجھے کس سے محبت ہوئی ہے ؟ مجھے میرے خالق سے محبت ہو گئی ہے جو میرے گناہوں کو نہیں دیکھتا میری خطاں کو نہیں گنتا مجھے بے حساب نوازتا ہے . اور بس نوازتا ہے . میں جب اس کی طرف ایک قدم اٹھاتی ہوں تو وہ بھاگ کے مجھے اپنی آغوش میں لے لیتا ہے . مجھے اپنا کیف عطا کر کے ہر سو مدد کرتا ہے مجھے میرے اس مالک سے محبت ہوئی ہے جو اللہ ہے . وہ صرف محبت ہے . ازل تا ابد قائم و دائم ہے . تم جانتی ہو جب میں دین اسلام جسے اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پسند کیا . اسکی ایک شریعت پر عمل کرتی ہوں تو وہ مجھے اپنے کرم کی انتہا سے نوازتا ہے . جس کے محبوب کی ایک سنت پر

سالہ بیٹا سے ماضی سے حال میں لوٹا گیا .
 "جی ماما کی جان جا! اللہ تمہیں نفس کے شر سے بچائے . صراطِ مستقیم پر چلائے . جا بیٹے اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے ."
 عزیز نے اپنی جان کے لکڑے کے ماتھے پر بوسہ محبت دے کر دعاں کی چہاں میں رخصت کرتے ہوئے اپنے مجازی خدا کی طرف طمانیت سے مسکرا کر دیکھا اور

اپنے رب کے حضور سجدہ شکر ادا کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی کہ مالکِ حقیقی نے اسے نفس کے شر سے محفوظ رکھا اور اسے اسکی ریاضتوں کا صلہ مخلص شوہر اور نیک اولاد کی صورت عطا کیا .

کوئی ضبط دے نہ جلال دے مجھے صرف اتنا کمال دے
 مجھے اپنی راہ پہ ڈال دے کہ زمانہ میری مثال دے
 تیری رحمتوں کا نزل ہو مجھے محنتوں کا صلہ ملے
 مجھے مال و زر کی ہوس نہ ہو مجھے بس تو رزقِ حلال دے
 میرے ذہن میں تیری فکر ہو میری سانس میں تیرا ذکر ہو
 تیرا خوف میری نجات ہو سہی خوفِ دل سے نکال دے
 تیری بارگاہ میں اسے خدا میری روز و شب ہے یہی دعا
 تو رحیم ہے تو کریم ہے مجھے مشکلوں سے نکال دے

☆.....☆.....☆

حیات کے مطابق گزاری یا Thomas Stern Eliot کو Follow کرتے ہوئے بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ احکامِ الہی پر کتنا سر بہ کیا .. یہ دنیاوی ڈگریاں دنیاوی فنون صرف دنیا تک ہیں . ہمیں اس علم سے آگاہی ہی تو حاصل کرنی چاہئے جو ہمیں ہمارے مالکِ حقیقی سے روشناس کروائے لیکن افسوس ہم انسان دنیا کے دہوکے میں اپنی بیوقوفیوں و جہالت کے باعث اس قدر غلطاں ہو چکے ہیں کہ محبوبِ حقیقی کو بھی بہول چکے ہیں مگر ہم انسانِ نفس کے ہاتھوں زلیل ہوا انسانِ خواہشوں کے پیچھے بہا گئے والا آدم زاد 'فنا کی تڑپ رکھنے والا اشرف المخلوقات' ابو جہل کے انجام سے بے خبر ہو گیا . اور ایک غیر محرم کی چاہ کر کے لاجاصل کے پتے پہا گنا کہاں کی عظمت نڈی ہے؟؟ اگر ہم حقیقی محبت کو پہچان لینگے تو ہمیں مجازی محبت بھی پوری پناہی سے ودیعت ہوگی .

"اففف یار... اب اس دنیا میں آئیں تو کیا انجوائے ہی نہ کریں؟؟ اور دلید کی محبت تو مجھ سے بہت سچی اور خالص ہے" عالیہ نے اک ادا سے اپنے چہرے پہ آتی بالوں کی لٹ کو پیچھے کی طرف کیا

"تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟؟ جبکہ اصل محبت تو پیدا کرنے والے کی محبت ہے . وہ خالق جس کا بخت بڑا شان لازوال 'نہ وہ کارتا ہے' نہ توڑتا ہے .. ایک آنسو 'ایک پکار پر اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیتا ہے . اسکی محبت میں کہوٹ نہیں ہے . اور جب ہم اسے پانے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ ہمیں ضائع نہیں کرتا دنیا کو جنت بنا دیتا ہے" "..... ماما جانی 'ماما جانی' میں بابا کے ساتھ نماز ادا کرنے جا رہا ہوں" "اس کا پانچ



دیکھا جائے تو جہیز تو ایک رواج بن گیا ہے، جب تک بیٹوں کے مان باپ پاس جہیز کا پورا سامان تیار نہیں ہو جاتا وہ پریشان رہتے اور جہیز جمع کرنے کے لیے کسی حد تک بھی جاسکتے یہاں تک کہ اپنا گھر بار، زمین سب یاں تو گر دئی رکھ دیتے یا پھر زمین کا کچھ حصہ بیچ دیتے یاں پھر کسی سے قرضہ لیتے پھر کہیں جا کر وہ بیٹی کی شادی کے بارے میں سوچتے تب تک چاہیے بیٹی کے بالوں میں چاندی اتر آئے اور یہ سب مان باپ اس لیے کرتے تاکہ ان کی بیٹی کو مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے اور وہ اپنے گھر میں سکھ رہے اس کے لے چاہے کچھ بھی کر کے جہیز تیار کرنا ہے پھر چاہے باقی کی ساری زندگی وہ قرضہ اترنے میں لگ جائے، بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا کہ ہود پر قرضہ لے لیتے پھر وہ جھکتے جھکتے کر دہری ہو جاتی پر جہیز ضرور دینا ہے، سوچا جائے تو اس میں ایک بیٹی کے والدین کا بھی کوئی قصور نہیں، اب تو رواج ہی بن گیا ہے کہ اگر ایک بندہ امیر ہے، پیسے والا ہے اور اس نے اپنی بیٹی کو زیادہ سامان دے دیا تو پھر لڑکے والوں کے منہ کھول جاتے ہیں اور وہ زیادہ سامان کی ڈمنز کرتے ہیں اب امیر بندہ تو ڈمنز پوری کر دیتا پر غریب بیچارا چکی میں پیس جاتا ہے، اب تو حالت ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ لڑکے والے جہیز کا تقاضا خود کرتے ہیں۔ گاڑی

شادی ایک خوبصورت بندھن ایک خوبصورت رشتہ، جو نا صرف ود لوگوں کے درمیان میں ہوتا بلکہ دو خاندانوں کے درمیان ہوتا ہے، جب لوگ آپس میں ملتے ہیں تو رشتوں کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے، لوگ آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو ایک دوسرے کے خاندان کو جاننے کا موقع ملتا ہے، پہلے دقتوں میں لوگ پیار محبت سے رشتے جوڑتے تھے اور پیار محبت کو ہی ترجیح دیتے تھے، ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں دل سے شریک ہوتے تھے، ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھ کر مسادوں کا حل تلاش کرتے تھے، بہت سے سکھ دکھ میں شریک ہو کر ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے اور جب کسی بیٹی کی شادی ہوتی تو بیٹی کو ضرورت کی چند چیزیں دیتے اور باخوشی روخصت کرتے، اگر آج سے چودہ سو سال پہلے جائے تو آپ نے بھی جہیز کے نام پر صرف اپنی ایک بیٹی کو ضرورت کی چند اشیا مثلاً جائینماز، کھجور کے پتوں کا بستر، بان کی ایک چارپائی اور چکی کا سامان دیا تھا یہ سامان بھی آپ نے خود کے پاس سے نہیں، یا بلکہ حضرت علی کے پیسوں سے لایا گیا سامان تھا یعنی حضرت علی نے اپنی بیوی کے لیے سامان خود بنایا تھا، آپ نے اپنی کسی بیٹی کو سامان نہیں دیا تھا، اور تب کوئی جہیز کے نام پر سامان لیتا بھی نہیں تھا، اور اگر آج کے وقت میں

سراب

ماویٰ سلطان

قارئین اپنی قیمتی رائے سے ضرور نوازیں

Khushboo Online Digest 0300-7198339

khushboo-edigest@gmail.com

پھر میں تو اپنی روح میں نہیں اتر پائی اور نہ ہی اتر سکتی ہوں۔ عدن بس کرو ایسی باتیں مت کیا کر درات بہت ہو گئی ہے فون بند کرو اور سو جاؤ۔ ساحر کی لاپرواہی اور بے حسی اسے اندر تک توڑ رہی تھی۔ عدن سسک کر رہ گئی ساحر کو تو اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ اسکی زندگی کا سراب ہے۔ پر یہ بات خود کو سمجھانا بہت مشکل ہو گیا تھا آنسو شدت سے اسکی آنکھوں سے بہنے لگے انہوں اشکوں سے وضو کر کے اس نے ذکر کرنا شروع کر دیا اسکے دل اور اسکے دماغ سے بوجھ ہٹنے لگا اور جانے کب اسکی آنکھ لگ گئی۔ کئی سالوں بعد اسکی ماں اسکے خواب میں آئی اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، انہوں نے اسکے بستے آنسوؤں کو اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ اسے سمجھانے لگیں۔ بیٹی سراب کے پیچھے نہیں بھاگتے۔ عدن میری بیٹی قسمت والے ہوتے ہیں جن کو وقت رہتے سراب اور حقیقت کے فرق سے آگہی عطا ہو جاتی ورنہ دنیا کی محبتوں کے جال صرف خود ارادی سے کہاں ٹوٹتے ہیں۔ میری جان میں تیرے پاس نہیں تو کیا ہوا میری دعائیں ہمیشہ تیرے ساتھ ہیں۔ تم ڈرنا تو سکتی ہو پر کبھی گروگی نہیں۔ پھر وہ بولیں اب میری بات غر سے سنو۔۔۔۔۔

”جو ہمیں دور سے یانی لگتا ہے نہ وہ یاں جانے پر ریت بھی ہو

عدن ساحر سے کہہ رہی تھی اور ساحر کے گمان کا بت زمین بوس ہوتا جا رہا تھا۔ آج ساحر نے عدن سے کہا تھا کہ میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے شدید محبت ہے۔ پر ساحر کو شدید جھٹکا لگا جب عدن نے جواباً تردید کرتے ہوئے کہا کہ نہیں۔۔۔ کچھ سانس لینے کی بعد وہ بولی کہ ساحر میں نے کہیں پڑھا تھا ”ہر انسان کو کسی نہ کسی ایک ایسے انسان سے شدید محبت ہوتی ہے جس کا درحقیقت کوئی وجود نہیں ہوتا“ ہاں ساحر مجھے آپ سے محبت نہیں ہے۔ ساحر اپ میری زندگی کا ایک سراب تھے جو حقیقت کہ آئینے میں کوئی عکس نہیں رکھتے، ساحر بولا۔ عدن یہ فضول فلسفہ مت بگارا کرو، پر عدن نے کہا کہ ساحر مجھے آپ سے سچ میں محبت نہیں ہے اور نہ آپکو مجھ سے محبت ہے۔ جسے مجھ سے محبت ہوگی وہ میرے ساتھ زندگی گزارے گا ورنہ نہیں میری روح میں اترے گا اسکا راستہ بس ہو سکتا ہے پر منزل روح ہوگی۔ ساحر قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے بولا عدن تم بھی نہ بلکل پاگل ہو وقت ہی تو ہے۔ زندگی جو ہم پل پل گزار رہے ہیں اور عدن جی آپ نے کہہ تھا۔۔۔!! کہ ساحر اپ میری روح کو چھو گئے ہو۔ ہاں کہا تھا پر جانتے ہو ساحر؟ سراب دور سے حقیقت ہی لگتا جیسے ریت چمکنے پر پانی لگتی ہے اور



ابوآپ اس سال بھی میری سالگرہ بھول گئے۔"

چھ سالہ بیٹے نے شکوہ کیا۔

کب سے بیوی بچوں کے ساتھ وقت نہیں گزارا، روزگار کے چکر میں گھن چکر بن بیٹھا ہوں۔

یا سرنے یا سیت سے سو جا۔

"ہیلو!"

بیگم شام جلدی گھر آ جاؤں گا... کھانا اور تفریح کریں گے اپنے جگر گوشے کے ساتھ۔"

"سو نو!... تمہارے ابو کا فون تھا... آج شام ہم گھومنے

جا بیٹے!"

گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

انتظار کرتے شام سے رات ہو چلی تھی کہ

اچانک!!

درد از سے کی دستک نے خوشی دیدنی کر دی۔

"آہا..... ابو آ گئے۔"

لیکن!!! گلے لمحے ایسوی لینس کے سائرن نے فضا چیر کر رکھ

دی... ابو آ گئے تھے... لیکن خاموش.... پھر کبھی واپس نہ آنے

کیلئے..... ختم شد۔

سکتی اب یہ تم پر ہے کے اپنی زندگی کے اس سراب میں سے تم پانی چنتی ہو یا ریت "میرا مشورہ یہی ہے میری بیٹی پانی کو پینے اور ہتھیلیوں میں سمیٹ کر رب کے سپرد کر دے۔ ریت چنو گی تو ذرا ذرا سی بے یقینی کی ہواں کی زد میں رہو گی پھر میری دعائیں بھی تمہیں نہیں سمیٹ پائیں گی۔ بس اب چپ ہو جاؤ نہیں۔ پتا ہے جو ٹوٹتے ہیں نہ وہ رب کے مقرب ہونے کے اہل ہو جاتے ہیں۔ خود کو بکھرنے مست و جڑ جا اس ذات پاک سے۔ پھر کوئی سراب نہیں آئے گا صرف اور صرف محبت کا نور ہو گا اور میری عدن کی روح قرار پا جائے گی سب بت ٹوٹ جائیں گے اور دیار دل میں وہی رہ جائے گا جس کا یہ گھر ہے۔ آنکھ کھلی تو عصر کا وقت ہو رہا تھا وہ کافی دیر سوتی رہی تھی پھر اٹھتے ہی اسے آنکھوں کی نمی کے ساتھ ساتھ ماں کے ہاتھوں کا لمس بھی اپنے چہرے پہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے دماغ بادل، رُوح اور آنکھوں میں سکون ہی سکون تھا اس نے اب کو جن لیا تھا اور سب سراب کہیں بہت پیچھے رہ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆.....☆

دوست ہو یا پرندہ دونوں کو آزاد
چھوڑ دو لوٹ آیا تو تمہارا نہ لوٹ
کے آیا تو تمہارا کبھی تھا ہی نہیں۔



محبت ہو تو ایسی ہو

از قلم سید عزیز فاطمہ ملتان

Khushboo Online Digest 0300-7198339

khushboodigest@gmail.com

لاہریری کارڈ وہیں بھول آئی -

"روم مقدس" صارم یہ کہنے کے بعد اب مقدس کے سامنے موجود تھا۔ "یہ لیجئے مقدس آپ کی کتابیں دو آپ کے اور دو میرے کارڈ پریل گئی ہیں۔" صارم نے مقدس کا لاہریری کارڈ اور چاروں کتابیں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بہت شکریہ" مقدس یہ کہنے کے بعد ہمیشہ کی طرح بنا بات کو طویل کیے آگے بڑھ گئی۔

صارم نام کا فرشتہ اس کی مشکلات کو اکثر دور کرنے لگا تھا مگر وہ ہی طبقاتی کشمکش درمیان میں حائل ہو جاتی ہے جس کی بدولت بہت سی محبت کی داستانیں ہمیشہ کے لیے ادھوری رہ جاتی ہیں۔

ان کبے الفاظ کا کرب انہیں گوریمک کی طرح کھا جاتا ہے۔ مقدس اب یہ ہی دعا کرتی تھی کہ جس صواب سے وہ گزر رہی ہے اس کا سامنا کبھی بھی صارم کو نا کرنا پڑے۔ وہ ہمیشہ یوں ہی بنتا مسکراتا رہے۔ غم اسے چھو کر بھی نا گزریں۔ "مقدس آپنی آج آپ نے دیر کر دی آنے میں۔ کھانا تیار ہے کھا لیجئے۔" مقدس کی چھوٹی بہن نے ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوئے اپنی آپنی کا استقبال کیا تھا۔

"تم کھا لو گڑیا۔ مجھے آج بھوک نہیں ہے۔" مقدس نے کتابیں

محبت کو اگر ایک بار دل میں پناہ دے دی جائے تو پھر وہ ساری عمر انسان کا پیچھا کرتی ہے۔ انسان فسطول میں موت کا مزہ چکھتا ہے۔ محبت اگر حسین ہے تو اضطراب بھی بخشی ہے اگر راحت ہے تو روح کو چھانی بھی کرتی ہے۔

آج مقدس نے ہر صورت میں اپنے نوٹس مکمل کرنے سے اوجھڑ گھر میں کوئی نا کوئی کم اسے گھیرے رکھتا تھا۔ لاہریری کے کھلتے ہی اس نے شکر ادا کیا اور یہ دیکھ کر زیادہ خوشی محسوس ہوئی کہ جن چار کتابوں کی اسے اشد ضرورت تھی وہ سامنے ہی موجود تھیں لیکن یہ سنتے ہی اس کے سر پر تو جیسے پہاڑ ہی ٹوٹ پڑا کہ ایک وقت میں ایک ساتھ چار کتابیں ایٹھ نہیں ہوتی ہیں۔

"آپ ایسا مت کہیں پلیز اتنی مہنگی کتابیں میں مارکیٹ سے نہیں خرید سکتی ہوں۔" مقدس کی آنکھوں میں یہ کہتے ہی آنسو آ گئے۔

"کیا بات ہے مقدس؟" مقدس کو اپنے عقب سے صارم کی آواز آئی۔

"کچھ نہیں بس مجھے کتابوں کی ضرورت تھی خیر کوئی بات نہیں۔"

مقدس یہ کہنے کے بعد لاہریری سے باہر آ گئی لیکن جلدی میں اپنا

ٹھیل پر رکھ دیں اور آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔
مقدس اور نورین دو بہنیں تھیں۔ والد کا قریب ہی ایک جنرل
مشور تھا۔ نورین پرائیویٹ بی اے کر رہی تھی جبکہ مقدس ایم۔
اے انگلش کے فائنل ایئر میں تھی۔

آج یونیورسٹی میں گہما گہمی تھی لاہور کے تفریحی مقامات کی سیر
اور ٹرپ کی خوشی ہر کسی کے چہرے پر دیکھی جاسکتی تھی۔

"مقدس آپ نہیں جا رہی ہیں کیا؟" صارم وہاں بھی پہنچ گیا تھا
جہاں مقدس کو امید بھی نہیں تھی "۔ آپ یہاں سرائیکی
ڈیپارٹمنٹ میں؟" مقدس حیرانی کے عالم میں فقط اتنا ہی پوچھ
سکی "۔ جی آپ انگلش ڈیپارٹمنٹ چھوڑ کر یہاں آسکتی ہیں تو ہم
بھی کہیں بھی جاسکتے ہیں محترمہ "۔ صارم نے اپنے چہرے پر
اک دلفریب ہی مسکرائے سجائے ہوئے کہا۔

"نہیں میں ٹرپ کے ساتھ نہیں جا رہی۔ مجھے گھومنا پھرنا پسند
نہیں ہے۔" مقدس نے مختصر سا جواب دے کر بات ختم کر دی۔

اتنا ناپڑھا کریں ٹاپ آپ ہی نے کرنا ہے "صارم نے پھر سے
ایسی بات کی جس کی وجہ سے مقدس کو تفصیل دینی پڑے۔

"نہیں صارم اب کی بار ٹاپ آپ ہی کریں گے۔ انگلش کافی
اچھی ہے آپ کی۔ آپ کو پڑھنا نہیں پڑتا ہے۔" مقدس چاہتی
تھی کہ صارم اس سے ایک قدم ہمیشہ آگے ہی رہے۔

"شکریہ..... مقدس لیکن رزلٹ والے دن میں سی جی پی
دیکھے بغیر ہی آپ کو مبارک باد دے دوں گا کیونکہ مجھے یقین ہے
آپ کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔" چلیں اب آپ پڑھائی
کیجئے میں چلتا ہوں۔"

صارم یہ کہنے کے بعد چند لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہو گیا لیکن
دل میں بسنے والے خوشنما احساس کی مانند ہمارے ساتھ رہتے

ہیں۔

مقدس یار تم بھی چلتی تو اتنا مزہ آتا یار۔ پوری کلاس تھی سوائے
تمہارے اور صارم کے "۔ زرینہ کی اس بات سے مقدس چونک
گئی۔

"مقدس ہمیں تو اس کی سمجھ نہیں آتی۔ آج کل فلاسفر بنا ہوا ہے۔
"زرینہ مسکراتے ہوئے چلی گئی لیکن مقدس کی کشمکش بڑھتی ہی
چلی جا رہی تھی۔

آج مقدس دل چاہ رہا تھا کہ بیوجہ ہی خوش ہو کے دیکھ لیا جائے۔
زندگی اتنی بھی تلخ نہیں اور اب تو صارم کی آنکھوں میں بھی محبت
کے دیپ جلتے ہوئے محسوس کیے جاسکتے تھے۔ شام کی منیالی
رنگت بڑی دلفریب لگ رہی تھی۔ آج مقدس کے جتنے خوابیدہ
خواب تھے ان کی زندگی کا رنگ شامل ہو گیا تھا۔

آج الوداعی پارٹی تھی۔ بہت سے لوگ ایسے تھے جنہیں دوبارہ
زندگی میں دیکھ پانا ممکن نہ تھا لیکن صارم آج مقدس کو بتا دینا چاہتا

تھا کہ اس کے دل میں اس کا کیا مقام ہے لیکن آج پورے دس دن
گزر چکے تھے مقدس کی کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے؟ کیسی

ہے؟ اس تنہائی پسند لڑکی کی تو کوئی قریبی دوست بھی نا تھی جس
سے پوچھا جاسکتا کہ وہ کھٹک ہے نا؟ کیوں چھوڑ دی یونیورسٹی؟

اس دوران رزلٹ بھی آچکا تھا اور مقدس نے ٹاپ کیا تھا۔ کچھ
لڑکیوں سے صارم نے مقدس کے بارے میں معلوم کیا انہوں

نے یہ بتایا کہ جب سے وہ آ نہیں رہی اسکا سیل نمبر بند ہے۔
لاحدوسی اداسی نے صارم کی ہنسی چھین لی تھی۔ وہ جیسے ہی اپنے

گھر پہنچا تو سامنے اپنے انکل کی گاڑی کو کھڑا پایا۔ صارم کے چچا
کی ایک ہی بیٹی تھی۔ صارم کی طرح ہی اکلوتی خوبصورت اور
ذہین۔

مما آپ کا بیٹا یہاں رہانا تو مر جائے گا۔" صارم اپنے آنسوؤں کو روک نہیں پایا۔

"اللہ ناکرے بیٹا کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تم میں تو میری جان بسی ہے۔ ایسا پھر کبھی مت کہنا۔" صارم کی والدہ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔

"سوری ماما..... دوبارہ ایسا کچھ نہیں کہوں گا۔" صارم اتنا کہنے کے بعد بچھے دل کے ساتھ میسر کی جانب چل پڑا۔ گیٹ پر ایک خاتون کو گارڈ نے روکا ہوا تھا وہ اسے اندر نہیں آنے دے رہا تھا۔ صارم یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اور اب وہ گیٹ پر پہنچ چکا تھا یہ دیکھنے کے لیے کہ کیا بات ہے کیوں وہ خاتون اندر آنا چاہتی ہے؟ "کیا بات ہے خالہ جی؟" صارم نے بہت ادب سے سامنے کھڑی خاتون سے سوال کیا۔

"بیٹا سارا شہر جانتا ہے مجھے یہاں تک کہ کریانا اسٹور کے اصغر صاحب بھی جانتے ہیں مجھے۔ آج پہلی بار آپ لوگوں کے بنگلے کی جانب آئی ہوں کڑھائی والی شال لے کر اور دیکھو تمہارا گارڈ مجھے اندر آنے سے روک رہا ہے۔" اصغر نام سن کر صارم کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اسے بہت قیمتی خزانہ مل گیا ہے۔ یہ روم مقدس کے والد کا ہی ڈکڑ تھا۔ صارم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

"خالہ جی آپ اندر آ جائیں۔" صارم اب اس خاتون کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گیا تھا۔

"جی نواب آپ بتائیں کیا بتا رہی تھیں آپ اصغر صاحب کے بارے میں؟" صارم آج سب کچھ جاننا چاہتا تھا کہ آخر ایسا بھی کیا ہوا تھا مقدس کے ساتھ کہ پھر وہ دوبارہ نظر ہی نہیں آئی۔ "بیٹا بہت اچھے لوگ تھے وہ لیکن اچھا نہیں ہوا ان کے ساتھ۔ بچپوں کی بانی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ لوگ لاہور چلے گئے

"صارم آپ کہاں تھے؟ ہم کب کے آگئے لیکن آپ نے اتنی دیر کر دی آنے میں" یہ وہ پہلا جملہ تھا جو غزل نے صارم کو دیکھنے کے بعد کہا۔

"کیسی ہو غزل۔ انکل اور آئی کہاں ہیں؟ لگتا ہے آج دوبارہ ان کے بغیر ہی آگئے ہو؟" آج پہلی بار صارم کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی۔

"ہاں جی... گھر میں بور ہو رہی تھی سو چا آپ کی طرف آ جائیں۔ یہ تو بتاتے اداس کیوں ہو؟

آج پارٹی تھی۔ خوب رونق ہوگی وہاں لیکن تمہارا چہرہ تو کچھ اور ہی بنا رہا ہے۔" غزل اب سنجیدہ تھی۔ "غزل اک لڑکی تھی زندگی جیسی مگر شاید وہ اب میری زندگی میں کبھی واپس نہیں آسکے گی۔ مجھ سے کھوئی وہ کاش میں اسے بتا دیتا کہ کتنی محبت ہے مجھے اس سے۔ کاش اتنی دیر نا ہوتی۔" صارم کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ آج پہلی بار غزل نے اسے اتنا نہیں دیکھا تھا۔ "صارم وہ لڑکی بہت خوش قسمت ہے کہ اس نے تمہارے دل میں اپنی جگہ بنالی۔ میں وعدہ کرتی ہوں تم سے کہ مجھ سے جتنا ہو سکا میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش کروں گی۔" غزل نے صارم کو احساس دلا دیا تھا کہ وہ ہمیشہ اس کی ہر مشکل میں اس کے ساتھ رہے گی۔

"مما میں سوچ رہا ہوں میں اور آپ ڈیڈ کے پاس کینیڈا چلے جائیں مجھ سے اب پاکستان میں نہیں رہا جا رہا۔ میری گھنٹن بڑھتی جا رہی تھی۔" صارم نے آج وہ بات اپنی والدہ سے کر دی جو روز سوچا کرتا تھا۔

"بیٹا تم تو بہت خوش مزاج تھے اچانک کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" صارم کی والدہ بہت دنوں سے صارم کے لیے پریشان تھیں۔

ہوتا ہوں

کلرک جو ہوں۔ بسے داخلے ہو رہے ہیں۔ میرٹ لسٹ دیکھنے جا رہا ہوں۔ بس تم آج آرہے ہو میں کوئی اگر مگر نہیں سنوں گا۔" صارم کے دوست نے آج کافی دنوں کے بعد اسے کال کی تھی۔ آج یونیورسٹی کے سب ہی منظر اداس اور خاموش سے لگ رہے تھے۔ سب ہی کچھ تو دیا ہی تھا۔ بس اس کی کمی تھی جو اب کہیں نہیں تھی "مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ میرا وجود تو پہلے ہی سینکڑوں نکلزوں میں تقسیم ہو چکا ہے"۔ صارم نے خود سے ہسکلامی کی۔ صارم کے دوست ریحان نے اسے یہاں کیوں بلایا تھا یہ تو خود صارم بھی نہیں جانتا تھا۔

"یار میم مقدس کتنا اچھا لیکچر دیتی ہیں نہ۔ بہت ذہین ہیں وہ۔" صارم نے اپنے قریب سے گزرتی ہوئی دولڑکیوں کو یہ کہتے سنا۔ اسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو اس نے سنا ہے اس میں مقدس کا ہی ذکر تھا۔ ریحان نا جانے کہاں تھا لیکن اب صارم پورے ڈیپارٹمنٹ میں دیوانہ وار چکر لگا رہا تھا اور آخر کار وہ چہرہ اسے نظر آ ہی گیا جسے دیکھ کر اس کے دل کو سکون ملتا تھا۔ جو تو روز کہنا چاہتا تھا کہ صارم ہمدان کو صرف اور صرف ایک ہی لڑکی سے مات ہوئی ہے اور وہ مقدس ہے۔

"مقدس کہاں چلی گئی تھی تم؟ اس طرف سے کیوں سب کچھ چھوڑ دیا۔ صرف ایک بار جانے کی وجہ بتا دیتی تم تو مجھے شاید تھوڑا سا سکون مل جاتا اس قدر رنج و۔۔ ملال تو نا ہوتا۔ میں آج بھی صرف تم سے محبت کرتا ہوں"۔ صارم تو اپنی بات مکمل کر چکا تھا اور اب جواب کا منتظر تھا۔

"صارم ایک حادثہ میری زندگی بدل لیکے لیے کافی تھا۔ کالج کا میری آنکھوں میں پیہنا اور پھر میرا بیٹا ہو جانا میرے لیے بہت

وہاں جو ہوا اللہ کسی کے ساتھ نا کرے ایسا"۔ پھر وہ خاتون سوگوار لہجے کے ساتھ خاموش ہو گئیں۔

"کیوں کیا ہوا تھا؟" صارم کی ہمت اب ختم ہوتی محسوس کی جا سکتی تھی۔

"وہیں لاہور میں ان کی بڑی بیٹی مقدس کا انتقال ہو گیا۔ ایک گاڑی سے ٹکرائی اور اسی وقت اللہ کو پیاری ہو گئی۔ بہت اچھی لڑکی تھی۔ وہیں لاہور میں دفن دیا گیا تھا اسے"۔ صارم کو یوں لگا کہ جیسے اس کے پاں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہے۔

اس خاتون کا سیل فون بج رہا تھا لیکن صارم اس سب سے بیخبر تھا ایک لمحے میں یوں لگا کہ جیسے دنیا جڑ گئی ہے۔ "اچھا بیٹا میں چلتی ہوں بیٹی کی کال آ رہی تھی پھر کبھی آ جاں گی آپ کی طرف"۔ یہ کہہ کر وہ خاتون ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔ صارم کئی گھنٹے خاموشی کے وہیں بیٹھا رہا۔ خود کو یہ سمجھانا آسان نہیں ہوتا ہے کہ جس سے انسان پہناہ محبت کرتا ہو اور جو انسان ہماری کل کائنات ہو وہ اس دنیا سے ہی چلا جائے۔

"بیٹا میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھ سکتی ہوں میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں تم غزل سے شادی کر لو"۔ صارم کی والدہ اپنے بیٹے کو یوں اذیت کے ہاتھوں سپرو نہیں کر سکتی تھیں۔ "ایسا نا کریں ماما آپ ہاتھ جوڑ کر مجھے شرمندہ مت کیجئے۔ اگر اسی میں آپ کی خوشی ہے تو میں شادی کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن شادی دھوم دھام سے نہیں سادگی سے ہوگی"۔ ٹھیک ہے بیٹا جیسے تم چاہو آج تم نے مجھے بہت بڑی خوشی دی ہے"۔ صارم کی والدہ کو وہ ملا جو ان کے دل کی خواہش تھی جبکہ صارم نے وہ کھو دیا تھا جو اس کی اولیٰین ضرورت تھی۔

"یار کہاں ہوتے ہو آج کل؟ تم تو جانتے ہو میں بیچہ مصروف

چھوڑ کر گیا تھا "۔ صارم اب مقدس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا "۔
 صارم اب مجھے سہاروں کی ضرورت ہوتی ہے ابھی بھی وقت ہے
 واپس پلٹ جا۔ ساری زندگی تمہاری خوشیوں کی دعا کرنے والی
 لڑکی تمہیں اپنا غم نہیں دے سکتی ہے "۔ مقدس کی بات سے
 صارم کی مسکراہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا۔

"چھوڑو لڑکی یہ بھر۔ و۔ ملال کی باتیں۔ یہ بتا کہاں چلی گئی تھی؟
 صارم مکمل حقیقت جاننا چاہتا تھا "۔ صارم میں لاہور چلی گئی تھی
 ! ہیں یہ حادثہ ہوا تھا۔ ممانی کے گھر میں ہر سہولت میسر تھی۔ ان
 کی دو بیٹیاں ہیں انہوں نے میرے والدین سے کہا کہ کچھ
 عرصہ کے لیے مجھے وہیں ان کے پاس رہنے دیں۔ ابھی یہاں
 ایک ہفتہ قبل واپس آئی ہوں۔ جاب تو سکا لرشپ پر ملی ہے میں
 بس تھوڑی مصروفیت چاہتی تھی۔ یونیورسٹی والوں کی مہربانی ہے
 کہ میری اندھیری زندگی میں امید کی کرن کو بھجنے نہیں دیا اور مجھ
 پر بھروسہ کیا۔ مجھے لگا تمہاری شادی ہو گئی ہوگی۔

"جی وہ تو اب ہوگی میم مقدس کے ساتھ "۔ آج اکیلا صارم ہی
 نہیں اس کے ساتھ مسکرانے والوں میں مقدس بھی شامل ہو چکی
 تھی۔ آج محبت کی ایک کہانی ہمیشہ کے لیے معدوم ہونے
 سے بچ گئی تھی۔ محبت کے سامنے ہر اندھیرے کی مات ہو گئی
 تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

تکلیف وہ مرحلہ تھا۔ میں اپنی بیٹائی کھو چکی ہوں۔ میں نہیں
 چاہتی تھی میری زندگی کے اندھیرے کے تم بھی حصہ دار ہو۔ یہ
 دکھ صرف میرا ہے۔ میں اس میں کسی اور کو شریک نہیں کر سکتی۔ تم
 بہت اچھے ہو۔ تمہیں بہت سی لڑکیاں مل جائیں گی "۔ مقدس
 نے یہ الفاظ بڑی مشکل سے ادا کئے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے مقدس تم جو بھی کہو گی میں مان لوں گا؟ محبت
 ہر صورت میں ساتھ نبھانا جانتی ہے میں صرف تمہارا ساتھ ہی نہیں
 چاہتا تمہارے ہر غم میں برابر کا حصہ دار بننا چاہتا ہوں "۔ صارم
 کو آج اس کی کھوئی ہوئی مسکراہٹ مل گئی تھی۔

اتنے میں صارم کے دوست ریحان کی کال آ گئی "۔ صارم ذرا
 باہر ان میں آنا ایک ضروری بات کرنی ہے "۔ صارم مقدس کو
 یہ ہدایت کرتے ہوئے باہر چلا گیا کہ وہ کہیں نہیں جائے گی یہیں
 رہے گی کچھ دیر۔ اگلے دو منٹ بعد صارم ڈیپارٹمنٹ کے باہر آ
 گیا تھا۔

"صارم غزل کی کل کال آئی تھی میرے پاس۔ اس نے مجھے کہا
 کہ میں اس کا کام کر دوں۔ ایک خاتون کو بھیجا تھا اس نے
 تمہارے گھر جس نے مقدس کی موت کی چھوٹی خبر دی تھی تمہیں۔
 یہ غزل کی چال تھی اور یہ سب اس نے تمہیں پانے کے لیے کیا۔
 اب جب خود ہی اسے احساس ہو گیا بیٹو اس نے پاکستان
 چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ چاہتی تھی جانے سے پہلے تم
 دونوں کو ملوادے۔ اب تک وہ کراچی پہنچ چکی ہوگی اور آج رات
 تک ملک بھی چھوڑ دے گی۔ بس وہ چاہتی تھی کہ تم اسے معاف
 کردو "۔ ریحان نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جو اس نے غزل سے
 کیا تھا۔

"واہ جی واہ آپ تو ابھی تک وہیں بیٹھی ہیں جہاں میں آپ کو

افسانہ

رنگی پیار لہری میں

f Khushboo Online Digest 0300-7198339

khushboodigest@gmail.com

نہال بھارتی

بیزاریت سے بولی - بیگم ہماری مبشرہ کی شادی کی عمر نکلی جا رہی آپ صرف اپنے بیٹے کا سوچ رہی ہیں - چپ ہی رہیں آپ میرے اتنے اچھے موڈ کا ستیاناس کرنا آپ کا ہمیشہ سے پسندیدہ کام ہے - ہو جائے گی مبشرہ کی شادی بھی سو جائیں آپ مبشرہ کی ماں نے کر دت بدل کے آنکھیں بند کر لی۔

"شائید بیگم ٹھیک ہی کہہ رہی ہے - مبشرہ کی تنخواہ سے ہی تو اسد کی تعلیم اور گھر چل رہا ہے میری تنخواہ تو بل اور گھر کا کرایہ دے کے بچتی ہی کیا ہے - مبشرہ کی شادی کے اخراجات بھی تو کرنے ہوں گے شائید ابھی یہ سب یونہی چلتے رہنا بہتر ہے -" لقمان صاحب نے خود کو تسلی کی تھکی دیتے ہوئے سلانے کی سوچی۔

چند سال کیا مبشرہ کی زندگی کے پورے لگتا تھا جیسے کتنے ہی سال گزر گئے ہوں - ذہین سی لڑکی کے چلبیلے سے چہرے سے پہ وقت نے سنجیدگی لکھ دی - اسد میں آپ کو بتا رہی ہوں یہ مبشرہ کا پہلا اور آخری رشتہ ہے میری مائیں کچھ مت سوچیں - اسد کی بیوی کہہ رہی تھی - مبشرہ کی ماں نے اسد کے ڈاکٹر بننے ہی اسد کی شادی کر دی - کیوں پہلا اور آخری کیوں "؟ اسد نے پوچھا - میں جب سے اس گھر میں آئی ہوں کیا اس کا کوئی رشتہ آیا "؟ اسد کی بیوی نے گود میں لیٹے عاصم کو تھکتے ہوئے سوال کے جواب میں

افق پہ ابھرتے سورج نے اس کی آنکھوں میں بھرے اندھیروں سے اصجان کائنات ہر چیز کو اپنی روشنی بانٹنے کا آغاز کیا - وہ پھولوں کے خواب بنتی خوش رنگ تیلیوں کی سہیلی ہنستی گاتی لڑکی - ہر کسی کا خیال رکھتی پیار لیتی مبشرہ - مبشرہ نام کی ہی مبشرہ نہ تھی خوش مزاج، خوش شکل ہر کسی کے دل میں گھر کرنے والی خاندان بھر کی خوشی تھی - لقمان صاحب سنتے ہیں اسد کو میڈیکل میں داخلہ مل گیا ہے - مبشرہ کی ماں خوشی سے پھولے نہیں سارہی تھی مگر مبشرہ کے باپ کے چہرے سے پریشانی واضح محسوس کی جا سکتی تھی - ہمارا بیٹا بہت محنتی ہے ضرور ڈاکٹر بن جائے گا - مبشرہ کی ماں لقمان صاحب کی ہر پریشانی سے لا تعلق بیٹے کی خوشی پہ نہال ہوئے جا رہی تھی۔

تم اچھی طرح جانتی ہو میں اتنے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا کب تک مبشرہ ہمارا ساتھ نبھائے گی - اس کی اسکا لرشپ پہ حاصل کی ساری تعلیم ہمارے کام آ رہی ہے مگر اس کی نوکری پہ اس کا بھی حق ہے ہمیں اس کی شادی کا سوچنا چاہیے - لقمان صاحب نے اپنی پریشانی خود ہی بیان کر دی - کچھ نہیں ہوتا چند سال ہی کی تو بات ہے ہمارا بیٹا کچھ بن جائے گا تو سارے مسئلے حل ہو جائیں گے - مبشرہ کی ماں بجائے تسلی دینے کے



زہر

عزیزہ بخاری

افسانچہ

مجھے زہر چکھنا تھا اور یہ خواہش گھر سے جنم لے بیٹھی تھی، میں قسمت کے ساتھ لڑنا نہیں جانتی تھی، میں چھوٹی سی لڑکی تھی حالات سے لڑنے کا مجھے شعور ہی نہیں تھا، بس کسی مووی میں دیکھا تھا کہ زہر کھانے سے پاپیٹے سے انسان مر جاتا ہے۔ پھر وہ دن تھا اور زہر کی تلاش تھی۔ میں حساس تھی بچپن سے پاگل سی لڑکی جو اپنے آپ سے لڑتی ہواں سے جھگڑنے لگتی کبھی درختوں، کبھی پھولوں سے تو کبھی پانی سے شکایت کرتی، برداشت اتنی کے پیاز سے گر کر بھی سنبھل جاتی، حساس اتنی کے آنکھوں کے شعلے جلا دیتے۔ اسی نوک جھونک میں زندگی نے زہر کو چکھنا لازم بنا دیا۔۔۔ پر میں نے زہر دیکھا بھی کب تھا؟ اس کی تلاش تھی اسی تلاش میں ایک زہر کے لئے میں زندگی کے ہزاروں زہر پی گئی۔ اس وقت زہر کا رنگ، نسل، شکل میرے لئے اہم تھے، ذرا سی تکلیف میں وہی یاد رہتا کہ کاش زہر ہوتا! بات زندگی کے ساتھ بڑھتی گئی، پھر وقت اور حالات نے رشتوں کے زہر کے ساتھ ساتھ دوستی کے زہر، زمانے کے زہر، مقصد کے زہر، خواہشات کے زہر، احساسات کے زہر، کھونے کا زہر، بچھڑنے کا زہر، اتنے زہر پلائے کہ اب میری رگوں میں زندگی نہیں زہر ہے۔ میرا دل اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ اب کوئی خواہش شدت ہی نہیں لیتی۔ اب خوفزدہ ہوں کہ میرے اندر جو اتنا زہر جمع ہے اس سے کسی زندگی میں زہر نہ آئے، کیونکہ جتنا میں نے زہر پیا ہے اتنی میری عمر کی برداشت ہی نہیں تھی۔ ☆.....☆.....☆.....☆.....☆

سوال کر دیا۔" میں بتا رہی ہوں عفت میری بہت اچھی دوست ہے میں تو انکار کے حق میں نہیں ہوں۔ ویسے بھی آپ کی بہن کی جو عمر ہے اس میں ایسے ہی رشتے آئیں گے۔ شکر کریں طلاق والا نہیں ہے بیوی فوت ہو چکی ہے بچے بھی چھوٹے نہیں کہ مبشرہ کو سنبھلانا پڑیں۔ آپ بس امی ابو کو راضی کریں۔" اسد کی بیوی نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "ٹھیک ہے میں صبح امی ابو سے بات کرتا ہوں۔" اسد نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

مبشرہ نے تو ساری عمر ہی فرمانبرداری میں گزاری تھی اب انکار کیسے کر دیتی۔ "میرے دو ہی بیٹے ہیں مجھے دنیا جہان کی ہر دولت سے زیادہ عزیز اور اب آپ کو بھی ہر رشتے سے زیادہ ہمارے بیٹوں کو عزیز رکھنا ہوگا۔ میرا چھوٹا بیٹا تو ابھی آٹھویں میں ہے اور بڑا ایف ایس سی فائنل میں ہے میری خواہش ہے میرا بیٹا آپ کے بھائی کی طرح ڈاکٹر بنے مگر میری مانی حیثیت اجازت نہیں دیتی کہ میں اپنی خواہش مکمل کر سکتا اس لیے میں آپ سے شادی پر رضامند ہوا کہ آپ میرے ساتھ مل کے ہمارے بچوں کی تعلیمی ذمہ داری بانٹ لیں۔ عفت نے آپ کی بے پناہ تعریف کی ہے امید ہے آپ ہر تعریف پر پورا اتریں گی۔" مبشرہ نظریں جھکائے بے حس و حرکت احکام سنتی رہی۔ ایک بات مزید ہمارے لیے ہمارے دو بیٹے کافی ہیں اس لیے آپ کبھی اور بچے کی خواہش نہیں کریں گی۔" پھر اس کے بعد رات کیسے کٹی مبشرہ کو خبر نہیں۔ پیلو میں لیٹے پرسکون نیند سوئے وحی اللہ کی آواز کی گونج مبشرہ کی سماعتوں پہ مسلسل کرب برسا رہی تھی اور آنکھیں ماتم کرتی کرتی نئی زندگی کی نئی صبح سے بیزار تھکن سے چور رہی تھیں۔

نئی زندگی کی نئی صبح سے بیزار تھک کے چور ہو چکی تھیں۔



اور وطن کی خدمت کروں۔"

"میرا بیٹا کچھ بتانے گا بھی کہ نبی...؟ یا سمین مسکرا کر بولیں۔ سفیان نے سر جھکا لیا اور اس کی آنکھیں بھگنے لگیں۔

"مما کی جان کیا ہوا...؟" یا سمین بے چین ہوتی تھیں۔

"مما میں بہت چھوٹا تھا جب پاپا کی شہادت ہوئی..."

سفیان بھرائی ہوئی آواز میں بولا "مگر مجھے یاد ہے پاپا کی باتیں انکی شہادت... اور آپ کی وہ سب مشکلیں، تکلیفیں جو آپ نے میری اور آبیہ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے لئے اٹھائیں... اور مجھے یہ بھی یاد ہے جب پاپا آپ کے لئے سونے کے کنگن لائے تھے تو آپ اور پاپا کتنا خوش تھے.. اور جب میری پڑھائی کے لئے آبیہ پاپا کی لائی ہوئی نشانی بچھی پڑی تو آپ ایک بار پھر ٹوٹ کر روئی تھیں۔ میں نے اسی وقت خود سے عہد کیا تھا کہ آپ کے کنگن... ایسے لائے گا کیوں کہ آپ شہید کی بیوہ ہیں اور شہید کبھی مرتے نہیں... میں پاپا کا کوئی خواب ادھورا نہیں رہنے دینا چاہتا تھا اس کے لئے میں نے دن رات محنت کی آری میں سلیکٹ ہوا۔ ان کی طرح آفسیر بنا اور اس دن سے پیسے جمع کر رہا ہوں جس دن سے خد سے عہد کیا تھا کہ آپ کے کنگن بالکل ویسے

سفیان کی آنکھوں میں خوشی کے ڈھیروں جگنو جگنو گار بھے تھے اور چہرہ استہوار ہا تھا۔ وہ پر جوش قدموں سے چلتا ہوا ماں کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

"السلام وعلیکم... مما جان...!"

"وعلیکم السلام... میرا بیٹا آ گیا ہے..."

یا سمین نے سفیان کے چہرے کو دو ڈون ہاتھوں سے تھام کر پیشانی پر بوسہ دیا۔

"آج بہت خوش لگ رہیے ہو؟ کیا بات ہے؟"

"مما!... آج میں بہت خوش ہوں۔ آج میری برسوں پرانی آرزو پوری ہو گئی... مما آج میرا ایک ادھورا خواب پورا ہو گیا...؟ اس کے چہرے سے اطمینان جھلک رہا تھا۔ یا سمین حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ کر بولی "کیا اب بھی تمہاری کوئی آرزو باقی تھی؟ اپنے شہید باپ کا خواب پورا کر لی نے کے بعد بھی؟"

"مما جان...! سفیان نے اپنی ماں کے دونوں ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگانے اور بولا "مما... ایہ بھی پاپا کا ہی خواب تھا جو آج پورا ہوا ہے اللہ کی مہربانی سے... اور اتنا اہم تھا جتنا پاپا کا وہ خواب کہ میں بھی ان کی طرح آری جوان کروں

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابراراجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبد اللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مستنصر حسین
رضیہ بٹ	زُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ ہریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے آفاق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

لفظ کی کہانی



جب وہ شخص میری زندگی میں نہیں رہا تو اب میں جی کر کیا کروں گی...."

اپنی کلائی کی رگیں کاٹتے اس کی آخری سوچ یہی تھی....

ہوش میں آنے پر وہ اپنے ماں باپ سے نظریں تک نہ ملا سکی...
 ماں پورنی رات مصلے پر سجدے میں پڑی رہی...
 باپ اپنی عزت کی پروا نہ کرتے ہوئے نجانے کس کس کے سامنے اس کی عزت کی صفائیاں دیتا رہا....
 اور بھائی نے اپنا خون دے کر اسے نئی زندگی دی....
 آگہی کا دروا ہوا....

اور کسی نا محرم کی نام نہاد محبت "ندامت" کے آنسوؤں میں بہہ گئی....

☆.....☆.....☆.....☆

ہمی لاں گا جیسے پاپالائے تھے... اور آج... آج... آج سماجانی میرا یہ خواب بھی پورا ہو گیا "

سفیان نے بیک سے نگلن کا ڈبہ نکالا اور کھول کے ماں کے سامنے رکھا.... یاسمین حیران رہ گئیں بلکل اسی طرح کے جگہ گاتے نگلن ان کی آنکھوں کے سامنے تھے جیسے شہید ابرار ان کے لئے لائے تھے

یاسمین نے ڈبہ باقی آنکھوں سے بیٹے کی طرف دیکھا تو نگلن سے زیادہ چمک بیٹے کی آنکھوں میں دیکھی.... تڑپ کر سفیان کے سر کو اپنے سینے سے لگا کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور بولی "ان کی سب سے پیاری اور قیمتی نشانی تو تم ہو... تم سلامت رہو میرے لئے بخیر ہی سب کچھ ہے... جیتے رہو اللہ ہر ماں کو تم جیسا بہادر اور محبت کرنے والا جینا دے... آمین"

خوشی سے برستی آنکھوں اور لرزتے ہاتھوں سے سفیان ماں کو نگلن پہنانے لگا.

☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆

سندھ

معدن نارین

خوشبو آن لائن ڈائجسٹ

خوشبو ڈائجسٹ کے حوالے سے اپنے بھروسے اور قیمتی رائے جلد از جلد ان باکس یا ای میل کر دیں، آپ کی قیمتی رائے کو ڈائجسٹ کے صفحات کی زینت بنایا جائے گا اور بہترین ہمسفر کرنے والے تین لوگوں کا تعارف اگلے شمارے میں بہترین ڈیزائننگ کے ساتھ لگا یا جائے گا۔

☆.....☆.....☆.....☆

Khashboo Online Digest 0300-7190339



سید احمد شاہ ودیہ (گال) کے عزت اور مرتبہ والے خاندان کے اکلوتے چشم چراغ تھے۔ جہاں دیدہ کی زمین و جاویداد کے وارث تھے وہیں دین داری، دیانت داری، عزت، سیرت، خصلت، سخاوت، پیری مرشدی بھی انہیں اپنے آبا و اجداد سے وراثت میں ملی۔ دیدہ کی سب سے بڑی حویلی انہی کی تھی جسے اس کی شان و شوکت چار چاند لگاتے۔ صدیوں سے اس حویلی کے نمین اللہ عزوجل کے عزم و فضل سے ارادت مندوں کو فیضیاب کرتے آئے ہیں پیری مرشدی ان کی گٹھی میں پلائی گئی ہے جسے دیدہ کے امیر کبیر ہونے کے باوجود ساوگی ان کی زینت ہے، عاجزی ان کا شیوہ۔ دیدہ کے ہر چھوٹے بڑے خاندان کی نظروں میں ان کیلئے عزت و احترام اور عقیدت عیاں تھی۔

قریباً تین صدیاں قبل اس خاندان کے آبا و اجداد دین خدا کو پھیلائے کے لیے یہاں ہجرت کر کے آئے اور یہیں رچ بس گئے، عاجزی کا پیکر جہاں خدا کا گہر دکھا دہیں رہ لیے پوری شب عبادت میں گزارتے دن میں سب کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے کام اللہ کے ذریعے سب تک ہدایت پہنچائی۔ ایک دور آیا جب بادشاہ نے وقت نے انہیں زمینیں دیں جسے نسل در نسل اپنے گزر بسر کے کام لاتی رہیں اور اس حویلی کی بنیاد شاہ صاحب

سید احمد شاہ کے پر دادا نے رکھی تھی اور اب سید احمد شاہ کے دور میں مزید اس کی مرمت کروائی گئی اور ساتھ ہی ایک کونٹھی اور تعمیر کروائی گئی دور حاضر کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ مرید و ارادت مندوں کے لئے آسانی ہو۔ اپنے آبا و اجداد کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے سید احمد ہر لحاظ سے ایک ایسے انسان اور با عمل مسلمان تھے۔ ان کی زندگی خدا کی نعمتوں رحمتوں کے سائے میں گزر رہی تھی ہر لحاظ شکر خدا لب پہ رہتا اپنی اولاد کو بھی یہی تعلیمات دیں انہیں روحانی تربیت اور دنیاوی تعلیم سے روشناس کیا۔ ان کا خاندان ہر لحاظ سے ایک قابل واد خاندان تھا۔

اشرف الخلیفات کے ساتھ ساتھ رجال الغیب بھی اس خاندان کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔

حویلی کا ایک حصہ جو کہ حویلی سے ذریعہ تہا وہاں اللہ لو کی مکین تھے اس سید خاندان کے مرید کی سالوں سے۔

ایک دن کا منظر تھا آسمان پر سیاہ بادلوں کی ٹاکا بندی تھی دن میں بھی گویا رات کا سماں، وقتاً فوقتاً کی گرج چمک بادلوں کا منظر نمایاں کر رہی تھی، اس عزم سے بادلوں نے اپنے اندرونی سمندر کو زمین پر بہایا کہ گویا ابھی سمندر اوہر سے ہی بہہ چلے گا، ابر رحمت ابر رحمت بننے کو تھے اتنے میں ایک زوردار دھماکے نے حویلی کے

سید احمد شاہ ودیہ (گال) کے عزت اور مرتبہ والے خاندان کے اکلوتے چشم چراغ تھے۔ جہاں دیدہ کی زمین و جاویداد کے وارث تھے وہیں دین داری، دیانت داری، عزت، سیرت، خصلت، سخاوت، پیری مرشدی بھی انہیں اپنے آبا و اجداد سے وراثت میں ملی۔ دیدہ کی سب سے بڑی حویلی انہی کی تھی جسے اس کی شان و شوکت چار چاند لگاتے۔ صدیوں سے اس حویلی کے نمین اللہ عزوجل کے عزم و فضل سے ارادت مندوں کو فیضیاب کرتے آئے ہیں پیری مرشدی ان کی گٹھی میں پلائی گئی ہے جسے دیدہ کے امیر کبیر ہونے کے باوجود ساوگی ان کی زینت ہے، عاجزی ان کا شیوہ۔ دیدہ کے ہر چھوٹے بڑے خاندان کی نظروں میں ان کیلئے عزت و احترام اور عقیدت عیاں تھی۔

قریباً تین صدیاں قبل اس خاندان کے آبا و اجداد دین خدا کو پھیلائے کے لیے یہاں ہجرت کر کے آئے اور یہیں رچ بس گئے، عاجزی کا پیکر جہاں خدا کا گہر دکھا دہیں رہ لیے پوری شب عبادت میں گزارتے دن میں سب کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے کام اللہ کے ذریعے سب تک ہدایت پہنچائی۔ ایک دور آیا جب بادشاہ نے وقت نے انہیں زمینیں دیں جسے نسل در نسل اپنے گزر بسر کے کام لاتی رہیں اور اس حویلی کی بنیاد شاہ صاحب

سید احمد شاہ کے پر دادا نے رکھی تھی اور اب سید احمد شاہ کے دور میں مزید اس کی مرمت کروائی گئی اور ساتھ ہی ایک کونٹھی اور تعمیر کروائی گئی دور حاضر کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ مرید و ارادت مندوں کے لئے آسانی ہو۔ اپنے آبا و اجداد کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے سید احمد ہر لحاظ سے ایک ایسے انسان اور با عمل مسلمان تھے۔ ان کی زندگی خدا کی نعمتوں رحمتوں کے سائے میں گزر رہی تھی ہر لحاظ شکر خدا لب پہ رہتا اپنی اولاد کو بھی یہی تعلیمات دیں انہیں روحانی تربیت اور دنیاوی تعلیم سے روشناس کیا۔ ان کا خاندان ہر لحاظ سے ایک قابل واد خاندان تھا۔

اشرف الخلیفات کے ساتھ ساتھ رجال الغیب بھی اس خاندان کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔

حویلی کا ایک حصہ جو کہ حویلی سے ذریعہ تہا وہاں اللہ لو کی مکین تھے اس سید خاندان کے مرید کی سالوں سے۔

ایک دن کا منظر تھا آسمان پر سیاہ بادلوں کی ٹاکا بندی تھی دن میں بھی گویا رات کا سماں، وقتاً فوقتاً کی گرج چمک بادلوں کا منظر نمایاں کر رہی تھی، اس عزم سے بادلوں نے اپنے اندرونی سمندر کو زمین پر بہایا کہ گویا ابھی سمندر اوہر سے ہی بہہ چلے گا، ابر رحمت ابر رحمت بننے کو تھے اتنے میں ایک زوردار دھماکے نے حویلی کے

شاہ صاحب: "اب تم سب ہمیشہ یہیں رہو گے"
 جن: "سائیں! ہم آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے، آپ
 نے ہمیں اس برستی بارش میں جاہ پناہ دی ہمارے بچوں کو آشیانہ
 ملا ہم ہمیشہ آپ کی افتخا کریں گے۔ آپ اور ہم الگ ہیں پھر
 بھی آپ نے ہم سے ہمدردی کی"

شاہ صاحب: "مستحکم لہجے میں" (ہاں ہم اور تم الگ ہیں مگر ہیں
 تو ایک ہی خدا کی مخلوق اور ہم کتنی ہی عبادت کریں اگر خدا کی کسی
 ہی مخلوق سے محبت اور ہمدردی ہمارے دل میں نہیں تو ہماری
 عبادت سے ہمیں جنت تو مل جائے گی مگر خدا نہیں، اور تمہاری مدد
 میں نے خدا کی رضا کے لئے کی ہے۔ تم میں ہی ہم انسانوں کی
 طرح ہر طرح کے جنات موجود ہوتے ہیں مسلمان، ہندو،
 عیسائی، یہاں تک کہ فرقہ داریت بھی، میں بس اتنا کہوں گا کہ تم
 اس اللہ کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں اپنے بندے کے ذریعے اس
 برستی بارش میں چبت دی اور تم اپنے ساتھ خدا کی ہر مخلوق کی مدد
 کرو کسی کو بے جا تنگ نہ کرو یہاں قیام کرو مگر شرارتوں سے
 اجتناب کرنا"

اور جنوں نے وعدہ کر لیا۔

کچھ ماہ و سال ایسے گزر گئے اچانک شاہ صاحب کی طبیعت ناساز
 رہنے لگی اور ایک دن وہ اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئے جہاں
 ہر شے کو فنا ہے بقا ہے تو نیکیاں اور انسان کے اچھے اعمال اور
 اخلاق اور مخلوق خدا کی خدمت جو اس کے جانے کے بعد بھی یاد
 رہتی ہے۔

بعد ازاں کے انتقال جو ملی کی اوپری منزل کے ایک کمرے سے
 ماہوف آدازیں اور رونے بھونے کی آدازیں آتی رہتیں اور ہر
 فجر اور مغرب کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کی آدازیں بھی

بچھلے والان کی دیواریں زمین بوس کر دیں
 عالم پریشانی میں شاہ صاحب اپنے کمرے سے نکل کر حویلی کے
 بچھلے حصے میں کھلتے بالائی دروازے تک آئے۔ خود بھی درویش
 تھے اس بات کا نظم رکھتے تھے کہ اس جگہ رجال الغیب کا سیرا ہے۔
 ذرا کی ذرا میں انہیں دردا دل زدہ آہوں اور ایک کوچ کرتے
 قافلے نے اپنی جانب متوجہ کیا۔ انہوں نے انہیں مخاطب کیا۔

شاہ صاحب: "کہاں جا رہے ہو اے فقیروں؟"

(ان کی آدازیں کراہتیں پیرن سفید داڑھی سفید لباس میں ملبوس
 ایک جن ان کی طرف آیا اور التماس ہو کر عرض کیا)۔

جن: "سائیں! ہمارا گھر گر گیا ہے بچے دب کے مر گئے ہیں یہ بچا
 آب کے آباد اجداد نے ہمیں دی تھی کئی برسوں سے ہم ادھر قیام
 پذیر تھے اب ہم سے یہ آسرا چھن گیا ہم جا رہے ہیں۔"

شاہ صاحب: "اتنی بارش میں کہاں جا گئے؟"

جن: "کہیں کوئی دیرانہ قصبہ جا کر آباد کریں گے"

شاہ صاحب: "چلو آ میرے پیچھے اور اپنے خاندان کو بھی بلا لا"

جن: "حیرت سے" (سائیں! ہم آپ کے گھر کے اندر؟ ہمیں
 اجازت نہیں"

شاہ صاحب: (ہمدردی سے) (تو کیا ہوا اے فقیر! جہاں تم ابھی
 رہتے تھے یہ بھی ہمارے گھر کا حصہ تھا اگر چہ اندر آ کر رہو گے تو
 ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا ہاں بشرطیکہ اپنی حدود میں رہو"

جن: "سائیں! ہم آپ کے خاندان کے مرید ہیں اور ہماری ہر
 پیری آپ کی عقیدت مندر ہے گی ان شاء اللہ"

جن ممنون ہو کر وہاں سے گیا اور آٹکھ جھپکتے باقی رجال الغیب کو
 ہمراہ لے کر آیا اور سید صاحب کی حویلی کے اوپری منزل کے
 ایک کمرے میں سب داخل ہوئے۔



وہ ایک شخص تھا

جو سب سے منفرد تھا

جو غریبوں کا سہارا تھا

کسی کا باپ، کسی کا نانا تو کسی کا دادا تھا، وہ آیا تھا دنیا میں لوگوں کی زندگی بدلنے، وہ عظیم تھا، نیک تھا، بہت پیارا تھا اسے بھیجا تھا اللہ نے غریبوں کا مسیحا بنا کر، اس نے بھی خوب ڈیوٹی سرانجام دی اپنی، پیارے بابا تم کسی تعریف کے محتاج نہیں، تمہیں کسی تخت، کسی تاج کی ضرورت نہیں تم بنا تخت و تاج کے بھی ہمارے دلوں پر راج کرتے ہو۔۔۔ تم ہمارا مسیحا ہو

ہم سب کے پیارے ایدھی

ہمارا مسیحا ایدھی!۔۔۔

ہمارا ایدھی۔۔۔

☆.....☆.....☆

راشد مجاہد

اپنی تحریروں اور یوں کہنا ان کے لئے ہے پہلا سہارا ہے
پڑھ کر مجھیں کسی عملی ایسا کیا کریں گے کہ وہ سب کو سیکھیں

ماہ

69

لوگوں کو متوجہ کرتیں ..
شاہ صاحب کے گہر والوں سے رجال الغیب نے بالخصوص تعزیت کی اور وہ شاہ صاحب کے لئے ہی قرآن خوانی کرتے ہیں۔

خدا کی مخلوق سے کی گئی ہمدردی کا صلہ خدا اس دنیا میں ہی دیتا ہے اور اس دنیا میں ہی۔ انسان ہمدردی کی زبان سیکھ جائے تو مخلوق خدا سے وہ خدا کے قریب ہو جائے۔
** ختم شد **

مختصر کہانی

محبت

دستگیر شہزاد

بہت گھنا بیڑ تھا۔ پھولوں سے لدا ہوا۔ آتے جاتے لوگوں کی نظر ٹھہر جاتی۔ لیکن اندر چھپی ایک شاخ، جسے مٹی کی نمی پر دان چڑھا رہی تھی۔ ہمیشہ نظروں کے لمس سے محروم رہی۔ گھر بھی بہت گھنا تھا۔ ریشمی لباسوں میں لپٹے رشتے، پھولوں کی طرح نیچے خوشبو کی طرح آتے جاتے بے شمار مہمان، اور بلندی پر پھیلی شاخوں کی اندر چھپی ایک لڑکی، جسے جڑوں میں پیوست دولت کی نمی پر دان چڑھا رہی تھی۔ ہمیشہ ہی نظروں کے لمس سے محروم رہی۔ ایک دن گھنے بیڑ میں چھپی اس شاخ نے نیچے بیٹھی اس لڑکی کو مخاطب کر لیا۔ دیر تک سنتی رہی۔ نظر بھر کیا ایک دوسرے کو دیکھا۔ رہم رہم جاگ اٹھا۔۔۔ اور دونوں کا درد کا سر ہم آہنگ ہو کر فضا میں گھومتے ایک ایسے لطیف دائرے میں سما گیا، جہاں صرف محبت تھی، اور کچھ نہیں!.....

☆.....☆.....☆.....☆

افسانہ دینے والا ہاتھ

افسانہ نگار زویا حسن

Email: khushboodigest@gmail.com | Khushboo Online Digest | 0300-7198339

ہم خدا سے تجارت کرتے ہیں۔ وہ ہمیں دو گنا کر کے لٹا دیتا ہے۔ مس میں خدا سے کہوں گی آپ کو مجھے دیا لٹا دے اور بہت دے۔ ساری کلاس ہنسنے لگی تھی اور ہر کوئی رقیہ کی اس بات پہ اپنے اپنے تبصرے کرنے میں مشغول تھا۔

فرزانہ کے کان میں جیسے سیسہ ڈال دیا گیا تھا وہ حیران ہوتے کبھی رقیہ کو اور کبھی کلاس کو دیکھ رہی تھی کسی نے کہا تھا

”مس یہ اور اس کے ابو بھیک مانتے ہیں سر کوں پہ۔ یہ اسکے بال دیکھیں بالکل مانگے، بالوں کی طرح تیل اور مٹی سے اٹے پڑے ہیں۔“ بچہ ناک پہ ہاتھ رکھے اپنی نا پسندیدگی کا اظہار کر رہا تھا اور فرزانہ کے ذہن میں آجکی اسمبلی میں بولے اپنے ہی الفاظ گردش کر رہے تھے۔

”خدا ایک کے بدلے دیتا ہے۔ آپ دیکھیں ہم آلو کی فصل اگانے کے لیے بالکل چھوٹے اور تقریباً ناقابل استعمال آلو زمین میں بوتے ہیں اور خدا اس میں سے ہر آلو کے اوپر جو پووالگاتا ہے اس پہ بے شمار آلو ہوتے ہیں چاول کے ایک دانے کو زمین میں بودیا جائے اس پر سے بے شمار تنکے نکلتے ہیں اور ہر تنکے کو جب پھر سے زمین کے سینے میں الگ الگ پرودیا جاتا ہے تو ہر ایک تنکے کے اوپر خدا چاول کا ایک بوٹا لگاتا ہے جس پہ چاول

تم آج پھر انگلش کی کتاب نہیں لائی۔ ہاں بتاؤ نہ ذرا کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ مہینہ ہو گیا سکول میں نیا سیشن سٹارٹ ہوئے اور تم روزیہ مسکین سامنے بنا کہ آجاتی ہو بتاؤ نہ ذرا کیا معاملہ کروں تمہارے ساتھ؟“ مس فرزانہ بولتی جاتی تھیں اور انکے ہاتھوں میں موجود ایک لمبی سی سنک رقیہ کے جسم پہ محرومی کی سیاہی پہ مزید نیلے دھبے ڈالتی جاتی تھی۔ وہ شاید آج بھرا پنی گھر کی چھت کے کچھ ٹکٹے قطر سے ماں کے گردوں کی سوزش اور اپنے سر میں اترتی چاندنی کو کلاس روم میں ساتھ لے آئی تھیں۔ کرائٹا ہاتھ رکھتا تھا اور آج تو گھر میں ابا کے کوئی دو پار کے رشتے دار کزن جو برسوں بعد پاکستان لوئے تھے منہ اندھیرے جلوہ افروز ہو گئے تھے۔ دو عدد دانڈوں اور مرغی کے سالن کے ساتھ دو پراٹھوں میں مہینے کے آخری دنوں میں گھر کے خرچے کے لئے سو روپے جو ماں کے ڈوپٹے کے پلو میں بندھے پڑے تھے چوپٹ ہو گئے تھے اور اب وہ رقیہ جو اپنی لاپرواہ طبیعت کی وجہ سے اکثر پیشتر اس کے غصے کا نشانہ بنتی تھی پہ اپنے خیالوں کے بھنور کو سلجھا رہی تھی۔ ”مس میرے ابو کہتے ہیں انکے پاس پیسے نہیں رقیہ روتے ہوئے بول رہی تھی۔“ مس آپ خدا سے تجارت کر لیں نہ۔ آپ نے اسمبلی میں کہا تھا نہ کسی کو دے کر

”خدا سے تجارت کر لیں نہ مس‘ رقیہ کے فقرے کی گونج کانوں میں تھی جب چوکھٹ پہ پاؤں پڑا تھا اس کا آپی آپی آپی ادھر آئیں، ارے ہمارے آنگن میں چاند نے دستک دی ہے۔ ابا کے نشے میں ڈوبے وجود نے تو ہمیں کچھ نہ دیا۔ مگر ابا کے دور پار کے کزن نے اپنی عمر بھر کی پونجی ہمارے جھوٹی میں ڈال دی ہے“

بینا نے بہن کو دروازے سے ہی جالیا تھا اور اسکو کھینچتی اپنے اور اسکے مشترکہ کمرے میں گھسیٹتی لے گئی تھی اور اب مسلسل بول رہی تھی۔ فرزانہ ایک ٹرانس سے باہر آئی تھی اور اب بینا کے الفاظ کو معنی کا لباس پہنانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

”کیا؟“ فرزانہ ناگہی میں ایک لفظی میں گویا ہوئی کہ آنکھوں میں الفاظ کا سمندر آپس میں الجھ رہا تھا لیکن بولنے کیلئے بہت کم تھا۔

”آپا انکل مدثر نے اپنے لائق، خوب روایم بی۔ اے کیے بزنس میں بیٹے کا رشتہ مانگا ہے آپکے لیے کہ وہ اب پاکستان سے رابطہ ختم کرنا نہیں چاہتے۔ وہ کیا کہتے ہیں جب وطنی جاگ اٹھی ہے ان کے دل میں۔“ بینا نے دماغ یہ ذور دیتے کہا تھا

”خدا ایک کے بدلے دس دیتا ہے آلو کی پیڑی سے جو بونا نکلتا ہے اس پہ آلو کے کچھے ہوتے ہیں۔ خدا سے تجارت اسقدر فائدہ مند ہو سکتی ہے اسنے پہلی بار آزما یا تھا۔ خدا تو ایسا تھا کہ مزدور کی مزدوری اسکے نیت باندھنے سے پہلے اسکی قسمت میں لکھ دیتا تھا۔“

ختم شد

کہ بہت سے گوشے ہوتے ہیں۔ وہ تو زمین کی گود سے بھی خام کے بدلے خاص لٹانے کا ظرف رکھنے والا ہے۔ خاص کی تجارت یہ تو وہ جنتیں تقدیر میں لکھ دیتا ہے۔ آپ اللہ سے تجارت کرو کسی کو دوتا کہ وہ بڑھا کہ آپ کو واپس کرے۔“

فرزاندہ کے جسم میں کچی طاری تھی سکول کی چھٹی کی گھنٹی بجی تو سب طالب علم باہر کو بھاگے تھے۔ وہ وہیں ایک ایک ڈیک کو تھا سے بیٹھتی چلی گئی تھی گلے میں آنسوؤں کے ساتھ ایک اور چیز پھندا ڈالے ہوئے تھی ضمیر کا پھندا آنسوؤں سے زیادہ خطرناک تھا۔ وہ جان گئی تھی اسہلی میں بولے گئے وہ اخلاقی جملے جو وہ پچھلے دو سال سے طالبہ کی بہترین تربیت کے نام پہ بولتی رہی تھی اپنی ہی شخصیت کو ایک ستاسی جسم بنانے کی کوشش کے سوا کچھ نہ تھا سکول سے واپسی پہ اسکے قدم گھر کی بجائے رقیہ کے مفلس خانے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور یہ کیا وہ تو اپنے ہی گھر میں کھڑی تھی وہ ہی نیکی چھت وہ ہی بیمار ماں فرق تھا تو صرف اتنا رقیہ کی کوئی بڑی بہن نہ تھی جو جا ب کر کہ ۴۰۰ ماہانہ گھرو لاتی ہو۔ غریبوں کی تقدیریں ایک ہی سیاہی سے لکھی گئی تھیں وہ سمجھ گئی تھی۔ رقیہ کے نشہ زدہ باپ کو دیکھ کے وہ باقاعدہ ہنسی تھی اسکا باپ بھی تو ایسا ہی تھا۔ مگر خدا سے تجارت تو کوئی بھی کر سکتا تھا وہ امیر ہو یا غریب اپنے بیگ کی اندرونی جیب سے پانچ سو کا تڑا مڑا سا نوٹ جو اچھرہ سے ایک نازک سے خوبصورت جوتے کے لیے اس نے سنبھال رکھے تھے رقیہ کی ماں کو تھا کہ وہ واپس آگئی تھی۔ واپسی پہ ماں کے فقرے کانوں میں گونجے ’واپسی پہ کسی سے ادھار لے آنا فرزانہ

مہمان کو مرغی کا سالن تو کھلانا ہی پڑے گا۔ مہمان کو اپنی قمیض اٹھا کہ تو نہیں دکھانی ہوتی کہ ہمارے معدے بھرنے ہیں یا خالی۔“

افسانہ عذابِ محبت

Khushboo Online Digest 0300-7198339
khushbooonline@gmail.com

از قلم۔ ریماء صوان

لگ گئیں تھیں۔ آٹھ ماہ ہو گئے تھے دوستی کو اب اک دوسرے
تصاویر بھیجنے بھی شروع ہو گئے تھے۔

ولید! کیا ہو گیا ہے کل بھی تم سارا دن آن لائن تھے لیکن مجھ سے
بات نہیں کی کسی سچ کا جواب نہیں دیا۔ اب آج بھی صبح سے
تسلیں مسیج کیسے ہیں سارا دن ہو گیا تمہارا کوئی جواب نہیں آ رہا۔
وانیہ بہت پریشان تھی۔ ولید دو دن سے بات نہیں کر رہا تھا۔

وانیہ! پلیز ڈونٹ ڈسٹرب می۔۔۔۔۔

میں نے نیا بزنس اشارت کیا، ہے میں کام میں مصروف رہتا
ہوں۔ میرے پاس فالو وقت نہیں کہ یوں تم سے باتیں کرتا
رہوں۔

وانیہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے مسیج پڑھ رہی تھی۔

ولید! کک، کیا،،،،، کہہ رہے ہو۔۔۔۔۔

وانیہ نے ریکارڈنگ بھیجی تھی اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔

وانیہ! میں سچ کہہ رہا ہوں۔

مزید وقت یوں برباد نہیں کر سکتا۔

ولید کی ریکارڈنگ موصول ہوئی تھی۔

ولید! میں تمہارے بنا اک لمحہ نہیں رہ سکتی۔ تم بھی تو مجھ سے بے

پناہ محبت کرتے ہو۔ تم کب اپنی امی اور بہن کو بھیج رہے ہو رشتہ

سانسوں نے باندھی ہے

ڈوریا

تہورے لیے ہمارا

بھڑکے جیا

ولید! کیا ہو رہا ہے۔

وانیہ نے مسیج کیا تھا۔ اور انتظار کر رہی تھی کہ رہ پلاء آے گا۔

موبائل پر نظریں جمائے کیپوٹر پر بھی سرسری نگاہ ڈال رہی
تھی۔ جہاں اس کا من پسند گانا چل رہا تھا۔

میری جان! آفس میں ہوں۔ بہت اپورٹ مینٹگ ہے دعا

کرنا کامیابی نصیب ہو۔

ولید احمد کا ٹیکسٹ نہیں داس مسیج موصول ہوا تھا۔

اللہ پاک تمہیں تمہارے تمام مقاصد میں کامیابی حاصل کرائے۔

وانیہ نے خوشی سے چور و غائب انداز میں داس مسیج کیا تھا۔

دونوں باتوں میں مشغول ہو گئے تھے۔ ولید کو وانیہ سوشل میڈیا

کے فرینڈ شپ فور ایوار گروپ میں ملی تھی۔ شروع شروع میں

اک دوسرے کی پوسٹ کو لائک کرتے تھے۔ پھر گمنش اور دوستی

وقت کیساتھ ساتھ بڑھتی گئی تو دن رات انباکس میں باتیں ہونے

افسانہ

جان

گل ارباب - پشاور

Email: khushboodigest@gmail.com Khushboo Online Digest 0300-7198339

ڈرتے ڈرتے شرمندہ سی بھا بھی نے ناامیدی کی خبر بے لفظوں میں سنا دی تو شہر کی بڑی بڑی گاینا کالوجسٹس کے چکر شروع ہو گئے۔ پہلی بار ڈاکٹر صبا نے اس سے پوچھا شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟

اور جب معصوم سی خوبصورت کنول نے بتایا کہ دو مہینے تو وہ چوکیں شاید مجھ سے سننے میں غلطی ہوئی ہے کیا آپ دو سال کہنا چاہ رہی ہیں؟ انھوں نے پھر پوچھا تھا۔

جی نہیں دو مہینے کیا مصیبت ہے جہالت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ میرے 30 سالہ کیریئر میں یہ پہلا کیس ہے بی بی کہ شادی کو ابھی دو مہینے ہوئے اور..

انھوں نے اسے لہنے کا اشارہ کیا۔ اور اسکے چیک اپ کے بعد حیرت زدہ انداز میں اسے دیکھنے لگیں۔

تم تو شادی شدہ نہیں ہو۔ وہ مشکوک سی اسے دیکھ رہی تھیں۔ کنول گھبرا کر رو نے لگی۔

شادی کی پہلی رات ہی وہ جان گئی تھی کہ کچھ ایسا ہے جو نارمل نہیں ہے لیکن شرمندہ سی نے اسکی زبان پہ اک بڑا سا تالا لگا دیا تھا اور یہ تالا بے باکی و بے شرمی کی چابی سے ہی کھل سکتا تھا۔ لیکن ہمارے ہاں کی عورت یہ چابیاں ڈال کی تجوری میں رکھ کر اوپر سے اک اور تالا لگا دیتی ہے اور وہ تالا ہوتا ہے مصلحت اور سمجھوتے کا تالا اس تالے کی بھی اک چابی کبھی ہوتی ہوگی لیکن زیادہ تر عورتیں یہ چابی جان بوجھ کر رکھیں رکھ کے بھول جاتی ہیں۔ ورنہ تو گمشدہ چیز کے لیے انا اللہ وانا الیہ راجعون "پڑھو تو مل جاتی ہے مگر کوئی عورت اس چابی کے لیے یہ نہیں پڑھتی۔ زندگی کا سفر طے کرنے کے لیے

مصلحت اور سمجھوتہ ہی تو عورت کا زادراہ ہوتا ہے۔ وہ یعنی کہ جاناں، قربان علی کی تیسری بیوی تھی۔ قربان علی چار جوان بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا پہلی شادی ماں بہنوں کی مرضی سے ہوئی اور بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ شادی

کے دوسرے مہینے ہی سے سبچے کی امید کیوں نہیں ہوئی کی تکرار شروع ہو گئی تھی اور یہ تکرار ساس اور نندوں کی جانب سے تھی جن کے سارے ارتانوں کا مرکز قربان علی تھا۔ تیسرے مہینے بھی جب

مگر مگر...

وہ تو جی شیر جیسا اونچا لمبا مردھے یہ چوڑا سینہ ہے اس کا...
 بکو اس کرتی ہے یہ ڈاکٹر کے سامنے ہی ساس نے کنول کے زرد
 کھلائے ہوئے چہرے پہ غضب سے بھر پور اک نظر ڈالی اور
 ہاتھ سے پکڑ کر یوں گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئی جیسے وہ انسان نہ ہو
 آنے کی بوری ہو..

گھر پہنچتے ہی اس نا اندیش عورت نے ایسا گھسان کارن ڈالاکہ
 ماں بیٹیوں کی چیخیں سارا محلہ سننا رہا قربان علی یوں ملاستی انداز
 میں اسے گھورے جا رہا تھا جیسے سارے قصور اسی کے ہوں۔
 اماں قسم کھاتی ہوں میں نے کچھ نہیں کہا۔

وہ منمنائی مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا؟
 ارے کم بخت اگر غیرت مند ہوتی تو شوہر پہ یوں تہمت لگانے
 سے پہلے زہر کھا کے مر جاتیں ساس کی اس بات پہ اس نے باری
 باری سب نندوں اور پھر شوہر کو دیکھا مگر سب تائیدی نگاہوں
 سے ساس کو دیکھ رہے تھے۔

وہ صحن سے بھاگتی ہوئی گودام میں گھس گئی۔
 اور جب باہر نکلی تو اسکے ہاتھ میں گندم میں رکھی زہریلی گولیاں
 تھیں۔

محلے میں اک عورت نے شوہر کی دوسری شادی سے دلبرداشتہ ہو کر
 ایسی گولیوں سے خودکشی کی تھی۔

تب کنول گلی میں کھیاتی ہوئی میت والے گھر گھس گئی تھی آج بھی
 اسے یاد تھیں ان باجی عذرا کی وہ پھٹی پھٹی آنکھیں سفید کنن میں
 نیلا چہرہ۔

اس نے گولیاں سب کو دکھائیں میں یہ کھا کر خود کو ختم کر لوں تب تو

مجھے بتاؤ سب سچ سچ دیکھو تم میری بیٹی جیسی ہو۔

ڈاکٹر سے کچھ نہیں چھپاتے۔ ڈاکٹر صبا کو اس پر رحم آ رہا تھا۔
 اماں کہتی تھیں اچھی بیویاں اپنے شوہر کی عزت کا خیال اپنی زندگی
 سے بھی بڑھ کر رکھتی ہیں۔

وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔
 ڈاکٹر صبا نے اپنا سر پکڑ لیا۔
 بیٹا اچھے شوہر کے بھی تو کچھ فرائض ہوتے

اگر تمہارے شوہر کسی بیماری یا کمزوری میں مبتلا ہیں تو انکو اپنا علاج
 کروانا چاہئے۔

مگر ایسے مردوں میں تو اتنی اخلاقی جرات بھی نہیں کہ اک نارمل
 عورت کو جو بد قسمتی سے انکی بیوی ہے
 کی بے گناہی کی گواہی دے دیں۔

ڈاکٹر صبا نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔
 انکی پیشہ ورانہ زندگی میں سینکڑوں بار ایسا ہوا تھا کہ بیمار شوہر ہوتا
 مگر علاج اور قصور عورت کے حصے میں آتا۔

بلا واپنی ساس کو کہ میں انکو سمجھاں جانے کیوں یہ مائیں بیٹوں کی
 باری میں کم عقل اور نا سمجھ بن جاتی ہیں۔

خدا کے لیے ڈاکٹر صاحب انکو نہ بتائیں میں آپکی منت کرتی
 ہوں وہ گڑ گڑانے لگی۔

مگر قربان علی کی ماں اندر آ چکی تھی۔
 ڈاکٹر نے ساری رپورٹس اسے تھمائیں وہ ساکت سی کھڑی خوفزدہ

انظروں سے اپنی ساس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔
 یہ آپ کی بہو بلکل ٹھیک ہے آپ اپنے بیٹے کو کل ٹیسٹس کے

لیے بھیج دیں۔

طرف دیکھا جس کا نام تو میمونہ تھا مگر معصومیت بلکل وہی تھی۔ جسکے قتل میں خود انھوں نے بھی اپنا حصہ ڈالا تھا۔ ڈاکٹر نے اک لمحہ کچھ سوچا ٹیسٹ دراز میں رکھ کر کہا سب ٹھیک ہے بس دعا کریں جب اس کو منظور ہوگا دامن خوشی سے بھر جائے گا۔ میمونہ نے شکر گزار نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھا۔

ایک سال تک بچے کے نہ ہونے کو لے کر گھر میں وہ حالات بنا دیئے گئے کہ رات بھر شب بھر کی بیماری سانپ بن کر ڈستی اور دن بھر اسکی سزا میں زھریلی باتوں کا زھرا سکی رگوں میں اترتا رہتا۔ سخت جان تو تھی مگر دو دو زھرا لے کے اسے مار گئے۔ اس نے گندم والی گولیاں نہیں کھائیں مگر کفن میں لپٹا چہرہ پھر بھی بنیلا تھا۔

عورتیں مہبت پہ چہ گونیوں میں مصروف تھیں دماغ کی رگ پھٹ گئی تھی بیچاری کی۔ اولاد کے لیے تین تین بچے دوسری نے ہاتھ ملے۔ اور اب آئی تھی جاناں

زندگی سے بھرپور یہ لڑکی بہت سے خواب آکھوں میں سجائے قربان علی کی زندگی میں شامل ہوئی تھی۔ متوسط طبقے کی ہزاروں خواہشات دل میں چھپائے وہ لڑکی اچھی زندگی کی تلاش کا حاصل سمجھ رہی تھی قربان کو۔ وہ اسکے آفس میں سیکٹری کی جاب کرتی تھی قربان علی نے ماں بہنوں کی شادی کی تکرار سے جگ آ کر اک دن جاناں کا نام لے لیا۔ جاناں قربان علی کی دولت اور شان دیکھ کر بخوشی اس شادی کے لیے مان گئی تھی۔

میری بے گناہی کا یقین کر لو گے نا آپ لوگ؟ اسکا پورا جسم کانپ رہا تھا کسی نے نہ روکا۔

اک پل کو اسے پانی سے گولیاں نکلنے دیکھ کر قربان نے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر ماں کی غضب ناکی نے اسکے قدموں میں زنجیر پہنا دی۔ کنول کا جنازہ اٹھتے ہی۔

ماں بہنوں نے قربان کی دوسری شادی کے لیے کھسر پھسر شروع کر دی تھی۔ دوسری بیوی تیسرے مہینے ڈاکٹر صبا کے روبرو تھی۔ جی دمہینے ہو گئے ہیں شادی کو۔ ڈاکٹر نے اسے گھورا۔

ایسی ہی اک لڑکی کچھ مہینے پہلے بھی آئی تھی۔ کیا ہو گیا ہے اس معاشرے کو اللہ پہ توکل ہے نہ ایمان کامل ہے۔ بس تیسرے مہینے ہی ڈاکٹر۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی اسے چیک کرنے لگیں۔

ساس کو دیکھتے ہی پہچان کر ڈاکٹر پوری کہانی سمجھ گئی تھی۔ پہلی والی کا کیا بنا؟ گہرا طنز تھا ڈاکٹر کے لہجے میں۔

اسی دن خود کشی کر لی تھی اس کا موصی ڈاکٹر نے۔ مگر کیوں؟ ڈاکٹر کی آنکھوں کے سامنے اس معصوم کا گڑبڑاتا ہوا چہرہ آ گیا۔

بچھتاوا تھا کہ آپکے سامنے شوہر پہ کیوں جھوٹا الزام لگایا۔ ڈاکٹر نے افسوس بھرے انداز میں سامنے بیٹھی اک اور کنول کی

چالیس تولہ سونا اور دس لاکھ روپیہ اور دو جریب زرعی زمین نکھی
ھے حق مہر میں۔

جاناں بیگم میں تمہیں طلاق دوں گا؟ کیوں پاگل ہوں میں
_____؟

بالا خرا سے حارمان کر ڈاکٹر کے پاس جانا ہی پڑا۔

ڈاکٹر صبا نے اسے ساس کے ساتھ دیکھ کر افسوس بھرے انداز میں
اک آہ بھری اور ساس کو کمرے سے نکال دیا۔

مجھے ضرورت نہیں کہ تمہارا معائنہ کروں۔

کیونکہ میں جانتی ہوں تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور یہ بھی
جانتی ہوں کہ کیا ہونے والا ہے۔

نہیں ڈاکٹر صاحب اب کی بار تاریخ بھرائی نہیں جائے گی بلکہ ان
بشالکھ نئی تاریخ رقم ہوگی۔

بین جاناں ہوں کنول بی بی یا میمونہ گل نہیں ہوں۔

اسکی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ خود کو چالے گی۔

ڈاکٹر صبا نے مسکراتے ہوئے کہا

شاباش بیٹی عورت صرف ظلم کرنے کے لیے دنیا میں نہیں آئی ہمیں
اپنی سوچ بدل کر ہی اپنی زندگیاں بچانی ہوں گی۔

آخر مرد کی ہر کمزوری کی سزا عورت کیوں ہے؟

جو بیمار ہے علاج اس کا ہونا چاہئے۔

جو صحت مند ہے اس کا علاج کیوں؟؟

میری جب بھی ضرورت پڑے میں مایوس نہیں کروں گی۔

وہ ہنستی مسکراتی باہر نکل آئی۔

گھر پہنچ کر ساس نے خوشخبری سنائی۔

ڈاکٹر نے پہلی بار اسے دلائی تھی کہ جلد ہی امید پیدا ہوگی۔

حالانکہ ایاز آحمد اسکی خالہ کا خوبو بیٹا بہت چاؤ سے اپنی اماں کے
ساتھ اسے مانگنے آیا تھا۔

لیکن جاناں بہت پریکٹیکل مائینڈ کی لڑکی تھی اسے چھوٹی چھوٹی
خواہشات کے لیے ترس ترس کر باقی کی زندگی گزارنے سے ڈر
لگتا تھا۔

ایاز آحمد بہت مایوس تھا مگر جاناں مطمئن تھی اپنے فیصلے پہ۔

لیکن شادی کی رات کے انکشافات نے اسے سمجھا دیا تھا کہ اب
اسے تاریخ دھرائی ہے نہ ہتھیار ڈالنے ہیں بلکہ اس نے اسی

رات اس نے کچھ فیصلے کر لیے تھے اور ان فیصلوں میں ایک نئی
تاریخ رقم کرنے کا فیصلہ بھی تھا:

دوسرے مہینے سے اولاد کی کہانی دھرائی جانے لگی تھی۔

قربان علی اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بڑی ڈھٹائی سے
اسے گانگا کالجوسٹ کے پاس لے جانے والا اماں کا فیصلہ سنار جا

تھا۔

وہ ساکت سی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

مگر میں تو بالکل ٹھیک ہوں علاج کی ضرورت آپکو دھے قربان۔

اسکی اس بات پہ بہت زور کا تھپڑا اسکے گال پہ نشان چھوڑ گیا تھا۔

جاناں ایک ہاتھ سے گال ملتے ہوئے اسے کمرے سے باہر جاتا
دیکھ رہی تھی۔

مجھے طلاق چاہیے۔

وہ کمرے میں واپس آیا تو جاناں فیصلہ کر چکی تھی۔

ایاز آحمد کی منتظر نگاہوں کا تصور اسے اس فیصلے پہ جسے رہنے کا
حوصلہ دے رہا تھا۔

قربان نے زوردار قبضہ لگا پایا۔

اماں میں بھائی کو فون کرنے لگی ہوں بڑی والی کہہ رہی تھی۔
ارے پاگل ایسے ہی نہ سنا یہ خبر اسے فون کر ساتھ منھائی لے کر
آئے میں اسے خود بتاؤں گی۔

ٹیسٹ کی رپورٹ سامنے میز پر پڑی تھی۔
قربان علی کا منہ بیٹھا کر کے جو خبر اسے سنائی گئی تھی۔
وہ اسے آسمان کی بلندی سے پاتال کی پستی تک لے گئی تھی۔
اسکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
جاناں فاشخانہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
یہ جھوٹ ہے۔

وہ چیخا۔

بدچلن عورت کس سے منہ کالا کر کے آئی ہو؟

جلدی سے بتاؤ وہ حسب عادت اسکے بال مٹھی میں پکڑ کر کھینچتے
ہوئے پوچھ رہا تھا۔

کمرے میں موجود سبھی لوگ نہ سمجھنے والی کیفیت میں یہ سب تماشہ
دیکھ رہے تھے۔

آخر جانناں کا باپ اٹھا اور تکلیف سے تڑپتی بیٹی کے بال چھڑانے
لگا۔

کیا قصور ہے میری بیٹی کا؟

وہ غریب ضرور تھے مگر بے غیرت نہیں تھے کہ چپ چاپ دیکھتے
رہتے۔

یہ بد کروار ہے اماں۔

اس کے پیٹ میں میرا بچہ نہیں کسی اور کا گناہ ہے۔

اماں سے پہلے ہی وہ بول پڑی۔

ثبوت دوسب کو ثبوت چاہئے؟

جاناں نے دیکھا قربان علی نظریں چرائے اپنے ناخن دانت سے
کاٹ رہا تھا۔

وہ مسکرا کر اندر چلی گئی۔

ابھی شادی کو پانچواں مہینہ لگا تھا۔

ساس نے دبے لفظوں میں پوچھا تو جانناں نے شرماتے ہوئے جو
بتایا وہ ساس مندوں کو سرشار کر گیا اور قربان علی کو بے قرار۔

تنہائی میں اسکے بال پکڑ کر بے وردی سے کھینچتے ہوئے پوچھا۔

یہ کیا ڈرامے کر رہی ہوں؟

کچھ نہیں وہ دروئے کر رہتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

ڈاکٹر نے طاقت کی گولیاں دی تھیں جسکی وجہ سے طبیعت خراب ہو
سکتی ہے۔

اس نے بال چھوڑ دیئے تھے مگر جانناں کو دروا ب بھی ہورہا تھا۔

دوسری صبح کی ابتدا ہی ایسی تھی کہ قربان علی کا ماتھا ٹھنکا۔

وہ داش روم میں بڑی بڑی الٹیں کر رہی تھی۔

کھانا پینا بھی نہیں کر رہی تھی۔

دو چار دن گزرے تو ساس اسے پھر ڈاکٹر صبا کے کلینک لے گئی۔

ڈاکٹر نے پریگنسی ٹیسٹ اسے ٹھمایا۔

ڈاکٹر نے ساس کو اندر بلایا اور مبارکباد دی۔

بہت مبارک ہو بی بی تمہارا ارمان اللہ نے پورا کرنے کی امید
پیدا کر دی ہے۔

ساس تو خوشی سے ناپنے لگی۔

گھر پہنچ کر ساس نے بیٹیوں کو بلایا۔

جانناں کے والدین کو بھی بلا لیا آخر اتنی بڑی خوشخبری تھی کوئی
معمولی بات تو نہیں تھی۔

اتنے میں قربان علی کے موبائل پہ رنگ آئی .
گھر اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ کال رسیو کرتا.
بڑی کاشوہر بھی کمرے میں موجود تھا.
اس نے ٹیبل پہ رکھا فون اٹھایا.
جی ڈاکٹر صبا فرمائے .

کیا؟ دوسری طرف کی بات سن کے اس کے ہاتھ سے فون گر گیا.
وہ بت بنے سب چیزوں کو باری باری دیکھ کر جو بولا اس نے
کمرے میں موجود سبھی لوگوں کو بوکھلا دیا.
ڈاکٹر صبا کا فون تھا وہ کہہ رہی تھیں.
کہ جاناں زوجہ عزیز گل کی ٹیسٹ فائل جاناں قربان علی کے ساتھ
بدل گئی ہے.

یہ غلطی لیڈ بارٹری والے کی ہے پلیز آپ اپنی فائل لے جائیں.
انٹھوں نے کہا ہے کہ جاناں قربان علی کی پریگنسی رپورٹ ٹیکسٹ
تھی.

جاناں اس نارچرٹیل سے واپس گھر جاتے ہوئے.
گل ارباب
ڈاکٹر صبا کو شکریے کا میج کرنا نہیں بھولی تھی

☆.....☆.....☆.....☆

فائدہ ثبوت مانگی ہو مجھ سے؟ وہ منہ سے جھاگ نکالتے ہوئے
غصے سے بھر ادرڑتا ہوا اندر گیا اور ایک منٹ میں اک فائل ہاتھ
میں لیے واپس آ گیا.

یہ ہے ثبوت اس نے فائل
سامنے پڑی ٹیبل پہ پھینک دی
میں کبھی باپ نہیں بن سکتا ڈاکٹر نے مجھے جواب دیا ہوا ہے..
یہ دیکھ لو ثبوت۔
اس کی بدچلنی کا۔

اک پیراڑ تھا جو کمرے میں موجود لوگوں کے سروں پہ گرا.
سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے.
بڑی بہن نے شادی شدہ ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فائل اٹھا
کر پڑھ لی.

جاناں سر جھکائے کھڑی تھی.
اس کے باپ نے بھی سر جھکایا ہوا تھا.
جاناں نے چپکے سے سب کی نظر بچا کر ڈاکٹر صبا کو مسڈ کال دی.
میں تمہیں طلاق دیتا ہوں

طلاق
طلاق
قربان علی چیخا..

جاناں کے والدین نے سر پکڑ لئے.
ہائے قربان علی یہ کیا کر دیا.
ساری دولت دے دی اس بدچلن کو.
لعنت بھیجتا ہوں اس پہ بھی اور اس دولت پہ بھی.
اس کا غصہ دیوانگی کی حدوں کو چھو رہا تھا.



Email: khusboo001gest@gmail.com Khushboo Online Digest 0300-7198339

ہے اور سب ڈھلنے لگتا ہے نگاہوں کو خیرہ کرنے والا حسن ماند پڑنے لگتا ہے، ذہانت تھکنے لگتی ہے اور شوخیاں دکھوں کی ردا اوڑھ کر سو جاتی ہیں تب ہم خواب سے جاگتے ہیں تو آئینے ہمیں کیا دکھاتے ہیں؟ آئینے ہمیں ہمارا اصل دکھاتے ہیں ہمیں دکھاتے ہیں ہماری ادقات اور چیخ چیخ کر پوچھتے ہیں:

اے مٹی سے بنے ہوئے پتلے، اب بتا!! بازار حرص و طلب میں کیا داد پر لگائے گا؟ اس مٹی کے کتنے دام لگیں گے؟ اس کو آگ بنا کر کیسے دلوں کو سلگائے گا؟

آئینہ ہم پر قہقہے لگانے لگتا ہے، مول کو بھی یہی محسوس ہوا۔ اس کیسے کا ہر آئینہ، دنڈوز اور گلاس ڈورز اس پر قہقہے لگا رہے تھے اس کے رعونت زدہ چہرے کا مذاق اڑا رہے تھے اور وہ کسی مٹی کے خالی برتن کی مانند دکھ رہی تھی جس کے سب رنگ بارش میں دھل گئے ہوں اور اصل سامنے آ گیا ہو

یہ زیادہ پرانی بات نہیں تھی جب اس نے اپنی بہترین سہیلی حمی سے یہ شرط لگائی تھی کہ وہ اس سے بوائے حسن علی کو اپنا دیوانہ بنا لے گی وہ حسن علی جو اس کی حشر سامانیوں سے قطعی بے نیاز نظریں جھکائے اپنے ہمہ وقت اپنے کام میں مصروف دکھاء دیتا جانے کس مٹی کا بنا تھا وہ مول طاہر سے نظریں چرا لینا، دامن چمڑا لینا

یہ کیسی جنگ تھی جو مول طاہر نے ہاری تھی، یہ شکست خوردگی کا کیسا احساس تھا حسن و رعناء کا پیکر پاش پاش ہو چکا تھا تبخیر دل کے لیے جو راستہ اس نے چنا تھا وہ راستہ تو اندھیروں پر اختتام پذیر ہوا وہ شخص روشنوں کا عادی ہوتا تو جلوہ حسن کو دل میں گھر کر لیتا وہ تو تا عمر تیرگیوں کا ساتھی رہا تھا اب کیا کرے گی وہ؟ حسن و رعناء کے یہ جلوے، باتوں میں جادو، انداز میں سپردگی، شگفتہ چہرہ اور بدن سے پھوٹی روشنی لے کر کہاں جائے وہ؟ جب اس شخص کو پذیرا کے راستوں کی خبر بھی نہ تھی جب وہ ان راہوں کا مسافر تھا ہی نہیں وہ تھی دامن تھی، جبر ماری تھی، یہ نصیب تھی کیونکہ اس کی ساری جہد کا انحصار جس عارضی اور ناپائدار حسن پر تھا، وہ اس شخص کے نزدیک ایک نکلے کی حیثیت نہ رکھتا تھا،

مول طاہر کو یہ احساس بھی ابھی ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی جنگ یوں ہی تو ہارتا ہے جیسے کچھ لمحے قبل وہ ہاری تھی ہم دلوں میں گھر کرنے کے لیے، محبوب کی نظر التفات کی خاطر کتنے عارضی سہاروں کے محتاج ہو لیتے ہیں کیسے کیسے بت ہیں جو دلوں میں پالتے ہیں دلفریبی کا بت، حسن کا بت، سادگی کا بت، ذہانت کا بت، شوخیوں مستیوں اور اداوں کے بت پھر اک بت شکن لمحہ آتا

سے ایک شانے پر ڈالتی اور تک تک کرتی ہیل کے ساتھ جب مال میں داخل ہوتی تو کتنی ہی نگاہیں پلٹتا بھول جاتی تھیں مول اک ادا سے مسکراتے ہوئے محسن کے کاؤنٹر پر رکتی اور اس کی آنکھوں کے عین سامنے سرخ نیل پالش سے جچی ہوئے مخروطی انگلیاں دن سے کاؤنٹر بجا کر بولتی، "کیا حال ہیں مسٹر محسن؟" محسن شروع شروع میں گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتا اور بدستور نگاہیں جھانکے ہوئے کہتا، "جی میم! آپ کیا پسند فرمائیں گی؟" "مول کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہتی، "واقعی جاننا چاہتے ہو؟" محسن کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگتے آہستہ آہستہ وہ اس کے آتے ہی خود کو کسی غیر ضروری کام میں مصروف رکھنے لگا مول پیچ دتا بکھا کر رہ جاتی آج آکیس دن ہو چکے تھے اور محسن علی نے اب تک اس پر نگاہ بھی نہ ڈالی تھی کجا کہ وہ متاثر نظر آتا مول کی بے چینی اور اضطراب بڑھتا جا رہا تھا بایسویں دن اس نے بہت سوچ بچار کے بعد اپنا نمبر اس کے کاؤنٹر پر رکھ کر کہا، "یہ کچھ آٹمز ہیں جن کی لسٹ میں تمہیں دے رہی ہوں، جیسے ہی اوپلیبل ہوں! مجھے پھر سے کسریہ انفارم کروینا۔" محسن نے سر ہلا کر لسٹ اور نمبر اٹھا لیا اس کے بعد دو روز مول نے نال کا رخ نہ کیا یہ روز اس پر کسی قیامت کی طرح بیتے۔ کیوں؟ یہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی اس پر پل بھی محسوس ہوا جیسے کوہ اہم چیز بھول گئے ہو وہ ننگے پاؤں فون ہاتھ میں تھامے بالکونی پر شہلاتی رہتی اور کسی بھی کال پر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا ان دونوں میں اس نے بار بار خود سے سوال کیا کہ کیا "آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا" کے مصداق وہ محسن علی جیسے معمولی انسان سے ہار رہی ہے؟ مگر ہر بار اس کے انا کے بت نے اسے اپنے حصار میں باندھ لیا بتوں کے پجاری کے لیے اقرار کا مرحلہ کٹھن ہوتا ہے تسلیم و رضا کی

آسان تھا کیا اور پھر مول یہ کیسے برداشت کر لیتی کہ ایک عام سی شکل و صورت والا عام سا لڑکا اس کے دلفریب حسن کو جوتی کی نوک پر رکھتا ہے مول کو ضدی ہو چلی تھی وہ اسے پسپا دیکھتا چاہتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ آئس کریم پارلر بیٹھے میں تمہی کے ہمراہ آئس کریم کھاتے ہوئے اس نیا ایک ادا سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے نخوت سے کہا تھا "He will be on his knees very soon. Mark my words my dear!!" محسن نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا اور پھر سوال واغا، "کیا حربہ استعمال کرنے والی ہو تم؟"

مول طاہر کی منگنی گہری ہوگ، "تمہیں لگتا ہے کہ مجھے کسی حربے کی ضرورت ہو سکتی ہے۔" ان دونوں کا مشترکہ قبضہ فضا میں گونجا

ہو سکتا ہے وہ آئیڈل ور شپرنہ ہو، آئیڈل بریکر ہو؟" محسنی کے سوال نے پل بھر کے لیے سوچ میں ڈال دیا مگر اگلے ہی پل وہ طمانیت سے مسکرا "ہر شخص اندر سے بت پرست ہوتا ہے ماہ بیسٹی " وہ محسنی کو لا جواب کر چکی تھی

ٹھیک ہی تو کہا تھا مول نے ہر شخص اندر سے بت پرست ہی تو ہوتا ہے مٹی کے کھلونوں کا پجاری سوان دونوں کے درمیان بحث کا اختتام ایک شرط لگانے پر ہوا شرط کے اصول و ضوابط اور قاعدے مقرر کیے گئے معاملہ ایک ڈیزائنر ڈریس پر ختم ہوا شرط کے اختتام کی معیا و ایک ماہ مقرر ہو

اور یوں مول طاہر نے محسن علی کو مشتق ستم بنانے کا فیصلہ کیا اس ایک ماہ کے دوران اس نے محسن علی کے دل کو آزما یا وہ مہنگی تی کار سے اترتی، من گلاسر بالوں پر جاتی، ہینڈ بیگ کو لا پرا دہی

ہو؟" اس کا انداز استہیز ایسے تھا جس نے چونک کر سر اٹھایا اس کی آنکھوں میں پل بھر کے لیے اداسی کی جھلک دکھائی اور اگلے ہی پل وہ دھیرے سے مسکرایا "آپ کو ایسا کیوں کر محسوس ہوا؟"

مول نے جواب دینے سے پہلے پل ہر سوچا "مجھے لگتا ہے کہ تم مضبوط نظر آنے کی اداکاری کرتے ہو" "حسن کو بات ناگواری گزری تھی اس کی پیشانی پر لکیروں کا جال سا بن گیا اور تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر وہ دھیمے مگر سرد لہجے میں کہہ رہا تھا

"میم! میں اپنے کردار پر حرف برداشت نہیں کر سکتا آپ نے مجھے ایک ماہ تک مسلسل زنج کیے رکھا اور میں نہیں جانتا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا شاید یہ دل لگی آپ کی کلاس کے چونچلوں میں شامل ہے مگر مجھے خود پر فخر ہے کہ میں محسن علی اپنے تمام تر وقار اور پائیزی کے ساتھ اپنی نظر میں سرخرو ہوں امید ہے کہ آپ میری اپروچ سمجھ گئی ہوگی اور آئندہ مجھ سے فاصلے پر رہیں گی میں آپ کے قابل نہیں ہوں اور آپ کو اپنے قابل بھی ہرگز نہیں سمجھتا"

کوہ جم تھا جو اس نے مول کے سر پر پھوڑا تھا وہ پھری ہوئی شیرنی کی مانند بولی "تم ہو کیا چیز میسر، صرف میری ایک شرط کا حصہ جو میں نے اپنی ایک دوست سے تم پر لگا رکھی تھی ہاں!! میں شرط ہار گئی ہوں مگر یہ مت سمجھنا کہ تم جیسے معمولی انسان کے لیے اپنا آپ بھی ہار گئی ہوں"

مول کہہ کر وہاں سے چل دی اس کا دل چیخ چیخ کر اس کی بات کی نفی کر رہا تھا اس پر قہقہہ لگا رہا تھا وہ شکستہ قدموں سے اپنی گاڑی تک آئے اور آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے فون کان سے لگاتے ہوئے بیکہ رہی تھی

"گیٹ ریڈی جمنی، تمہیں ڈر لیں لے کر دینا ہے"

آگ میں تو وہ کودتے ہیں جن کی دل اپنی خود ساختہ انا کے خول سے آزاد ہوں مول خود کو کیسے آزاد کر پاتی سو بیوی وجہ تھی کہ تیسرے دن صبح نو بجے محسن کی کال آئی تو اس نے "میرا ڈرائیور آ کر سامان لے جائے گا" کہہ کر فون بند کر دیا یاد لگ بات کہ اس کے بعد اس کا جی کسی کام میں نہ لگا اس کے بعد مول نے چار مرتبہ مال کا رخ کیا مگر ہمیشہ کی طرح محسن کی نگاہوں کو جھکا ہوا پایا مول طاہر کا اضطراب بڑھ رہا تھا وہ ہار رہی تھی یہ شکست خوردگی کا کیسا احساس تھا اب کیا تھا اس کے پاس جسے وہ داد پر لگاتی؟ شرط جیتنے سے زیادہ اسے اپنے دل کی فکر ہو چلی تھی جو اسے رسوا کرنے چلا تھا

بالآخر تیسویں روز اس نے محسن سے دو نوک بات کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا اسے شاپنگ مال کے ساتھ واقع کیفے میں بلا کر وہ اس کی منتظر بیٹھی تھی مول یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ آئے گا یا نہیں مگر ہر آہٹ پر اس کا دل دھڑکنے لگتا کیفے کے دروازے سے اندر آتا ہوا ہر شخص اسے محسن علی سا دکھتا "مول!! کب تک جھوٹی انا کا خول چڑھائے اپنا کرچی کرچی وجود سمیٹے رکھو گی" اس نے ہاتھ کی پشت سے اپنے بچے آنسو صاف کیے اور محسن کو آتے دیکھ سنبھل کر بیٹھ گئی اب وہ پرانی مول تھی چہرے پر طنطنہ، انداز میں غرور اور آنکھوں میں سامنے والے کے لیے حقارت رسمی سلام دعا کے بعد محسن اس کے عین سامنے بیٹھ گیا سر جھکائے، نگاہیں چرائے

"میم! آپ اپنی مطلوبہ اشیا کی لسٹ مال میں دے دیتیں۔"

محسن کے انداز میں ناگواری کی جھلک تھی

مول کا چہرہ تہمتا اٹھا وہ رکھاء سے بولی "میں نے تمہیں یہاں اس لیے بلا یا ہے کہ میں جانا چاہتی ہوں، تم مجھ سے اتنا ڈرتے کیوں



اللہ آج تو اس نے میری اتنی تعریف کی کیا بتاں میں روز
ہی اسکی باتوں میں چھپی ہوئی خوشی پہ مسکراتا رہتا، وہ جو
پہروں اور اس رہتی تھی اب ہر وقت خوش رہنے لگی، اس کو
مصروفیت اور ڈھیزوں دوست بھی مل گئے تھے، اب وہ
مجھ سے دیر سے آئے کا گلہ بھی نہیں کرتی تھی
لیکن جانے کیوں ہم دور ہوئے لگے، اس کو اپنی دوستیوں
کا فخر رہنے لگا وہ خاندان سے کترانے لگی، اور آج جب
وہ آئی، سی، یو میں تنہا ہے اور باہر ہسپتال کے ٹھنڈے
برآمدے میں کھڑا سوچ رہا ہوں کیسے بتاں کہ اس کے
سینکڑوں فیس بک فرینڈز کو تو علم ہی نہیں کہ وہ تنہا زندگی کی
جنگ لڑ رہی ہے۔

☆.....☆.....☆.....☆

مول طاہر تو اپنی انا اور غرور کے بت کو ساتھ لے کر لوٹ رہی تھی،
مگر دیکھنے والے یہ سمجھنے سے قاصر تھیکہ محسن علی نے ہاتھ کی پشت
سیا پنے ہتیا نسو کیوں صاف کیے؟ وہاں سے اٹھتے ہوئے اس
کے قدم کیوں لڑکھڑائے تھے؟ اس کے لبوں پر کپکپاہٹ کیوں
تھی؟ اور اس نے چلتے ہوئے دو مرتبہ دیوار کا سہارا کیوں لیا تھا
مول طاہر اپنے اندازوں میں غلط کہاں تھی؟ ہر شخص اندر سے بت
پرست ہوتا ہے، اور ان خود ساختہ بتوں کی پوجا میں محور ہوتا ہے محسن
علی وقار، پاکیزگی اور عصمت کے جس اونچے خود ساختہ رتبہ پر
فائز تھا وہاں سے اترنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا
مول طاہر اپنی انا اور تکبر کے جس بت کے سامنے گھٹنے ٹیکے رکھتی
تھی، اس نے اسے محسن علی کے سامنے جھکنے نہ دیا
دونوں ہی ہارے ہوئے جواری کی مانند لوٹ آئے
دونوں ہی اپنی اپنی جنگ جیت کر بھی ہار گئے تھے!!!!!!



وہ فون ہاتھ میں لیے ساکت بیٹھی تھی۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے اب
بھی تو خوابوں کی تعبیر پانی تھی آج اک مدت کے بعد تو اسے
اذن۔ رضامندی ملا تھا اس رشتے کے لئے، اسے چھ سال کا
عرصہ مدت ہی لگا، مگر یہ اس کے کانوں نے کیا سنا عبیر ایسا نہیں
ہو سکتا میں تم سے کیسے شادی کر سکتا ہوں تم نے کیسے سوچ لیا میں
اک راٹنگ نمبر سے شادی کروں گا جس سے میں ملا ہی نہیں،
ہیلو! عبیر تم سن رہی ہو مگر وقت جیسے اک لفظ پہ آ کے ٹہر گیا تھا
"راٹنگ نمبر..."

افسانہ

از قلم
دیا خان بلوچمخمسفر
میری

Email: dkhansha001@gmail.com Khushboo Online Digest 0300-7198339

ضرور لوٹ آئے گا، بس ضدی ہے نا بچپن سے اپنی بات منوانے کے ہی دم لے گا۔

اچھا اب چلو، اٹھو، اس کی باتوں پہ اس نے چپ رہنا بہتر جانا تھا جواب اس کے پاس تھے نہیں، اس لیے خاموشی سے اس کے ساتھ آگئی۔

دیکھو روی میں آخری بار کہہ رہی ہوں تم میری کنڈیز واپس کر رہے ہو یا نہیں، زرنش نے اس سے ایک بار پھر پوچھا تھا۔

نہیں، زومان نے اسے صاف جواب دیا اور مزے لے کر اس کی کنڈیز کھانے لگا۔ اب حوزرنش نے گلا پھاڑ کے رونا شروع کیا تو سب ہی ان کے ارد گرد آکھٹے ہوئے گئے، دادا جان سے اپنی لائٹلی کاروونا کہاں برداشت ہونا تھا فوراً اسے گلے لگالیا اور وجہ پوچھی اس نے صرف روی کی طرف اشارہ کیا تھا، سب ساری کتھا سمجھ گئے تھے، یہ روز کا معمول تھا، اور دن میں اتنی بار ہوتا تھا کہ اب کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی۔

کیوں روی آپ نے پھر زرنش کو تنگ کیا۔

نہیں دادا جان میں نے تنگ نہیں کیا بس کنڈیز لی ہیں، اس نے اپنے ننھے سے ہاتھ ان کے سامنے پھیلا دیئے تھے۔

کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں جو اپنی موجودگی کا ہمیشہ احساس دلاتے ہیں اور ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے کتنے اہم اور خوبصورت تھے، لیکن جب ہم ان لمحوں کو فراموش کر دیتے ہیں تو وہ شور مچاتے ہیں اور ہمیں پھر سے اپنے ساتھ انہی ساعتوں میں لے جاتے ہیں تاکہ ہم انہیں کبھی نہ بھولیں، آج کی رات پھر سے اسے انہیں لمحوں کی یاد دلا رہی تھیں جنہیں وہ چاہتے ہوئے بھی بھولنا پارہی تھی۔

وہی تاریخ، وہی دن مگر تم کہاں چلے گئے؟ تمہارے جانے کے بعد یہ ساعتیں، یہ لمحے تمہارے ساتھ بیٹے دنوں کی یاد دلاتی ہے۔ بھلا کوئی اپنوں سے اس طرح روٹھ کر جاتا ہے۔ پلیز اب لوٹ آؤ۔ پلیز پلیز... وہ آنکھیں بند کئے دنیا سے بے خبر بنانے کتنے گھنٹوں سے یہاں بیٹھی اس کی یاو میں آنسو بہا رہی تھی۔

زرنش، زرنش تم یہاں کیا کر رہی ہو اتنی رات ہوگی ہے اور امی بھی تمہیں یاد کر رہی ہیں، رملہ اس کی حالت سے بے خبر اپنے مخصوص لاپرواہ انداز میں بولے جا رہی تھی، اس کی خاموشی پہ اس نے غور کیا تو پتہ چلا کہ وہ رو رہی ہے۔

تم اسے یاد کر رہی ہو، ہم سب اسے بہت مس کرتے ہیں اور پھر تم دعائیں جو مانگتی ہو اس کے لوٹ آنے کی مجھے یقین ہے کہ وہ

وہی تاریخ، وہی دن مگر تم کہاں چلے گئے؟ تمہارے جانے کے بعد یہ ساعتیں، یہ لمحے تمہارے ساتھ بیٹے دنوں کی یاد دلاتی ہے۔ بھلا کوئی اپنوں سے اس طرح روٹھ کر جاتا ہے۔ پلیز اب لوٹ آؤ۔ پلیز پلیز... وہ آنکھیں بند کئے دنیا سے بے خبر بنانے کتنے گھنٹوں سے یہاں بیٹھی اس کی یاو میں آنسو بہا رہی تھی۔

زرنش، زرنش تم یہاں کیا کر رہی ہو اتنی رات ہوگی ہے اور امی بھی تمہیں یاد کر رہی ہیں، رملہ اس کی حالت سے بے خبر اپنے مخصوص لاپرواہ انداز میں بولے جا رہی تھی، اس کی خاموشی پہ اس نے غور کیا تو پتہ چلا کہ وہ رو رہی ہے۔

تم اسے یاد کر رہی ہو، ہم سب اسے بہت مس کرتے ہیں اور پھر تم دعائیں جو مانگتی ہو اس کے لوٹ آنے کی مجھے یقین ہے کہ وہ

وہی تاریخ، وہی دن مگر تم کہاں چلے گئے؟ تمہارے جانے کے بعد یہ ساعتیں، یہ لمحے تمہارے ساتھ بیٹے دنوں کی یاد دلاتی ہے۔ بھلا کوئی اپنوں سے اس طرح روٹھ کر جاتا ہے۔ پلیز اب لوٹ آؤ۔ پلیز پلیز... وہ آنکھیں بند کئے دنیا سے بے خبر بنانے کتنے گھنٹوں سے یہاں بیٹھی اس کی یاو میں آنسو بہا رہی تھی۔

زرنش، زرنش تم یہاں کیا کر رہی ہو اتنی رات ہوگی ہے اور امی بھی تمہیں یاد کر رہی ہیں، رملہ اس کی حالت سے بے خبر اپنے مخصوص لاپرواہ انداز میں بولے جا رہی تھی، اس کی خاموشی پہ اس نے غور کیا تو پتہ چلا کہ وہ رو رہی ہے۔

تم اسے یاد کر رہی ہو، ہم سب اسے بہت مس کرتے ہیں اور پھر تم دعائیں جو مانگتی ہو اس کے لوٹ آنے کی مجھے یقین ہے کہ وہ

وہی تاریخ، وہی دن مگر تم کہاں چلے گئے؟ تمہارے جانے کے بعد یہ ساعتیں، یہ لمحے تمہارے ساتھ بیٹے دنوں کی یاد دلاتی ہے۔ بھلا کوئی اپنوں سے اس طرح روٹھ کر جاتا ہے۔ پلیز اب لوٹ آؤ۔ پلیز پلیز... وہ آنکھیں بند کئے دنیا سے بے خبر بنانے کتنے گھنٹوں سے یہاں بیٹھی اس کی یاو میں آنسو بہا رہی تھی۔

زرنش، زرنش تم یہاں کیا کر رہی ہو اتنی رات ہوگی ہے اور امی بھی تمہیں یاد کر رہی ہیں، رملہ اس کی حالت سے بے خبر اپنے مخصوص لاپرواہ انداز میں بولے جا رہی تھی، اس کی خاموشی پہ اس نے غور کیا تو پتہ چلا کہ وہ رو رہی ہے۔

تم اسے یاد کر رہی ہو، ہم سب اسے بہت مس کرتے ہیں اور پھر تم دعائیں جو مانگتی ہو اس کے لوٹ آنے کی مجھے یقین ہے کہ وہ

ارے ارے تم تو رونے لگی میں تو تمہیں یہ تھنہ دینے آیا تھا، پپی
برتھ ڈے ٹویو... یہ کہہ کے اس نے چھوٹا سا باکس اس کی طرف
بڑھا دیا۔

میں چلا تم گفٹ دیکھ لو۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اور زرنش سوچ رہی
تھی کہ یہ اتنا تمیز دار کب سے ہو گیا ہے۔ لیکن گفٹ کی خوشی میں
اس نے اپنی سوچوں کو لگام دی اور باکس کو کھولنے لگی۔ جیسے ہی
اس نے ڈبے کو کھولا اس میں اسپرنگ لگا سانپ نکلا۔ یہ سب اتنا
اچانک ہوا کہ اسے کچھ سمجھ ہی نہ آیا۔ وہ بس چیخے جا رہی تھی،
جب تک سب اس کے کمرے میں آئے تب تک وہ ہوش کی دنیا
سے بے خبر ہو چکی تھی۔

جب اسے ہوش آیا تو سب اس کے پاس تھے۔ یاد آیا تو سانپ
سانپ کہہ کر چیخنے لگی۔ دادا جان بولے۔

بیٹا یہاں تو سانپ نہیں ہے، دیکھو۔ دادا جان پیار سے بولے تو
اس نے ڈرتے ڈرتے آ نکھیں کھولیں۔ سامنے کا منظر بدل چکا
تھا، وہاں اب کیوٹ سا ٹیلڈی بیئر موجود تھا، اب اسے رومان کی
شرارت سمجھ آ گئی تھی۔ وہ اب بھی ویسا ہی تھا جیسا بچپن میں ہوا
کرتا تھا۔

دیکھا چچی جان میں نے اتنا پیارا سا تھنہ دیا لیکن یہ بے ہوش ہو
گے۔ روی اچھیر رہا تھا۔

ہاں بیٹا، ہے تو پیارا۔ امی بھی اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں تو
اسے بہت رونا آیا۔ تھوڑی دیر بعد سب اپنے اپنے کمروں میں
چلے گئے تو رومان نے بیڈ کے نیچے سے وہ شاہکار نکالا جو اس نے
چھپا دیا تھا۔

لے جا اپنے تھنہ مجھے نہیں چاہیں۔ زرنش بولی۔

اس کی معصومیت پہ سب ہی مسکرا دیتھے۔ اس نے زرنش کی
کنڈیزر واپس کیس اور اسے منہ چڑا کر چلا گیا۔

دادا جان (غفنغریلی) کے دو بیٹے ہیں۔ اسز علی اور اسفند علی۔
اسز علی کو اللہ نے ایک بیٹے سے نوازا تھا جبکہ اسفند علی کو دو پیاری
سی بیٹیوں سے نوازا تھا۔ سارے گھر کی رونق انہی کے دم سے
تھی۔ رومان سب کا لاڈلا تھا۔ زرنش اور رملہ بھی گھر بھر کی جان
تھیں۔ جب سے اسز علی کیسوی کا انتقال چند سال پہلے ہوا ہے۔
تب سے روی کا زیادہ وقت حلیمہ چچی کی طرف گزرتا تھا۔

تینوں ایک ہی سکول میں پڑھتے تھے۔ رومان کی عادتیں نہ بدلی
تھیں وہی زرنش سے پڑنا اس کی چیزیں ادھر ادھر کرنا اس کے
معمول کی بات تھی۔ سکول ختم ہوا تو سب نے سکون کا سانس لیا
کہ اب ان کے راستے جدا ہیں کیونکہ روی آری میں چلا گیا تھا
اور زرنش میڈیکل میں۔ رومان کے جانے کے بعد گھر میں ایک
خاموشی کا راج تھا۔ رملہ اور زرنش ان دنوں پھیر دے کر فارغ
ہوئی تھیں جب رومان نے اچانک آ کر سب کو حیران کر دیا۔
اگلے دن زرنش کی سالگرہ تھی۔ رومان کے آ جانے سے گھر میں
رونق آ گئی تھی۔ زرنش نے سوچا اب میری سالگرہ اتنے سے
منائی جائے گی مگر اس نے ذرا غور کیا تو پتہ چلا کہ کسی کو اس کی
سالگرہ یاد ہی نہیں سب روی کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف
تھے۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ اپنے کمرے میں آگے۔ اسے
بہت دکھ ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد روی اس کے روم میں تھا۔

تمہیں کیا ہوا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟

کچھ نہیں ہوا تم جاو۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں
آنسو آ گئے۔

اب تو مان جاو نا . اتنی مشکل سے یاد کیا ہے تمہارے لیے .
وہ اس کے انداز پہ بیساختہ ہنس دی .

شکر ہے تم ہنسی تو سہی . اس نے گہری سانس لے کر کہا . چلو اب
جلدی سے کافی بناؤ پھر ہم گپ شپ کرتے ہیں .

کافی بناؤہ لائچ میں آگنی بس اب باتوں کا ناختم ہونے والا سلسلہ
شروع ہو گیا تھا . بارہ بجے تو یاد آیا کہ اسے صبح جانا ہے تو وہ اسے
شب خیر کہہ کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا .

اگلے روز سے زندگی اپنے معمول پہ آگئی تھی . رملہ اور زرنش اپنی
پڑھائی میں مشغول ہو گئے تھیں . رومان کی ٹریننگ ہو رہی تھی وہ
بھی بڑی تھا .

انہی دنوں رومان نے کال کی . سب سے بات کرنے کے بعد
زرنش سے بات کی تو پہلا سوال یہی تھا کہ مجھے مس کیا؟

نہیں بلکل نہیں . میں تو بہت مصروف رہتی ہوں . وہ مزے سے
بولی .

اچھا ، اسے نا پوی ہوئی . پر میں تو بہت یاد کرتا ہوں .

اچھا کیوں؟

بس پتہ نہیں . اچھا چھوڑو . یہ بتانا تمہاری بڑھائی کیسی جا رہی
ہے .

بہت اچھی . اس نے فوراً جواب دیا .

اچھا میں پھر کال کروں گا . اپنا خیال رکھنا . اس نے دھیسے لہجے
میں کہا .

تم بھی . اور فون بند ہو گیا تھا .

چھ ماہ بعد رومان واپس آیا تھا اسکی ٹریننگ مکمل ہو چکی تھی . جلد ہی
اس کی پوسٹنگ ہو جاتی تھی . وہ گھر آیا ہوا تھا .

ارے تم تو ناراض ہو گئے .

پلیز رومان جاو یہاں سے مجھے کچھ نہیں سننا . اس کا انداز ایسا تھا
جیسے کہہ رہی ہو کہ دفع ہو جاؤ . وہ بھی چلا گیا . اس کے جانے کے
بعد وہ بہت دیر تک روتی رہی .

اگلے روز وہی سب کچھ تھا سب کچھ معمول کے مطابق تھا . اگر
کچھ بدلا تھا تو وہ زرنش کا رویہ تھا . اب اس کا زیادہ وقت اپنے
کمرے میں گزرتا تھا . وہ چند دنوں کے لئے آیا تھا . کل اس کی
واپسی تھی . اگلی بار کب اسے چھٹی ملتی پتہ نہیں تھا . جانے سے
پہلے وہ اس کے پاس آیا تھا .

آتم ساری زرنش ، پلیز اب تو بات کرو مجھ سے . پھر پتہ نہیں میں
کب آں . میں تمہیں اس طرح خفا چھوڑ کے نہیں جا سکتا . وہ
پہلی بار اتنا سنجیدہ ہوا تھا .

کیوں میں بات کروں تم سے تم نے میرا کتنا مذاق اڑایا .

کتنا اگنور کیا . سب کے ساتھ مصروف رہے . مجھے منایا ہی نہیں
اور اب جب جا رہے ہو تو یاد آیا ہے کہ میں ناراض ہوں . اس
نے تفصیلی جواب دیا جس پہ رومان نے بہت مشکل سے اپنا تہمتہ
ضبط کیا تھا . پوری چارج شیٹ تیار تھی .

اچھا کہا نا معاف کرو ویا راب پھر ایسا نہیں ہوگا .

بس اک معافی ہماری تو بہ

کبھی جواب ہم ستائیں تم کو

لوکان پکڑے ، لو ہاتھ جوڑے

اب اور کیسے منائیں تم کو

اس نے دھیسے لہجے میں پڑھا تھا اور وہ اس کی آواز کے سحر میں کھو
گئی تھی .

اٹھ جاویا، میں بورہور ہا ہوں۔ اس نے زور زور سے دروازہ
پیٹا۔

کیا ہے سونے بھی نہیں دیتے۔ زرنش نے ہلّا خردروازہ کھول دیا
تھا۔ رملہ نہیں اٹھی؟ اس نے رملہ کو بستر میں گھسا دیکھا تو اس کی
طرف بڑھا۔

سونے دوا سے وہ نیند کی کچی ہے۔ اوکے جیسا آپ چاہیں۔ وہ
شرارت سے بولا۔ تم آو میرے ساتھ۔

زرنش اس کے ساتھ باہر آگئی تھی۔ تم لان میں چلو۔ میں ابھی
آیا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ واپس آیا تو ہاتھ
میں وہی چوڑیوں والا باکس تھا۔
یہ تمہارے لئے۔

میرے لئے۔ اس نے باکس کھولا تو خوبصورت سی چوڑیاں تھیں۔
واو بہت خوبصورت ہیں۔ اس کے چہرے پہ انوکھے رنگ تھے۔
لاؤ میں پہناؤں۔ اس نے اس کی کلائی تھامی اور چوڑیاں پہنا
دی تھیں۔

تھینک یورومی۔ یہ پہناؤ تجھے پسند آیا ہے۔ میں اسے
ہمیشہ سنبھال کے رکھوں گی۔

اور میں اس پل کو۔ دونوں کی ہنسی گونجی تھی لان میں۔
اسفر علی نے رومان سے شادی کی بات کی تو اس نے بھی کہہ دیا
کے جی میں تیار ہوں۔ اچھا میں بابا سے بات کرتا ہوں۔

جب سب بڑے بیٹھے تو غضنفر صاحب نے کہا کہ کیوں نہ رملہ اور
رومان کی شادی کر دی جائے۔

پر رملہ تو چھوٹی ہے ابھی۔ زرنش کا سوچیں بابا جان۔
بات تو ٹھیک ہے پر وہ ہر وقت بڑے رہتے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ

سب خوش تھے۔ واوا جان نے اسفر علی سے کہا کہ اب رومان کی
شادی کر دینی چاہیے۔ جج بابا، میں بھی یہ چاہتا ہوں۔ میں بات
کرتا ہوں رومی سے۔

شام میں زرنش، رومان اور رملہ لان میں بیٹھے چائے پی رہے
تھے۔ جب انہوں نے آونگ کا پروگرام بنایا۔ رملہ اندر گئی تھی کہ
سب کو بتا سکے۔ تب رومی نے زرنش کو غور سے دیکھا۔ بڑی بڑی
آنکھیں، گوری رنگت، نیولڈر کٹ باؤں میں بہت پیاری لگ
رہی تھی۔ اس کے دل میں ہلچل ہوئی تھی۔

زرنش، مجھے ایسا ایسا لگتا ہے کہ مجھے محبت ہوگ، ہے، اس کے
اچانک انکشاف پہ اس نے غور سے اسے دیکھا۔
کس سے ہوئی؟؟؟

تم سے.. اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔
اس کے جواب پہ وہ گھبرا گئی تھی۔ رومی کیا کہہ رہے ہو؟

ہاں پتہ ہے کیا کہا ہے۔ تم سے دور ہوا تو سمجھ آیا کہ تم پاس ہوتی
ہو تو سب کچھ ہوتا ہے اور جب تم نہیں ہوتی تو زندگی کا احساس ہی
نہیں ہوتا۔ مجھے تمہارا جواب چاہئے۔ وہ ابھی تک اس کی بات
پہ خاموش بیٹھی تھی۔ اب وہ کیا کہتی کہ اس کے دل نیتو بہت پہلے
بغاوت کر دی تھی۔ اس نے نے مسکرا کر سر جھکا دیا۔

اس کا مطلب ہے کہ تم بھی مجھ سے... اس کی آواز سے ہی اس
کی خوشی کو وہ محسوس کر سکتی تھی۔

اس کے بعد وہ آونگ ک لئے گئے خوب انجوائے کیا۔ شاپنگ
بھی کی۔ رومان نے چپکے سے زرنش کے لیے سرخ کانچ کی
چوڑیاں لے لی تھیں۔

اگلے دن رومان صبح سویرے ہی ان کے دروازے پہ موجود تھا۔

ہاں اب بتا کیا وجہ ہے انکار کی .

وہ بابا اصل میں رومان زرنش کو چاہتا ہے . انہوں نے صاف گوئی سے جواب دیا .

تاکہ ساری زندگی ہم ان کے جھگڑے سلجھاتے رہیں . اسفر آج ہیں کل نہیں ہوں گے پھر کیا ہوگا ، سوچا ہے تم نے . ہم بڑے ہیں ہمیں سوچ سمجھ کے فیصلہ کرنا ہے جو ان کیلئے بہتر ہو .

جی بابا ... مگر رومی ..

تم سمجھا داسے بس . اسفر علی چپ ہو گئے تھے .

رومی اور زرنش بہت پریشان تھے . رومی اسے دلا سے دے رہا تھا . اس کے دل کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی .

جب اسفر نے اسے غضنفر صاحب کا فیصلہ سنایا تو اس نے ایک ہی جواب دیا کہ وہ شادی کرے گا تو زرنش سے ورنہ کسی سے نہیں .

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا .

ناشتے کی میز پر سب موجود تھے سوائے اس کے .

جب اسے بلایا گیا تو پتہ چلا کہ وہ کل رات ہی واپس چلا گیا تھا . اس نے اسفر علی کے نام ایک چھوٹا سا پیغام لکھا تھا کہ جب

اس کی بات مان لی جائے گی تو وہ کوٹ آئے گا .

غضنفر صاحب کو بہت غصہ آیا انہوں نے بھی کہہ دیا کہ کوئی بھی اس سے بات نہیں کرے گا .

زرنش بہت اداس رہتی تھی اب . ایسا لگتا تھا کہ زندگی رک سی گئی تھی . اسے گئے ہوئے ایک سال ہونے والا تھا . اب اس دسمبر

میں اس کی یاد بہت سناتی تھی . اس کی دعاؤں کا دورانیہ طویل ہو گیا تھا .

وہ بھی ایک عام سادہ تھا جب انہیں ہیڈ کوارٹر سے کال موصول

وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایڈ جسٹ کر سکیں گے . اسفر تم حلیمہ سے بات کرو تا کہ وہ رملہ سے بات کرے . جی بابا جان .

ادھر جب رومان سے پوچھا گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا . بابا میں نے رملہ کے لئے کبھی ایسا محسوس نہیں کیا . بابا ... میں

زرنش کو اپنانا چاہتا ہوں . پر بابا جان نہیں مانیں گے . بچپن سے لے کر اب تک جتنے اچھے

تم دونوں کے تعلقات رہے ہیں ہم سب اس کے گواہ ہیں اور بابا جان نہیں مانیں گے کہ تم جانتے ہو زرنش انہیں کتنی عزیز ہے .

پلیز بابا آپ ایک ناربات تو کریں دادا جان سے . میں زرنش کو چاہتا ہوں . وہ سب تو بچپن کی باتیں ہیں اب تو ہم نہیں لڑتے .

آپ چچا جان سے بھی بات کریں پلیز بابا میرے لئے . اور رملہ تو میری بہن ہے بابا .

او کے میں بات کرتا ہوں بابا سے . انہوں نے حامی بھر لی تھی . جب رملہ کو پتہ چلا تو اس نے گھر مر پھاٹھا لیا تھا رو روک .

امی آپ پاپا کو بتادیں رومی میرے بھائی ہیں . سارے کزن شادی سے پہلے بھائی ہی ہوتے ہیں . امی نے

سمجھایا . پر وہ میرے پکے والے بھائی ہیں . امی اس کے اس طرح کہنے پہ ہنسنے لگی تھیں . اچھا تم رونا بند کرو میں بات کروں گی تمہارے

پاپا سے . جب غضنفر صاحب کے سامنے ساری بات آئی تو وہ بھی سوچنے لگے . اسفر تم رملہ کو سمجھاؤ . گھر کا بچہ ہے . کوئی مسئلہ

نہیں ہوگا . پر بابا جان رومی نے انکار کر دیا ہے .

اسفر تم جاؤ ہم صبح بات کریں گے . اسفر کے جانے کے بعد وہ اسفر سے مخاطب ہوئے .

گھر میں شاہی کاسماں تھا۔ حلیمہ اور رملہ شاپنگ میں مصروف تھیں۔ اسفند اور اسفر باہر کے کاموں میں۔

ایک خوبصورت سی شام میں رومان نے زرنش کو اپنے نام کی انگلی پینا دی تھی۔ تقریب چھوٹی تھی۔ بس چند دوست احباب ہی شامل تھے۔ جب سب کھانا کھانے میں مصروف ہوئے تو رومان نے زرنش کا جائزہ لیا۔ وہ آج بہت پیاری لگ رہی تھی پنک کلر کے فرائڈ میں وہ پری لگ رہی تھی۔

میں بہت خوش ہوں زرنش۔ آج میری بارے خواب پورے ہو گئے ہیں۔ کیا تم مجھے یاد کرتی تھی؟

نہیں۔ زرنش نے جواب دیا۔ اس کی شکل دیکھی تو فوراً بولی۔ یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جنہیں آپ بھول گئے ہوں۔ تم تو ہمیشہ میرے ساتھ رہے ہو۔ کبھی دعاؤں میں، کبھی باتوں میں۔ ایسا کوئی مل نہیں گزرا جب میں نے تمہیں یادنا کیا ہو۔

ہر پل تمہارا ہی خیال رہتا تھا۔ میں نے تمہارے لوٹ آنے کی بہت دعا گئیں ہیں اور دیکھ لو اللہ نے میری ساری دعائیں پوری کر دی ہیں۔ اس کی آواز سے خوشی نمایاں محسوس ہو رہی تھی۔

وہ دونوں بہت خوش تھے۔ تب رومی بولا۔
آؤ زرنش دعا کریں کہ یہ ساتھ ہمیشہ قائم رہے۔ اس رب کا شکر ادا کریں کہ جس نے خوشیوں سے ہمارا دامن بھر دیا ہے۔
وہ دعا میں مشغول ہو گئے تھے۔

وہ محبت کی راہ کے مسافر تھے۔ کامیابی تو ملنی تھی.....

☆.....☆.....☆.....☆

ہوئی تھی کہ رومان زخمی ہوا ہے۔ اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ یہ سننا تھا کہ غنیمت صاحب سب غصہ بھلا کے اس کے پاس جا پہنچے تھے۔

اس وقت وہ اس کے سر ہانے کھڑے دعائیں پڑھ کر پھونک رہے تھے۔ جب اسے ہوش آیا تو اپنے پیاروں کو اپنے سامنے پایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

برخوردار یہ کونسا معقول طریقہ ہے اپنی بات منوانے کا۔
دادا جان یہ تو دشمن کی گولی سے ہوا ہے۔ میں نے خود تھوڑی کچھ کیا ہے۔

میں آپ گھر سے فرار ہونے کی بات کر رہا ہوں؟ انہوں نے چشمے کی اوٹ سے اسے گھورا۔

آپ وجہ جانتے ہیں دادا جان۔ میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا آپ ایک بار مجھے آزما کر تو دیکھیں۔ اس نے بہت آس سے کہا۔

بیٹا، یہی بات آپ خود مجھ سے اس وقت کہہ دیتے گھر چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ بزدل میدان چھوڑ کے بھاگتے ہیں بہادر نہیں۔ انہوں نے مسکرا کر کہا

آپ میری درخواست پہ غور کریں گے اس کا مطلب یہی ہونا۔ ان کی مسکراہٹ سے ہمت ملی تھی۔

ہاں بیٹا ضرور۔ بس تم جلد اپنے گھر آ جاؤ۔
چند دنوں بعد اسے ہسپتال سے چھٹی ملی تھی پرا بھی اسے مکمل آرام کی ضرورت تھی۔ سو وہ گھر آ گیا تھا اس کے آتے ہی گھر میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

دادا جان نے اس کی اور زرنش کی منگنی کا اعلان کر دیا تھا۔

از قلم نشاء ایمان

افسانہ بے خبر

Email: khushboodigest@gmail.com Khushboo Online Digest 0300-7198339

بتا رہی تھی۔

ہمنہ کو زلٹ کارڈ مل گیا۔؟ شکر کو تو نہیں ملا ابھی۔"

آپ گئی نہیں اس بار پیرنس کو بلایا تھا۔ ثمر نے بتایا نہیں۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔

نہیں تو۔۔ کل تو میں سعیدہ کی طرف گئی تھی۔" سوچا کچھ خبر تو لوں آئے روز نئی خبریں ہوتی ہیں اس کے ہاں "انداز میں ہلکے سے تمسخر کی آمیزش تھی۔ یہ اس کا خاصہ تھا۔

شمر کی لیچر ملیں تھیں کل۔ کہہ رہی تھی شردو کتابوں میں رہ گئی ہے۔ اور آجکل پڑھائی پر توجہ نہیں اسکی۔ اکثر ہوم ورک نہیں کرتی۔

زلٹ کارڈ نہیں ملے گا جب تک پیرنس میں سے کوئی نہ جائے۔" میں تو کل گئی تھی۔ تمہیں اسلیے نہ بتایا سوچا تمہیں خبر ہوگی۔" یہ کہہ کر وہ رکی نہیں۔

☆.....☆.....☆.....☆

"نئی خبر سنی تم نے؟
"نہیں تو کیا ہوا؟"

"ارے سعیدہ کی بیٹی کا ملکوں کے بیٹے سے چکر تھا کافی عرصے کا۔ ماں ایسی بے خبر کہ پتا ہی نہیں بیٹی کیا گل بھلا رہی ہے اس کی ناک کے نیچے۔" تمسخرانہ انداز مقابل کو تھوڑا ناگوار گزارا۔ سعیدہ آپا تو بے چاری بیمار رہتی ہیں اس نے سعیدہ آپا کی طرف سے صفائی دی۔

"ارے بیمار نہ ہو تو کیا ہو چھوٹی بیٹی گل کھلا رہی ہے تو بڑی بیٹی سسرال والوں سے جھگڑ کر میکے آ کے بیٹھ گئی"

اچھا وہ کب؟ اس کے منہ سے ایک دم نکلا۔

"حد ہوتی ہے بیخبری کی۔۔ ایسی بھی کیا مصروفیت کہ پتا ہی نہیں خاندان میں کیا ہو رہا ہے۔ مجھے دیکھو سب خبریں رکھتی ہوں۔ اس نے گردن اکڑائی۔

"بچوں کے ایگزیم تھینا۔ اسلیے کہیں آنا جانا نہیں ہوا۔ اللہ کا شکر ہے زلٹ آ گیا۔ سیکنڈ پوزیشن آئی ہے ہمنہ کی۔" وہ خوشی سے

افسانہ

افسانہ نگار غریباں

email: khushboodigest@gmail.com Khushboo Online Digest 0300-7198339

والدین شریف تھے۔ محلے میں شہرت اچھی تھی۔ نصیحتیں سن سن کر کان پکنتے تھے مگر کچھ نہ اثر بھی ہوتا تھا۔ بار بار ادب باندھ لیتا تھا کہ اب سگریٹ نہیں پیوں گا، اب پردے ڈال کر سیٹ کیفے میں نہیں بیٹھوں گا، اب پاکٹ مار کے ڈرائنگ روم میں ممنوعہ سی ڈیز سے حظ نہیں اٹھاؤں گا، مگر ول ناداں کو ہر بار، کچھ کچھ ہو جاتا اور ساری بلیں، ساری نصیحتیں وہری کی وہری رہ چاتیں،

پاکٹ مار دوست ایک شعر بڑے زور زور سے پڑھا کرتا تھا۔۔۔۔۔ تپش پورج کی پوتی ہے جلنا زمین کو پڑنا ہے قصور آنکھوں کا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ بڑبڑا دل کو پڑتا ہے۔۔۔۔۔ آنکھیں کہاں تک ان نظاروں کو برداشت کرتیں۔۔۔۔۔ آہستہ آہستہ تپش بڑھنے لگی۔ تن من سلگنے لگا۔ اور بات تصورات سے نکل کر عمل تک آ پہنچی۔ مگر سوال یہ تھا کہ ملی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے؟ اور آج میٹنگ میں یہ ہی ایجنڈا زیر بحث تھا کہ ایسے علاقے کا پتہ کیسے چلے جہاں دل کی آگ بجھائی جاسکے۔ آج کل تو ہر قسم کی معلومات فراہم کرنے کی ذمہ داری میڈیا نے سنبھال رکھی ہے۔ مگر بات گھوم پھر کر وہیں آ جاتی ہے بندہ ان چینلز کے رنگین اور سنگین اشتہار دیکھے یا عجیب دیکھے، جیب بھرے تو شرافت کہاں

چھٹی کی کہنٹی بج چکی تھی مگر ہم سات دوستوں کا گروپ ابھی تک اسکول میں اپنی کلاس میں موجود تھا۔ مجھے اس گروہ میں آئے دس دن ہو چکے تھے۔ اپنے جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر۔۔۔۔۔ پڑھائی پر توجہ کی وجہ سے میں اپنی عمر کے بچوں سے ایک کلاس آگے ہی چل رہا تھا۔ مگر اب دل میں پڑھائی کے علاوہ دوسرے مطالبات بھی سر اٹھانے لگے تھے۔۔۔۔۔ کوی خوبصورت لڑکی کوئی دربار، کوئی راتوں کی ساتھی، آج اسی سلسلے میں ہماری میٹنگ طے پائی تھی۔ ٹھیک 15 منٹ بعد میں اسکول سے گھر کے لیے نکل گیا تھا۔ دوستوں میں ایسے دل لگ گیا تھا کہ گھر میں لگتا ہی نہیں تھا

کھانا کھاتے ہی میں دوبارہ ان ہی دوستوں میں آ بیٹھا حالانکہ میں جانتا تھا کہ میرے دوستوں کے ساتھ مسلہ ہے کہ۔۔۔۔۔ نام کرنے کو اسکول جاتے ہیں، خرچ کرنے کی حسرتیں سے شمار ہیں مگر کماتے دھاتے کچھ نہیں۔ گھر سے پاکٹ منی کے نام پر دس بارہ روپے ملتے ہیں جس میں ایک دن کا بھی سگریٹ کا خرچہ پورا نہیں ہوتا۔ ایک دوست پاکٹ مار تھا جو کبھی کبھی عیاشی کرا دیتا تھا مگر پھر سود کی طرح ڈبل وصول کر لیتا تھا۔ باقی رہا میں۔۔۔۔۔ میرے خیالات بھی ان کی طرح ہوتے جا رہے تھے لیکن میرے

اس کی سلاء کے ساتھ ساتھ نوٹ میں بھی ٹانگا مار کر رکھ دیا۔ تین دن میں ڈیڑھ سو روپے جمع ہوئے۔ دل اس وقت بہت دھڑکا جب اماں نے اچھی بھلی کھوٹی پرنگی ہوئے جینز اتار کر دھو ڈالی۔ میں تین دن سے گھر میں پیسے دے رہا تھا تو اماں کے رویے میں شفقت کچھ زیادہ ہی شامل ہوگئی تھی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر تھا کہ پیسے ملے ہوئے تھے۔ ایسے پی رکھے ہوتے تو ابا کے داغ کی طرح واشنگ مشین میں ہی گھوم جاتے۔۔۔۔۔ چوتھے دن میں نے اپنے پروگرام کے مطابق تین دن کا بہانہ بنایا۔ کام پر بھی نہیں گیا۔ دوستوں کے ساتھ پکنگ کا کہہ کر ابا سے 50 روپے گھاڑے۔ کیوں کہ پتا چلا تھا کہ مناسب مال 200 میں دستیاب ہے۔ شرافت سے پچاس روپے دینے کا فائدہ توقع سے بھی بڑھ کر ہوا تھا۔ ابا کے روپے میں بھی اعتبار شامل ہو گیا تھا۔ صبح اسکول گئے۔ باقی دن گھر سے دور دور پھرتے رہے۔ چھٹی تو بارہ بجے ہی ہو گئی تھی۔ دو بجے کے قریب بھوک لگنے لگی۔ سارے دوست گھر سے پکنگ کے نام پر بیٹھے پراٹھے بنا کر لے آئے تھے۔ ایک جگہ بیٹھ کر چپ کر کہاے۔ روگرام تو بعد میں کہانے کا تھا مگر یہ پاپی پیٹ خالی جیب کہاں دیکھتا ہے۔ شام ڈہلنے لگی تو ہمارا پاکٹ مار دوست ایک گاؤں جیسی جگہ لے کر پہنچا۔ فلموں میں دکہاے گئے منظر ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ کاؤنٹر ہوگا۔ الگ الگ کمرے ہوں گے، پر جہان مل رہی ہوں گی۔ یہاں پہنچے تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کچا مٹن، ایک کونے میں پاتھ سے کھینچ کر پانی نکالنے والا نلکا لگا ہوا۔ ایک طرف گندے فرش پر گندے برتنوں کا ڈھیر لگا ہوا۔ صحن کے ایک کونے میں دو تین چار پانیوں پر تسلی سے کچھ ماسیاں براجمان

لے جائے، شرافت سنبھالے تو ان ایلٹے جذبات کا کیا کرے اور جذبات قابو میں رکھے تو ان دوستوں کے بھڑکانے کو کس تندور میں ڈالے۔۔۔۔۔

جذبے اچھے ہوں یا برے اثر ضرور رکھتے ہیں مجھے اپنے نوخیز جذبول کی صداقت کا دعویٰ نہیں، مگر ہم سب دوستوں کی تلاش نے رنگ دکھایا اور ایک اندرونی آدمی نے اندر کی خبر دی کہ ہمارے قبضے سے کچھ دور ایک دیہاتی علاقہ ہے شہر بھر میں کام کرنے والی ماسیاں وہاں رہائش پذیر ہیں مال بھی بہت ہے اور ریٹ ہی مناسب ہیں۔۔۔۔۔ پہلا پہلا معاملہ دل بچھین دھنڈھن سب سے بڑا مسئلہ پیسے جمع کرنے کا۔۔۔۔۔ زندگی میں پہلی مرتبہ مزدوری کی، نکاری اٹھاء، اپنی ڈھولیں، اپنے ہی خیال میں سو روپے کما کر خوشی خوشی گھر پہنچ گئے۔

گھر پہنچ کر جو سلوک اماں نے کیا۔ میرا دل بڑی زور سے چاہنے لگا کہ کاش میں ڈائریکٹ زمین سے آگ آیا پوتا۔ ایسی اماں تو میرے سر پر نہ ہوتیں جو اتنی دور سے پیسوں کی بوسوگھ لیتی ہیں مجھے دیکھا تو بڑے آرام سے بولیں۔ مجھے پتہ تھا تجھے ضرور فکر ہو گی تو گھر میں سب سے بڑا ہے نہ۔۔۔۔۔ مجھے شیدے کی ماں نے بتا دیا تھا کہ تو مزدوری کر رہا ہے۔۔۔۔۔ آنا ختم ہو گیا ہے لا پیسے دیے دے۔ پیسے دینے والا بھی میرا ہمدرد تھا شاید پچاس پچاس کے دو نوٹ دے تھے۔ سو کمال ہوشیاری سے ایک نوٹ جیب میں نیچے دبا دیا اور پچاس روپے اماں کو پکڑا دیئے۔۔۔۔۔ اب مسئلہ پیسے چھپانے کا تھا۔ گھر میں ہی رکھنے تھے کیونکہ سارے دوست ایک سے ایک بھوکے تھے کسی کے پاس بھی رکھواتا واپس نہ ملتا۔۔۔۔۔ نے پیٹ کی سب سے چھوٹی جیب استعمال کی

بیٹھا تھا

جسم دجاں میں خارش کی بدولت آگ پی تو لگی ہوئی تھی مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اماں تو ڈاکٹر کو دکھا کر چلی آئیں میری ہمت نہ ہو کہ میں بھی ڈاکٹر سے کچھ بولوں۔ گھوم پھر کر ذہن میں یہ ہی خیال آتا تھا۔ اگر اس نے پوچھا کہ تمہیں یہ بیماری کس نے لگائی تو میں کیا جواب دوں گا۔ میری بیماری دیکھتے ہی وہ مجھے سنگ سار کر دے گا۔ میرے نکلے نکلے کر کے مجھے نالی میں بہا دے گا۔ اور میں اپنی اس گندی حرکت کی بدولت گندے پانی میں بہتا پھروں گا

میرے جذبوں نے میری خواہش پوری کر دی تھی مگر خوف بھی ایک جذبہ ہے یہ اب پتا چل رہا تھا۔ اس سخت خارش کو میرے خوف کی ذرا سی بھی پروا نہیں تھی۔ زندگی عذاب میں مبتلا تھی مگر ہمت نہیں تھی کہ کسی سے اس مرض کا تذکرہ کروں۔ مگر ایسی چیزیں چھپائے کہاں چھپتی ہیں بے چینی بے قراری اور بے تحاشا کھانے پر اماں کی نظر پڑ گئی اور وہ مجھے ڈاکٹر کے لے جانے پر اصرار کرنے لگیں مگر میں کیسے جاسکتا تھا۔ خوف سیلرز رہا تھا۔ نہیں جانتا تھا کہ میرے گناہ اتنی جلدی طشت ازہام ہو جائیں گے۔ میں لالتار باگرا ماں نے ابا کے سامنے رونا دھونا شروع کر دیا اور مجھے ابا ہی ڈاکٹر کے لے گئے۔ انکار کی ہمت تھی نہیں۔ پالتو جانور کی طرح پیچھے پیچھے چل ویا ڈاکٹر پہنچے۔ اس نے کوئی لفظ بولے بغیر خوب شرمندہ کر کے معائنہ کیا۔ کریم اور ودائی لکھ دی۔ ایک نہانے سے پہلے ایک نہانے کے بعد خاص طور پر خفیہ مقامات پر کیوں کہ یہ جراثیم نہیں بیٹھتے ہیں۔ میں منتظر رہا کہ ڈاکٹر ابھی ابا کو سب کچھ بتا دے گا۔ مگر نہ ابا کچھ بولے نہ ڈاکٹر۔ ودائی اور

دوست ہمارے ساتھ ممنوعہ علاقے میں جانے والوں میں شامل تھا وہ بھی میری طرح لال ٹماٹر ہو رہا تھا۔ یہ دوست بتانے آئے تھے کہ پندرہ دن بعد امتحان ہیں۔ سلیپ ملنا شروع ہو گئی ہے آ کر لے جاؤ۔ وہ کافی دیر بیٹھے رہے۔ اماں بار بار پانی لا کر رکھتی رہیں مگر ایک بار بھی کھانے کو نہیں پوچھا۔ آخروں گھنٹے بعد وہ اٹھ کر چلے گئے

شام کو اماں کی طبیعت خراب ہوگ۔ بلڈ پریشر ہاء ہو گیا۔ ہاے ہاے کرنے لگیں۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب پھر سے گھر کی جمع پونجی ختم پونے والی ہے۔ جماعت نہم میں آتے پی میں نے اپنی انگریزی بہتر کرنے پر کافی توجہ دی تھی۔ اس لیے ابا اور اماں دوائی کے نام مجھ سے ہی پڑھواتے تھے۔ میڈیکل والا تو کچھ بینی اٹھا کر دے دیتا تھا مجھے پتا تھا کہ اماں کے ساتھ مجھے ہی جانا پڑے گا۔ ڈاکٹر شام کو بیٹھتا تھا میں آٹھ بجے اماں کو لے کر محلے کے ڈاکٹر کے چلا گیا۔ کلینک میں کچھ نئے بیسر لگے ہوئے تھے۔ اماں باری کا انتظار کر رہی تھیں۔ میں بیسر پڑھنے لگا۔

یہ بیسر خارش scabies کے بارے میں تھے۔ تحریر تھا scabies is an infestation of the top layer of skin. scabies is transmitted through close physical contact with a person who is infected with scabies is more likely when partner spend together

میں پورا مطلب تو نہیں سمجھ سکا مگر مجھے اتنا اندازہ ہو گیا کہ میں اپنے جذبات کی آگ بجھاتے بجھاتے کسی اور ہی آگ میں جل

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف
ایڈ فرس لنکس
ایک کلک سے ڈاؤن لوڈ
ڈاؤن لوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلو ڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مکمل ریجنج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

<http://twitter.com/paksociety1>

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Message

Get Notifications
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

See First
See new posts at the top of News Feed

Default
See posts as usual

Unfollow

ہجر کے سنائے، اندھیری رات اور میرا قلم
میں، مرے ہمراہ اُسکی ذات اور میرا قلم
پانیوں کے شہر کا منظر عجب تھا خواب میں
تیرتے پھرتے ننھے خالی ہاتھ اور میرا قلم
زہر کا نیزہ امام وقت اور شام الم
حرف، ماتم، قصۂ ساوات اور میرا قلم
جب بھی لکھنے بیٹھتا ہوں فخر موجودات پر
باوضو ہوتے ہیں حرفِ نعت اور میرا قلم
عصر حاضر کی مسلسل آزمائش اور میں
آنے والے وقت کے خدشات اور میرا قلم

بعد مدت کے ملے تو دیر تک روتے رہے
میں، بری آوارگی، حالات اور میرا قلم
تنبہ کرتے رہے ہیں رات بھر انسان پر
موت، آندھی، سز پھرے صد مات اور میرا قلم
بانٹتے پھرتے ہیں سارے شہر میں تنہائیاں
شہر کی پاگل ہوا، کھنڈرات اور میرا قلم
ڈھونڈتے پھرتے ہیں اپنی گمشدہ پہچان کو
چاند، شب کی گود، احساسات اور میرا قلم
کیا کہوں منظر نیازی کون ہوگا سُرخرو
برسرِ پیکار ہیں نکلمات اور میرا قلم

محمد منظر نیازی

احتیاطیں سجدادی گئیں

کلینک سے باہر نکلا تو سر سے ایک پہاڑ اتر چکا تھا۔ بے شک میرا
اللہ اگر ستار العیوب ہے تو غفار الذنوب بھی ہے۔ جس نے
میرے گناہ چھپا لیے وہ مجھے معاف بھی کر دے گا۔ ان خاتون کا
جو بھی مسئلہ ہو مجھے ان کی کہو دو کرید میں (انماں کی طرح) پڑنے کی
کیا ضرورت ہے۔ میں اپنی ساری توانائی اچھی تعلیم اور تربیت
حاصل کرنے پر خرچ کروں گا۔ روزگار ملنے کے بعد چاہے دو، دو
شادیاں کر لوں مگر اس طرح کسی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اس بار تو
سزاخارش کی حد تک رہی، کل کلاں اگر ایڈز کا مریض بن گیا تو کیا
ہوگا؟؟؟؟ اتنی بڑی سزا کھاننے کی مجھ میں ہمت نہیں

☆.....☆.....☆.....☆

سو لفظی کہانی

عاشقی

رائٹر..... محرش علی نقوی

محلے کی راشدہ کے عاشقی کے قصے سنے۔ سن کر مزہ بھی آیا۔ سچ
تھے یا جھوٹ کسے پردہ تھی۔ ایک کی چار لگا کر بات کو آگے بھی
بھیلا یا۔ ایک دن خوہ کا موبائل خراب ہوا۔ ضروری کال کرنے
کے لیے جب بہن کا سیل اٹھایا تو معلوم ہوا کہ درحقیقت عاشقی
کا قصہ ہوتا کیا ہے جس سے وہ اب تک بے خبر رہا۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

افسانہ

مہبت ہے انہول

از قلم شہناز ابراہیم

Email: khushboodigest@gmail.com

Khushboo Online Digest 0300-7198339

"سنس پلیرز مجھے اس جنگل میں تنہا چھوڑ کر نہ جا۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ خدا کے لیے مجھے اپنے ساتھ لے جا۔" ناز وہ دنوں ہاتھ اجنبی کے سامنے جوڑ کے روتے ہوئے بولی۔

"تم جو بھی ہو میرے گلے نہ پڑو۔ اپنا رستہ ناپو۔"

"خدا راضی آج رات کے لیے۔ کل مجھے کسی گریز ہوٹل چھوڑ دیتے تھے گا۔"

"چلو۔" اجنبی نے کہا۔

ناز گاڑی کا پھینڈا دروازہ کھول کے بیٹھنے ہی والی تھی کہ وہ دھاڑا۔

"اے لڑکی میں کوئی تمہارا بے تاب کاٹو کر نہیں ہوں۔ آگے بیٹھو۔"

وہ کانپتی ناگوں سے آگے بیٹھ گئی۔ زمان نے سٹیگ اپ کے بغیر اتنا حسن پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کی پرسوز نگاہیں نہ جانے کیوں اس کو بے چین کر رہی تھیں؟ ایک سوئس کی سپیڈ سے گاڑی بھاگتے ہوئے وہ اپنے آپ سے بھی بے نیاز لگ رہا تھا۔

"سنو تمہارا نام کیا ہے؟"

"وہ میرا نام انعم ناز ہے۔"

اچھا سنو تم میرے دوست کی بہن ہو اور کچھ دن ہمارے گھر رہو گی۔ سب کو یہی بتانا ہے اور غلطی سے بھی کچھ کیا۔۔۔ "زمان نے اسے تمبیہ کرتے ہوئے گھورا۔

ناز وحشت زدہ ویران جنگل میں بھاگی جا رہی تھی۔ پیاس کے مارے اس کا حلق سوکھ چکا تھا لیکن اس کی رفتار چستے کی مانند تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے سے گریز کر رہی تھی، اس کی سانس بھاگنے کی وجہ سے پھول رہی تھی، وہ ایک دم ٹھوکر کھا کر گر گئی۔ اس کے تعاقب میں آنے والے وحشی اس کے قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے، وہ ان کی گرنٹ میں آنے سے پہلے ہی جھاڑیوں میں کھینچ لی گئی۔

"کون ہو تم؟ بچاؤ۔ چھوڑو مجھے۔" ناز ٹیگہر کر کہا۔

اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اجنبی نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔

"اے لڑکی چپ ہو جا۔ وہ لوگ ابھی بھی یہاں ہیں۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم چپ چپ بیٹھی رہو۔"

"ڈھونڈو رسالی کو کہیں کہیں ہوگی۔"

ان کی آواز سن کے ناز خزاں رسیدہ پتے کی مانند لرز نے لگی۔ اس کا بدن برف کی طرح ٹھنڈا پڑ رہا تھا۔ اس کا پیچھا کرنے والے اسے ناپا کر چلے گئے تھے اور اب وہ اجنبی اور ناز جھاڑیوں سے نکل آئے تھے۔ اجنبی نے اس کا ہاتھ چھوڑا اور آگے بڑھ گیا۔ ناز کو اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

لوگوں سے بچنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ ممانے خالہ بی کو شروع سے ہی گھر کے فرد کی طرح عزت اور پیار دیا۔ اب میں اس دنیا میں بالکل اکیلی ہوں۔ "یہ سب بتاتے ہوئے اس نے زارو قطار رونا شروع کر دیا۔ زمان نے اسے رونے دیا۔

"ناز تم فکر کیوں کرتی ہو؟ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"آپ۔۔؟" اس نے حیرت سے زمان کو دیکھا۔

"میرا مطلب دادی جان تمہارے ساتھ ہیں۔" وہ یک دم بوکھلا گیا۔ "ناز بی بی یہاں تو آنا۔" بانو بیگم کی آواز پر ناز اندر کی طرف چل دی اور زمان نے اپنی بے اختیار پر توجہ لگا دیا۔

زمان جو آدھی آدھی رات کو گھر آیا کرتا تھا، اب سرے شام ہی گھر میں پایا جانے لگا۔ بانو بیگم اس کے اندر یہ تبدیلی کو محسوس کر رہی تھیں۔

"ناز بی بی آپ آج زمان کے ساتھ جا کر اپنے لیے کچھ شاپنگ کر لیں۔" دادی جی مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ "وہ زمان کا سامنا کرنے سے گھبرار رہی تھی۔ کہیں وہ اس کے دل کا بھید نہ جان لیں۔ اس کا دل بھی زمان کے نام کی بالا جیتا تھا۔ اسے پتہ ہی نہ چل سکا کب وہ اس کی ہستی کا سامان بن گیا تھا۔

"بی بی میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔" ناز بانو بیگم کی آواز پر خیالوں کی دنیا سے نکلی۔

"دادی جان آپ مجھ سے کچھ کہہ رہی ہیں؟"

شام کو وہ زمان کے ساتھ چلی تو گئی لیکن اسے اپنا دل پسلیوں سے باہر نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ زمان نے اس کی حالت دیکھی تو بولا۔ "ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"آپ مجھے گھرنے چلیں۔" میرے نصیب میں جب زمان

"پر اماں کہا کرتی تھیں کہ جھوٹ بولنا گناہ ہوتا ہے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ زمان نے گاڑی جھٹکے سے روکی۔

"سچ کی دیوی اگر تم نے سچ بتایا تو میرے گھر والے مجھے گھر سے ضرور نکال دیں گے۔ جتنا بول رہا ہوں اتنا کرنا۔" اس کی بات پر وہ سہمی ہوئی ہرنی کی طرح خاموش ہو گئی۔ سارا راستہ دونوں میں کوئی بات نہ ہوئی۔ گھر میں سب کو بتایا کہ ناز اس کے دوست کی بہن ہے۔ زمان اپنی دادی کے ساتھ رہتا تھا۔ ماں باپ بچپن میں ہی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اس کے ایک چاچا قمر بھی ان کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ عادت کے اعتبار سے سخت گیر انسان تھے۔

"دادی جی آپ پلیز چچا کو سمجھا دیجیے گا۔" اس نے فکر مندی سے کہا۔

"تم پریشان نہ ہو۔ میں اس کو سنبھال لوں گی۔ اب تم آرام کرو۔" چلو بی بی آپ میرے کمرے میں سو جا۔"

اس کو صبح جلدی اٹھنے کی عادت تھی لیکن ناز کو نرم گھاس پر چہل قدمی کرتے دیکھ کر زمان خوش گوار حیرت میں مبتلا ہو گیا۔ اس کا دل کل کی لڑکی کے لیے بھڑک رہا تھا۔

"سنو ناز وہ کون لوگ تھے جو تمہارا پیچھا کر رہے تھے؟" زمان نے انتہائی نرم لہجے میں دریافت کیا۔

"میں آپ کو کیوں بتاؤں؟" ناز نے کہا۔

"دیکھو ناز وہ لوگ خطرناک لگ رہے تھے۔ اس لیے پوچھ رہا ہوں تاکہ پولیس کو بتایا جاسکے۔"

"وہ لوگ میرے چچا کے تھے۔ میری ماما کی وفات کے بعد چچا میری شادی خالد سے کر رہے تھے۔ میں اپنے والد کی جائیداد کی تہوار وارث ہوں تو خالہ بی نے مجھے وہاں سے نکال دیا۔ بولیں



حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
دولوں میں بھی زنگ لگتا ہے جیسا کہ لوہے میں جنب پانی لگ
جاتا ہے، تو پوچھا گیا کیسے دور ہوگا، فرمایا موت کی کثرت سے یاد
اور قرآن پاک کی تلاوت سے۔

(کنز العمال 1/155)

مفسر شہیر حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

- عزم کی قوی اور عزم کو روزہ رکھنے تو بہت ثواب پائے گا۔
- بال بچوں کیلئے عزم کو خوب اچھا سمجھنا پڑے گا۔
- تو ان دنوں، اللہ ہم سال بھر تک تمہیں برکت دے گا۔
- بہتر ہے کہ بچوں کو عزم سے ہمہ گیر بنادیں، تاہم نام مستحسن
کی توجہ کر کے بہت بجزب (یعنی موثر و تیز دور) ہے۔
- اسی تاریخ یعنی 10 محرم ہلرم کو غسل کرنے تو تمام سال ان دنوں ہلاکت
پیدا ہوتی ہے اس شہر سے گام کیونکہ اس دن آب زمزم تمام پائوں میں پہنچتا ہے۔

www.dawateislami.net

www.dawateislami.net

نرم مزاجی

خیر و بھلائی کا سرچشمہ



حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”جو شخص نرمی سے محروم ہوگا، زیادہ بیماریاں ہی خیروں سے محروم ہوگا۔“

ہیں ہی نہیں تو میرا دل کیوں ان کا طالب ہے؟ اللہ جی مجھ پر رحم
کریں۔ "اپنے کمرے میں بندوہ سوچ رہی تھی۔

زمانہ نے سوچ لیا تھا کہ وہ آج دادی جان سے اپنے رشتے کی
بات کرے گا۔ "دادی جان میں اب یہاں سے جانا چاہتی
ہوں۔ اب مزید کسی پر بوجھ بن کر نہیں رہ سکتی۔" بیٹی تم بوجھ نہیں
ہو۔ "بانو بیگم نے کہا۔

"دادو میں نے ایک نہ ایک دن تو یہاں سے جانا ہی ہے نا تو آج
کیوں نہیں؟ میں نے ہوشل میں کمرے کا بندو بست کر لیا ہے۔"
"ٹھیک ہے بیٹی جیسی تمہاری مرضی۔"

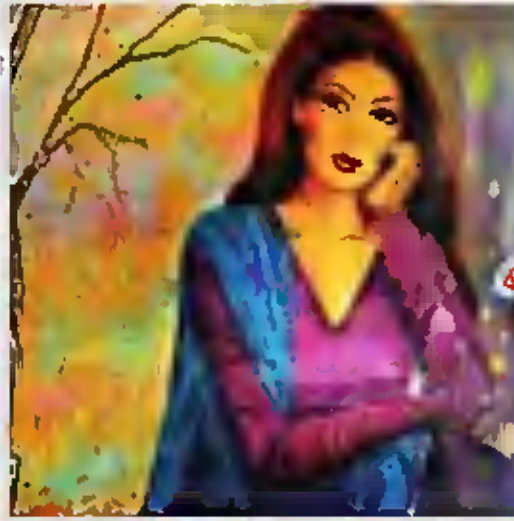
زمانہ کو اپنی جان نکلی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ
گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ زمانہ نے اس کا رستہ روک لیا۔

"کہاں جا رہی ہو تم اور کس سے پوچھ کے؟ بولو جو اب دوں۔" نیاز
رونے لگی۔ "کون ہے میرا یہاں جس کے لیے رک جاؤں؟"

"اگر میں کہوں کہ میرے لیے رک جاؤ تو کیا رک جاگی؟"
"آپ بھلا ایسا کیوں کہیں گے؟" اس نے بے یقینی سے زمانہ کو
دیکھتے ہوئے کہا۔

"ناز میں آپ سے پیار کرتا ہوں اور آج ہی دادی جان سے
بات کرنے والا تھا۔ میں شادی سے پہلے محبت کے اظہار کا قائل
نہیں ہوں۔ اگر آپ کو میرا ساتھ منظور ہے تو رک جا۔" ناز کو
اپنی قسمت پہ یقین نہیں ہو رہا تھا۔

"مجھے آپ کا ساتھ قبول ہے اور پلیز میرا سامان بھی اندر رکھ
دیں۔" دادی نے جلد ہی ان کا نکاح کر دیا۔ محبت شجر کی مانند
ان پر سایہ کرنے کو تیار تھی۔ ناز کی آنکھوں میں روشن مستقبل جگنو
کی طرح چمک رہا تھا۔



افسانہ

لڑکچھ خواب کا غنچوں میں ابھلی باقی ہے

افسانہ نگار..... ارم فاطمہ

My name is Richard Aston.

Can i join you dear guys. I am
your English Literature lecturer.

نہایت ڈینٹ پر سنیلٹی آنکھوں پر گلاس لگائے ہاتھ میں فائل
اور رجسٹریلا شبہ وہ ان کے لیکچرر تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ مسکرایا اور
جلد ہی سے ایک سیٹ کی جانب بڑھا اور نوٹ بک سفیال کر بیٹھ
گیا۔ ساری گلاس کی نظریں اس پر تھیں وہ جانتا تھا وہ سب کیا
سوچ رہے تھے اور کسی حد تک شرمندہ بھی تھے

کہ جسے وہ لیکچرر سمجھ رہے تھے وہ انہی کی طرح سٹوڈنٹ تھا۔
اسے ہمیشہ سے مرکز نگاہ رہنے اور دوہروں کی توجہ کھینچ لینے کی
عادت تھی۔ اپنی باری پر وہ بڑے اعتماد سے کھڑا ہوا اور کہنے لگا!

My name is Abdullah Hussain. I

feel proud to be a part of prestigious
Oxford University

کلاس کے بعد جب وہ فوڈ سپاٹ پر بیٹھا سینڈوچز سے انصاف کر
رہا تھا تبھی لڑکے لڑکیوں کا ایک گروپ اس کی ٹیبل کے پاس آ کر
رکا۔ انہوں نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جسے اس نے
گرجوشی سے تھام لیا۔ پانچ لڑگوں پر مشتمل اس گروپ میں تین

یونیورسٹی کے کمپانڈ میں قدم رکھتے ہی اس کے لبوں پر
فخر و انبساط سے مسکراہٹ پھیل گئی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کی وسیع و
عریض عمارت اس کی نظروں کے سامنے تھی اور اس کے خواب کی
تعبیر بھی جسے اس نے لکتنے ہی سالوں میں نہایت شدت سے
دیکھا تھا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے مطلوبہ کمپارٹمنٹ کی جانب بڑھنے
لگا۔ کلاس روم کے سامنے پہنچا تو سب سٹوڈنٹس جو خوش گپیوں
میں مسروف تھے اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے اور کلاس میں خاموشی
چھا گئی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ متانت سے چلتا
ہوا ٹیبل کے پاس آ کر رکا اور پوری کلاس کا جائزہ لینے کے بعد
ایک لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔

آپ سے شروع کرتے ہیں۔

"please introduce yourself"

بلیک جینز پر ریڈناپ پہنے شانوں پر کھری زلفیں جھکتی اس کے
چہرے پر بلا کی مصومیت تھی۔

Sir ! my name is Hijab Yousuf

اسی طرح تعارف کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک سخت آواز نے ان کو
خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

ہیں۔ دھندلے عقائد رکھتے ہیں ان کے سامنے واضح منزل نہیں ہے۔ انہوں نے براہ راست تو نہیں مگر حجاب کو بھی نشانہ بنایا کیونکہ ان کے سامنے وہ واضح مثال تھی۔

عبداللہ حسین بہت ظبط سے خود پر کنٹرول کیے بیٹھا تھا۔ مگر جب ولیم نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو دہشت گرد کا نام دیا انہیں شدت پسند کہا تو عبداللہ کا صبر جواب دے گیا۔

اس نے اپنی تقریر کو "مرد مومن اور احیائے اسلام" کا نام دیا۔ آگاز میں طلوع اسلام کے ابتدائی اشعار پڑھے ان کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور کہا!

"عطا مومن کو پھر سے درگاہ حق سے ہونے والا ہے

شکوہ ترکمانی، وہ بن ہندی، نطق اعرابی

اگرچہ میں اپنی تلخ نوائی پر شرمندہ ہوں مگر میں چپ نہیں رہ سکتا۔ آج، بھی مسلمان اس مذہب اسلام کا پیرو کار ہے جس کے نزدیک ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ وہ دہشت گرد کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ ایک باعمل انسان ہے جس کی معاشرت میں سادگی سچائی اور انسانیت محبت اور امن کا پیغام واضح ہے۔

عبداللہ حسین کی تقریر اور اس کے نتیجے نے سبھی کو متاثر کیا۔

پورا ہفتہ حجاب یونیورسٹی نہیں آئی تو عبداللہ فکر مند ہوا۔ اسے احساس ہوا کہ انجانے میں اس کے دل میں حجاب کے لئے ایک الگ مقام بن گیا ہے اور وہ دل سے چاہتا ہے کہ حجاب اسلام کی سچائی اور اس کے عقائد کو اپنی زندگی کے اصول بنالے۔

اس دن جب حجاب یونیورسٹی آئی تو اس کا دل ایک نئی سرت کے احساس سے بھر گیا۔ وہ مکمل مشرقی لباس میں اسے اپنے دل پر دستک دیتی ہوئی محسوس ہوئی۔ خوشی اسے اس بات کی تھی کہ حجاب نے اپنی گم کی ہوئی راہ نجات پھر سے پالی تھی۔

برٹش آرٹھر، ولیم اور سٹیلا تھے۔ ایک کینیڈین لڑکا آرچر تھا۔ انہی میں وہ لڑکی بھی تھی جس نے اپنا نام حجاب یوسف بتایا تھا۔ اس کی گہری بران آنکھوں میں ذہانت ساف جھلکتی تھی۔

کچھ ہی دنوں میں ان کی دوستی بہت مضبوط ہوگئی۔ وہ اس کی ذہانت کے معترف تھے۔ ان کے گروپ میں اس کے سوا کوئی مسلمان نہ تھا۔ حجاب کے بارے میں اسے سٹیلا سے پتا چلا کہ بے شک وہ ایک مسلمان ماں کی بیٹی ہے مگر اس کا باپ یہودی تھا۔ اور اس نے ایسے ماحول میں پرورش پائی تھی جہاں مذہب محض ان کے لئے شناخت کا سبب تھا۔ اکثر وہ اسے لیٹ نائٹ پارٹیز میں نظر آتی تھی ولیم اس کے ساتھ ہوتا تھا اور وہ عبداللہ کو عجیب نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔

عبداللہ نے کئی بار محسوس کیا تھا جب وہ حجاب سے بات کر رہا ہوتا تھا تو ولیم کی آنکھوں میں ایک نامعلوم احساس کے تحت چمک اٹھتی تھیں جسے وہ سمجھ نہیں پاتا تھا۔ شاید نا پسندیدگی تھی یا نفرت وہ اچھ سا جاتا تھا۔ پہلے سسٹر کے اختتام پر یونیورسٹی انتظامیہ کی طرف سے ایک سیمینار منعقد کیا گیا اور سٹوڈنٹس کو اظہار خیال کید عوت دی گئی۔ اس کا موضوع یہودیت کی ذہنی پیمانہ نگاری کا ثبوت تھا۔ "اسلام اور شدت پسندی"

زیادہ سٹوڈنٹس جو غیر ملکی تھے انہوں نے اس کے حق میں تقریر کی۔ ان کا اشارہ اس بات کی جانب تھا کہ بیسویں صدی کے مسلمان مذہب میں انتہا پسندی کی سوچ رکھتے ہیں زبردستی عقائد اور نظریات کی تبلیغ کرتے ہیں اور خود بے عمل رہتے ہیں۔ ان کی زندگی اور طرز معاشرت میں کہیں اس اسلام کی شکل نظر نہیں آتی جو ان کے آباؤ اجداد میں تھا جس کی وجہ سے انہوں نے ایک عرصہ عالم پر حکمرانی کی۔ آج کے مسلمان باعمل نہیں ذہنی انتشار کا شکار

ڈابره انسانی جسم کی ضرورت!



- اس میں پدیں اور اذین کی اتر تھار ہائی جاتی ہے۔
- ایک اسٹال سے کھام ہائز بھر جانے میں 12 ماہ لگتی ہے۔
- ایک ہائز اسٹال سے ٹرن سے قاصر ماہ درج ہوتا ہے۔
- ماہ میں کھام کو ہائز جانے میں 10 ماہ کرنا ہوتا ہے۔
- بکر کو سالہ رکھنے میں بھی اسٹال اسٹال کی کار آمد ہے۔
- بہت زہرا کھام اسٹال (بنا بیڑم) کی بھری میں مدد آتا ہے۔
- اس کا اسٹال آپ کو علف ہم کے کھنر سے محفوظ رکھتا ہے۔
- اس کے اسٹال سے آپ کے گروے بھر طریقے سے کام کرتے ہیں۔
- اس کا اسٹال آپ کے بیٹے کو بھول کی تیغ میں کی 12 ہے۔
- اس کے ہائز اسٹال سے آپ اپنی بھری پر ٹھون مانتے ہیں۔

KFC@DSC

انڈا دل کے لئے ہے موزوں



• اذین میں موجود ذیلی اجزاء دل میں پیدا ہونے والے قاتل کو مار کھنے کی صلاحیت دیکھتے ہیں۔



• پدیں سے بھرنا اذین میں بھری لید بلا ہاتا ہے۔ جو جسم میں داخل ہو کر جاتا ہے۔

• ایک لٹر کے 1000 کم از کم 16 اڈے کھانے پدیں ہر 4 سال دل کی صحت کے لئے فائدہ مند ہیں۔ ایک انسانی صحت پر کسی قسم کے صدمہ اذات بھی مرتب نہیں ہوتی۔

کیٹو کھائے جان بچائے

- کیٹو مٹانے اور کڈنی کی کی کزوری دور کرتا ہے۔
- کیٹو مٹانے کزوری کو رفع اور ہائز کو قوی کرتا ہے۔
- کیٹو ہیٹ کے کیزے نکالتا ہے۔
- کھانسی اور دسے میں کیٹو سے پرہیز کرنا چاہئے۔
- کیٹو بے بیٹی • ہے اور مٹی کو دور کرتا ہے۔
- کیٹو خون کے جوش کو ٹھنڈا کرتا ہے۔



اس دن وہ سب دوست مل کر شاپنگ مال میں شاپنگ کر رہے تھے۔ سمسٹر کے اختتام پر عبداللہ کا پاکستان آنے کا ارادہ تھا۔ وہ سب اس کے لئے چھوٹے چھوٹے گفٹس خرید رہے تھے۔ تبھی ایک دم شاپنگ سنٹر میں پاپیل سی مچ گئی۔ سب لوگ خوفزدہ ہو کر ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے۔

پانچ لڑکے نقاب پہنے ہاتھوں میں شین گنیں

لیے گھس اپنے تھیں بات ان لوگوں کے لیے بہت حیران کن تھی کہ سب لوگوں کو چھوڑ کر ان لوگوں نے صرف انہیں کے گروپ کو گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک لڑکے کی آنکھوں کو دیکھ کر اسے شک گذرا کہ یہ ولیم ہے مگر پھر اسے یہ بات ناممکن ہی لگی۔ سب خوفزدہ تھے لیکن جانتے تھے کہ ان کے عزائم کیا تھے؟ تبھی اچانک سے گارڈ نے پیچھے سے ایک دہشت گرد پر ہاتھ ڈالا تو دبا سے شین گن چل گئی۔ گولی کو آرتھر کی طرف جاتے دیکھ کر عبداللہ اس کے سامنے آ گیا۔ گولی اس کے سینے کے پار ہو گئی۔ حجاب کی چیخ میں انسون کی آمیزش اور سب ساتھی بدحواسی سے عبداللہ کی جانب بھاگے۔ اس کی اکھڑتی سانسیں اور کچھ کہتی نکاہیں ایک ہی جانتگی تھیں!

وہ ولیم ہی تھا جو مسلم دشمنی کی آگ میں اس جرم کا ارتکاب کر بیٹھا تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس کے ہی ہم نسل کو بچانے کے لئے عبداللہ نے اپنی جان قربان کر دی تھی۔ اس بات کو ثابت کر دیا تھا کہ دہشت گردی کسی ایک قومیت یا مسلم قومیت سے وابستہ نہیں دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ آج کا مرد مومن تھا جس میں کچھ تو اس کے اسلاف اور بزرگوں کا اچھری تھا کہ اس نے اپنی جان دے کر مسلم امہ کو شرمندگی سے بچا لیا تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆

افسانہ

پیوستہ رہ بھر سے

افسانہ نگار
فرشتے مریم

www.paksociety.com @paksocietyonline@gmail.com Kinnaroo Online Digest 0300-7198339

سے اچھا اور بہترین ملتا ہے وہ ان ہی سوچوں میں گم کھڑی گھر کو دیکھ رہی تھی جب بیچھے سے آواز آئی زارا تم یہاں کھڑی ہو میں تمہیں پورے گھر میں ڈھونڈ رہی ہوں یہ اس کی بڑی بہن فریجہ تھی جو اپنے سسرال کے ساتھ یہیں گاہ میں رہتی تھی ارے آپ آگئیں آ پاپا اور سب بچے کہاں ہیں وہ بھی نیچے ہیں سب کے ساتھ تم چلو ہاں میں گھر دیکھ رہی تھی کتنا پیارا ہے نا ہمارا گھر بہت آپا نے بہت پہ زور دیتے ہوئے کہا اچھا چلو سب تم سب سے ملنے آئے ہیں ہاں چلیں وہ دونوں نیچے آئیں تو سب گھر کی ہی بات کر رہے تھے سب ہی گھر بٹنے پر بہت خوش تھے اور واقعی ان سب کے لیے یہ بہت بڑی خوشی تھی ہم چار بہنیں اور پانچ بھائی تھے سب سے بڑے حسن پانچان پھر عباس بھائی پھر فریجہ آپا پھر عرفان بھائی علیحدہ باجی اس کے بعد احمد پھر میں اور مجھ سے چھوٹی ساراہ اور پھر آخر میں سب سے چھوٹا اذان تھا ہماری سب سے بڑی پرولم بڑی فیملی تھی اماں بتاتی ہیں کہ اذان جب چھ ماہ کا تھا تب ہم گاہ چھوڑ کر شہر شفٹ ہو گئے تھے بابا کی جاب شہر میں تھی اور بچا ابو کراچی شفٹ ہو گئے تھے اپنی

گاڑی سے اتر کر وہ حویلی کی جانب آئی اور اندر آتے ہی اس کے رشتے وازا سے اور اس کی پوری فیملی کو دیکھ کر ملنے کے لیے آگ بڑھ آئے سب ان سے بہت پز جوش انداز میں مل رہے تھے اور اس نے صرف مسکرائے یہ ہی اکتفا کیا پھر سب کو آپس میں مصروف پا کر وہ اپنے گھر کی جانب بڑھی اس کے دل کی دھڑکنے تیز ہو رہی تھیں اور آنکھیں نم ہونے کے باوجود ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ کے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح خود کو سنبھالیا اور اس دل کو جو گھر کا سن کر ہی خوشی سے مچل رہا تھا خوشی کی کوئی حد نہ تھی اور اب اس دل کو سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا اور دروازے کی چوکھٹ پر پاؤں رکھتے ہی اس نے بسم اللہ پڑھا اور جب اندر آئی تو ہاتھ بڑھا کر اس طرح دیوار کو چھونا جیسے وہ دیواریں بھی ان سب کی منتظر ہو کے جانے کب اس گھر کے مالک آئیں اور اسے سنبھالیں جو برسوں سے ایسے ہی اسی امید پر کھڑی تھیں جیسا کہ گھر کے مالک اسی امید پر جی رہے تھے کہ ایک دن یہ گھر بن جائے گا اور وہ سب مل جل کر اس گھر میں ہنسی خوشی رہنے اور آج ان سب کا انتظار ختم ہوا آج ان سب کا خواب حقیقت ہوا تھا واقعی جب کچھ بہت دیر سے ملتا ہے تو سب

کو اندازہ ہو گیا تھا کہ خاندان کا کوئی بھی انسان ان کے یہاں رہنے سے خوش نہیں بابا نے اپنے بیوی بچوں پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ کسی کی بھی اس رائے سے وہ ناراض ہیں بلکہ یہی ظاہر کیا کہ سب ٹھیک کہہ رہے ہیں اور پھر بابا ہم سب کو شہر لے آئے اماں نے اعتراض ظاہر کیا تو بابا نے یہ کہہ کر چپ کر دیا کہ سب نے ہمارے بارے میں اچھا ہی سوچا ہے تم شک نہ کرو جب کہ حسن بھائیجان فریجہ آپا اور عباس بھائی تب بڑے تھے اور وہ جانتے تھے کہ یہ سب تائی امی اور تایا ابو کے کہنے پر ہوا تھا

تایا ابو کے ودیٹے اور ایک ٹیٹی تھی ان کے بڑے بیٹے یعنی سجاد بھائی کا رشتہ بچپن ہی میں فریجہ آپا سے طے تھا دیسے ہی انکی چھوٹی بہن پارسہ کا رشتہ ہمارے حسن بھائیجان سے طے ہوا تھا اور یہ رشتے دادا نے طے کیے تھے لیکن یہ رشتے تائی امی کو پسند نہیں تھے کیونکہ تائی امی کو اماں شروع سے ہی پسند نہیں تھیں

* بابا نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں شہر لے آئے کیونکہ دادا کی بات بابا کبھی نہیں نالتے تھے دادی ہوتی تو شاید وہ کبھی نہ آنے دیتیں خیر پہلے دن دادا ہمارے ساتھ ہی آئے تھے اور ہمارے کزن بھی شفقنگ میں مدد کروانے کے لیے آئے تھے وہ دن گذرا اس کے بعد کسی نے خیریت تک نہیں پوچھی تھی جس پر بابا کچھ حیران تو ہوئے تھے لیکن خاموش رہے جب تک بابا کی جاب تھی گھر کی ہر چیز ترتیب سے چل رہی تھی بھائیجان کی پڑھائی مکمل ہوئی تو ان کو کراچی بھیج دیا اور چچا ابو سے کہا کہ ہو سکے تو اسے کوئی جاب دلا دیں ہمیں اسی طرح چھ سات سال گذر گئے اور اس وقت میں دس سال کی تھی جب بابا نے اماں کو آ کر بتایا کہ ٹرانسپورٹ بند ہونے کے امکانت ہیں بابا کی جاب ٹرانسپورٹ میں تھی اور بابا

جاب کی وجہ سے تو تایا ابو کو جیسے موقع مل گیا ہم سے جان چھڑانے کا ان کو ڈر تھا کہ کہیں دادا کے زمینوں اور گھر میں سے بابا کو نہ حصہ مل جائے کیونکہ چچا ابو نے بس وہ ہی گھر حصے میں لیا تھا جس میں وہ سب رہتے تھے اس گھر کے سامنے والے پلاٹ پر تایا ابو والوں نے گھر بنوایا تھا کہ کہیں وہ ہمارے حصے میں نہ آئے اور تایا ابو اور تائی اس لیے بھی نہیں چاہتے تھے کہ ہم وہاں رکیں کیونکہ سارے خاندان والے بابا سے بہت پیار کرتے تھے ہمارے بابا ایک شریف اور خووار انسان تھے ان کی پرسنالٹی ایسی تھی کہ ایک بار جوان کو دیکھے تو ان کا ہی ہو جائے آواز میں رعوب و دبدبا ایسا کہ ان سے اٹلی عجب سے کے افسران بھی ان کی آواز سن کر ڈب جاتے تھے مگر انہوں نے کبھی اپنی پرسنالٹی سے فائدہ نہیں اٹھایا تھا ہمیشہ انکے فیصلے اہل اور ارادے پختہ ہوتے تھے بس وہ دادا کی مرضی کے آگے جھک جاتے تھے اور بابا کی یہ ساری عادتیں دادا جیسی تھیں اور دادا کو اپنے بیٹے پر ناز تھا ہاں لیکن وہ رہتے ہمیشہ تایا ابو کے ساتھ تھے

بابا ہر فیصلے پر بھی دادا کے ساتھ جاتے تھے جس کی وجہ سے تایا ابو کو یہ لگنے لگا کہ دادا سب کچھ بابا کے نام نہ کر دیں حالانکہ دادا کے پاس جو کچھ تھا وہ تایا ابو کو ہی ملا تھا مگر بابا نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا پھر تایا ابو نے بابا سے کہا کہ تم شہر چلیجا تمہاری جاب کا ہرج ہوتا ہے شہر میں تم آرام سے جاب بھی کرو گے اور سب بچوں کو اچھی تعلیم بھی دلا سکتے ہو پہلے تو بابا نے انکار کر دیا لیکن پھر دادا اور تایا ابو نے یقین دلا یا کہ کوئی بھی مشکل ہوگی ہم تمہارے ساتھ ہیں خاندان کے اور بھی بہت سے لوگوں نے بابا سے یہی کہا کہ تمہیں واقعی جانا چاہئے پھر بابا نے ان کی بات مان لی کیونکہ بابا

چلتی تھی تو ہم تو اولاد تھے

لوگ شہر جا کے ترقی کرتے ہیں اور ہم بلکل ہی کنگال ہو کر آئے تھے واپس گاں آئے تو گیٹ ہاس کی ایسی حالت تھی فرش جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا درختوں کے پتوں سے صحن بھرا ہوا تھا ہر کونے میں جالوں کی وجہ سے مکڑیوں کے گھر بنے ہوئے تھے صحن میں درخت تو بہت تھے لیکن ان کو شاید کوئی پانی نہیں دیتا جس کی وجہ سے بہت سے درخت سوکھ گئے تھے وہاں کی حالت ایسی تھی کہ پورا گھر بلکل کھنڈر لگ رہا تھا اماں اور آپا والوں نے دن بھر صاف کیا تب جا کر وہ گیٹ ہاس گھر لگ رہا تھا ہمیں تو جیسے ایک نئی مصروفیت مل گئی تھی بچپن تھا اور یہ نہیں پتا تھا کہ بڑے کس قدر پریشان ہیں اور کس مشکل سے گذر رہے ہیں

پہلے تو سب گھر کو دیکھ کر یہی کہتے تھے کہ گھر بہت خوبصورت بنا دیا ہے کیونکہ جتنے بھی درخت تھے اب ہرے بھرے ہو گئے تھے اماں سب درختوں کا بہت خیال رکھتے تھے پھر صحن میں چاروں طرف پھولوں کی کیاریاں بھی لگا ئیں تھیں کچھ دن گزرنے کے بعد پتا چلا کہ پارسہ باجی کا رشتہ طنہ ہوا ہے وہ بھی خاندان میں جو ہمارے رشتے کے کزن تھے بابا کے کزن کے بیٹے تھے بابا یہ سن کر تاپا ابو کے پاس گئے جب تاپا ابو سے بات ہوئی تو پتہ چلا کہ لڑکی لڑکے کی مرضی سے رشتہ طنہ پایا ہے تائی امی نے کہا کہ ویسے بھی میں اپنے بچوں کے رشتے تمہارے گھر میں کر کے بچوں کا مستقبل خراب نہیں کروں گی تمہارے بیٹے کو نوکری تو ہے نہیں اس بات کو بھی چھوڑو تم لوگوں کے پاس تو گھر تک نہیں ہے اور پھر انہوں نے بھی پتا دیا کہ وہ سجاد بھائی کا رشتہ بھی کر چکی ہیں اپنی بھانجی کے ساتھ یہ سب سن کر بابا بہت دکھی ہوئے تھے تائی امی کی اس بات سے

نے سوچا اسے پہلے کے ٹرانسپورٹ بند ہو جائے انہوں نے رٹائرمنٹ کا نوٹس بھیج دیا اور بابا کی رٹائرمنٹ منظور ہو گئی بابا نے سوچا کہ رٹائرمنٹ کے پتوں سے کچھ اور نہیں تو گاں میں اپنا گھر بنا لیں گے لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا بابا کی اتنی بھاگ دوڑ کے باوجود رٹائرمنٹ کے پتے نہیں ملے بابا کی جاب ختم ہو جانے سے سب کچھ جیسے رک سا گیا تھا اماں نے جب سارے راستے بند ہوتے دیکھے تو بابا سے کہا کہ دادا سے بات کریں شاید وہ ہماری مدد کریں آخر آپ کے باپ ہیں آپ نے کبھی ان سے کچھ نہیں مانگا بابا پہلے تو چپ سے ہو گئے کہ زندگی میں انہوں نے دادا سے کچھ نہیں مانگا تھا اب اتنے سالوں بعد وہ بھی جب اولاد جوان ہوئی ہے تو کیسے مانگوں پھر ہم سب کی رکتی ہوئی زندگیوں کو دیکھتے ہوئے بابا نے دادا سے بات کی اور دادا نے ایسا حل بتایا کہ ہم سب جبران ہو گئے اور یہ ہمارے لئے ایک نئی آزمائش تھی گاں میں ایک گیٹ ہاس تھا جو پلاٹ تو تینوں بھائیوں کا تھا لیکن چونکہ گیٹ ہاس پچا ابو نے بنوایا تھا تو انہی کا مانا جاتا تھا دادا نے بابا سے وہیں رہنے کا کہا تھا بابا بہت جبران ہوئے اور انکار بھی کیا بابا نے کہا کہ بچوں کی پڑھائی رک جائے گی تو دادا نے یقین دلایا کہ تم میرے ساتھ چل کر رہو کچھ نہ کچھ کر لینگے اور بچے بھی اسکولز میں پڑھ لینگے باقی رہی عباس اور عفان کے کوچنگ کی بات تو جوان ہیں یہیں آیا کریں گے شہر کو نسا دور ہے گاں سے بابا دادا کی اتنے یقین دلانے پر گاں واپس چلنے پہ آمادہ ہو گئے اور اماں سے بھی مشورہ نہ کیا

اماں بلکل راضی نہیں تھیں بلکہ ہم میں سے کوئی راضی نہیں تھا واپس گاں جانے کے لئے لیکن بابا کے سامنے جب اماں کی نہیں

اس طرح باجی کی شادی بہت ہی صادگی سے کروادی گئی باجی کی شادی کے بعد بابا کو پتا چلا کہ رٹائرمنٹ کے پسنے والے ہیں تو بابا نجمن بھائیجان کی شادی کا سوچ لیا اور بھائیجان کے لیے رشتے دیکھنے لگے بابا نے اپنے ایک کزن سے ان کی بیٹی کا رشتہ بھائیجان سے کرنے کی بات کی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور بھی کسی اور سے ساتھ میں برا بھلا بھی کہا وہ لڑکی خوبصورت نہیں تھی لیکن پڑھی لکھی ضرور تھی بابا کا خیال تھا کہ ان کی بہت زیادہ لڑکیاں ہیں ان کی آٹ بیٹیاں تھیں اور جن کا رشتہ مانگا تھا وہ بہنوں میں سب سے بڑی تھی لیکن خیر خاندان میں کوئی بھی رشتہ کرنے کو تیار نہیں تھا سب کو ہم غریب لگتے پھر بھائیجان کا رشتہ خاندان سے باہر ان کی مرضی سے ہوا جو کراچی میں رہائش پذیر تھے بھائیجان کو چچا ابو نے اپنے گھر میں نہیں رہایا تھا بلکہ اپنے ایک پلاٹ پر روکا ہوا تھا جہاں ان کا صرف ایک کمرہ بنا ہوا تھا کیونکہ ان کے پلاٹ کا خیال رکھنے والا کوئی نہیں تھا جب سے ہم گاں آئے تھے لوگ ہماری ہزہ بات کو نیارنگ دی کے ایک دوسرے کو بتاتے کبھی ہم پر چوری کا الزام لگاتے تو کبھی ہمارے لباس پر ہنستے کبھی اتفاق سے بچوں میں کھیلتے ہوئے ان کی مائیں یہ کہتیں کہ ہماری وجہ سے ان کے بچوں میں بری بری عادتیں آگئی ہیں غریب ہونا بھی اس دنیا میں بہت بڑا جرم ہے کبھی کسی کی بات بری لگتی تو جواب دینے پر یہ سننے کو ماتا کے غربت میں بھی اتنی اکڑ پھر جب کبھی کوئی ترس کرتا تو ایسا کرتا جیسے ہم ان سے بھیک مانگتے ہیں اور ہمیں حقیر نظروں سے دیکھتے ہم کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا تھا اور نہ ہمیں کسی سے کچھ چاہنے تھا بس ہماری ایک خواہش تھی لوگ ہماری عزت کریں سب

تکلیف تو دادا کو بھی بہت ہوئی تھی لیکن وہ ہمیشہ سے ہی بتایا اب اور تائی امی کے آگے چپ رہے دکھ ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں لیکن جو دکھ اپنوں کی وجہ سے ملیں تو بہت اذیت دیتے ہیں نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی غربت اور پریشانیوں کی وجہ سے بیماریوں نے جکڑا ہوا تھا لیکن پھر بھی دل کے کسی کونے میں امید کی کرن ابھی باقی تھی

فریحہ باجی کا رشتہ آیا ہوا تھا جو بابا کی کزن تھیں لیکن ان کی شادی دوسرے خاندان میں ہوئی تھی وہ اپنے بیٹے کے لیے رشتہ کرنے آئی تھیں بابا نے تو انکار کر دیا لیکن انہوں نے بہت کہا کہ ان کے بیٹے کی خواہش ہے اور آپ کی بیٹی مجھے بھی بہت اچھی لگتی ہے کیونکہ وہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ خوش اخلاق بھی ہے اور بابا نے اماں کو بتایا تو انہوں نے کہا کہ جو کئے لڑکا دیکھا بھلا ہے اور حسن بھائیجان کے ساتھ بچپن سے ہی ان کی دوستی رہی تھی تو میری طرف سے تو ہاں ہے پھر بابا نے جیسے ہی رشتے کے لیے ہاں کی ان لوگوں نے شادی کی بات بھی کر دی مگر بابا نے اپنی حثیت کو دیکھتے ہوئے فلحال شادی سے انکار کر دیا عباس بھائی کو ایک میڈیکل سیمینار میں جا ب ملی تھی

اور پھر تھوڑے حالات صحیح ہوئے کراچی میں بھائیجان کو ایک جگہ بمشکل جا ب ملی تھی چچا کے معرفت لیکن اس جا ب میں ان کا اپنا گزارا بہت مشکل سے ہوتا تھا اور بابا نے بتایا کہ باجی کی شادی کے لئے ان کے سسرال والے بہت ضد کر رہے ہیں ہو سکے تو کچھ پیسوں کا انتظام کرو تا کہ صادگی سے ہی شاد کروادیں پھر بھائیجان نے بابا کے کہنے پر اپنے مالک سے بات کی جن کو وہ آصف بھائی ہی کہتے تھے ان سے بطور ایڈوانس کے کچھ رقم لی پھر

منٹ بعد کوئی آیا اور ماموں کی بیٹی تھی جو بھائیجان کو جانتی تھیں اچھی طرح لیکن اس وقت پہچاننے سے انکار کر گئی اور بھائی نے اپنا تعریف کر داتے ہوئے کہا کہ ماموں کو بلائیں لیکن اس نے کہا کہ گھر پر کوئی مرد نہیں ہے آپ چلے جائیں حالانکہ ان کا اپارٹمنٹ اتنا چھوٹا تھا کہ اندر سے سب کی آواز صاف سنائی دی رہی تھی بھائیجان خاموش ہو گئے اور واپس آتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ شاید مجھے کچھ غلط فہمی ہوئی ہو یہ ٹھیک کہہ رہی ہو وہ رات جیسے پہاڑ بن کر ٹوٹی تھی دل بیسدا اس ہو گیا تھا زندگی میں پہلے کبھی اتنی ہنسی اور ذلت محسوس نہیں ہوئی تھی جتنا آج خود کو محسوس اور مجبور محسوس کر رہے تھے کوئی تو پاس ہوتا جو میرا حال جانتا اور اندر سے جیسے ایک آواز آئی ہاں ہے نہ وہ جو ہمارے دلوں کے راز جانتا ہے جو ہمارا سب سے بڑا آسرا ہے جو یہ سب دیکھ رہا ہے اور وہ ہی ہے جو اس مصلحت کو جانتا تھا اور وہ ہمیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا صبح ہوئی تو پی سی اوجا کر سب سے پہلے گھر فون کر کے اماں سے بات کی لیکن ان کو کچھ نہیں بتایا کیونکہ وہ کچھ بھی بتا کر ان کی امیدوں پر پانی نہیں پھیرنا چاہتے تھے اور نہ ان کو اپنی کسی بات سے پریشان کرنا چاہتے تھے شام میں اسی ہوٹل پہ آ کے بیٹھا جہاں روز ہی بیٹھ کر وہ کھانا کھاتا تھا تو اظہر خان آ کر اسے سے ملا کچھ رسمی بات چیکے بعد اس سے پوچھا کہ کل کہاں تھے تو کہا بس اب کہیں اور رہنے کا بندوبست کیا ہے اظہر خان نے بیچ میں ہی بات کاٹ دی اور کہا کہ میرے پاس کیونہیں آئے کیا میں تمہارا دوست نہیں ہوں تو پہلے تو وہ کچھ ہنگامہ سا گیا پھر کہا کہ نہیں آپ کے گھر میں رہ کے آپ کو تکلیف نہیں دے سکتا لیکن اظہر خان نے اس کی کوئی بات نہیں سنی اور اپنے گھر لے گیا وہ اس کے گھر

اللہ سے اتنی دعائیں کرتے تھے رات رات بھر جاگ کر بارشوں میں بھیگ کر ہر نماز کے بعد بس یہی دعا ہوتی کے صرف اپنا دے پھر چاہے وہ کم ہی کیوں نہ دے کیونکہ تمہارا دیا ہوا کم بھی بہت ہوتا ہے اور سب کچھ اس کے کن پر رکھا ہوا تھا حسن بھائیجان چچا ابو کے جس پلاٹ پر رہتے تھے وہ ایک بہت چھوٹا سا علاقہ تھا جو کراچی جیسے شہر میں گاں جیسا سمجھا جاتا تھا اور جس علاقے کو بہت لوگ جانتے تک نہیں تھے رابعہ بھائیجان اس ہی علاقے میں رہتی تھیں ان کے بابا اکثر حسن بھائیجان سے ملتے رہتے تھے اور اس طرح ان کی آپس میں اچھی جان پہچان ہو گئی تھی ان کا نام اظہر خان تھا اور وہ کونینہ کا پٹھان تھا اور بہت غریب اور شریف انسان تھا ان کی دو بیٹیاں تھیں ایک شادی شدہ تھی وہ بھی بہت اچھے گھر میں اس کے گھر میں اس کی چھوٹی بیٹی رابعہ اور اس کی بیوی رہتے تھے وہ بھائی کو اکثر ہوٹل میں کھانا کھاتے ہوئے دیکھتے تھے اس بات پر وہ ہمیشہ حیران بھی ہوتے تھے کیونکہ اظہر خان کو پتا تھا کہ حسن بھائیجان جس پلاٹ پر رہتے تھے وہ ان کے چچا کا گھر تھا اور چچا ابو اور اظہر خان کی آپس میں کافی جان پہچان تھی اور اظہر خان کو اندازہ تھا کہ چچا ابو کس قدر سخت اور تنگی انسان ہیں ظاہر ہے حسن بھائیجان کے مزاج کو جان کر وہ سمجھ گئے کہ وہ دوسروں پر بوجھ نہیں بننا چاہتے ہیں ان کے پلاٹ پر رہنا صرف ان کی مجبوری ہے اور اظہر خان کو بھائیجان کی یہ خوداری بہت پسند آئی لوگوں کی باتوں میں آ کر چچا ابو نے بھائیجان کو اپنے پلاٹ سے جانے کا کہہ دیا اور حسن بھائیجان نے اپنا قصور بھی نہ پوچھا کچھ کہے بغیر سامان لکیر چلے گئے رہنے کی کوئی جگہ نہ تھی لیکن ایک امید باندھے وہ امی کے ماموں کے پاس گئے ان کی ڈور بیل بھائی تو پانچ دس

اس کی بھی دلہن آئے اور یہ تو سب چھوٹے بہن بھائیوں کی بھی خواہش تھی کیونکہ وہ اپنی فیملی میں سب کو ہی بہت پیارے تھے اور بابا کو جیسے ہی رٹائر میٹ کے پتے ملے انہوں نے سب پہلے حسن بھائیجان کی شادی کر دادی کچھ دن بھابھی ہمارے ساتھ ہی گاں میں رہیں لیکن کچھ دنوں بعد ہی حسن بھائیجان نے کراچی میں ایک کرائے کا گھر لے لیا تھا وہ بھی ایک بہت چھوٹے سے علاقے میں اور وہ بھابھی کو کچھ دنوں میں ہی واپس کراچی لے گئے وہ یہ سب افورٹ نہیں کر سکتے تھے لیکن بھابھی کی ضد کی وجہ سے انہوں نے یہ سب کیا بابا کے پاس جو پتے باقی بچے تھے انہوں نے اس میں سے گھر بنوانا شروع کیا لیکن وہ گھر چھت چڑھنے تک ہی بن سکا خاندان کے سب رشتیدار کراچی شفٹ ہو گئے تھے ہمارے علاوہ تین چار گھر رہ گئے تھے جن کی یہیں شہر میں جاہز تھیں حسن بھائیجان نے کچھ ہی دنوں میں بابا کو فون کر کراچی آنے کا کہا اور اس طرح ہم کراچی چلے گئے ہمیں کچھ ہی دن ہوئے تھے کراچی آئے جب بابا دادا سے ملنے آیا ابو کے گھر چلے گئے لیکن جب سے دادا سے مل آئے تھے وہ بہت اداس تھے اور بس اتنا کہا کہ جانے کیوں بابا میرے ساتھ کبھی نہیں رہتے آج بھی میں نے ان سے بہت کہا وہ میرے ساتھ آئیں میرا گھر بالکل گاں کے گھر کی طرح ہے آپ آرام سے رہ سکتے ہیں لیکن خیر وہ بھائی کے ساتھ ہی رہینگے آخر میں انہوں نے امی سے یہی کہا کہ بابا کا بہت خیال رکھنا سب کے رویوں نے بابا کو اتنا مایوس کر دیا تھا اور وہ خود کو اس دنیا میں واقعی اکیلے لگ رہے تھے حسن بھائیجان کی شادی کے دو ماہ بعد بابا اس دنیا کو چھوڑ کر ہمیں اکیلا کر گئے اور ہم واقعی اکیلے ہو گئے تھے بابا کی یوں اچانک موت ہم

میں بس ایک ہی دن رکا تھا کیونکہ اگلے دن ہی اسے پچلرز میں جا کے اپنے کچھ گاں کے ان لوگوں کے ساتھ رہنے کا کہا آیا تھا جو ایک ہی کمرے میں ساتھ آٹھ لوگ رہتے تھے اور اس کی بہت عزت کرتے تھے وہ اس لیے بھی عزت کرتے تھے کہ حسن بھائیجان نے ان سب پہ کبھی بھی اپنے خاندانی نام کا رعب نہیں جتا یہ تھا اظہر خان کو اس کی یہ شرافت بہت پسند آئی اور اسی شرافت کی وجہ سے اس نے اپنی بیٹی سے شادی کرنے کی خود ہی آفر کر ڈالی اور اس بارے میں بابا سے بات کی اور بابا نے حسن بھائیجان کی رضامندی دیکھتے ہی اماں کو کراچی ساتھ لے آیا ہر یوں رابعہ بھابھی اور بھائیجان کا رشتہ طمہ ہو گیا حسن بھائیجان جس جگہ جا رہے تھے وہ تین چار پارٹنرز تھے اور پہلے تو وہاں در کر کے حساب سے کام کرتے تھے لیکن ان کی ایمانداری کو دیکھتے ہوئے اس کے پاس نے اپنے پاس لگا لیا تھا ان کا اپورٹ ایکسپورٹ کا کام تھا وہ ایک ہوائی روزگار کی طرح کبھی چلتا تھا اور کبھی رک جاتا تھا لیکن اس میں یہ تھا کہ آنس کے سب در کرز کو اپنی تنکھائیں ٹائم پر مل جاتی تھیں کیونکہ کے یہ اپورٹ پر چلنے والا کام تھا اور اسی وجہ سے بزنس میں ان مالکوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑتا تھا جس کی وجہ سے آہستہ آہستہ اس بزنس کے جو پارٹنرز تھے وہ کام چھوڑ کر چلے گئے اور بس ایک ہی مالک تھا جو اتنے بڑے قرضے میں گھیرا پڑا تھا لیکن اس کی امید ابھی باقی تھی جس کی وجہ سے اس کے سب در کرز نے اس کا ساتھ دیا دنیا میں برے لوگوں کے ساتھ ساتھ بہت سے اچھے لوگ بھی باقی ہیں جن کی وجہ سے یہ دنیا قائم ہے

بابا اور اماں کی خواہش تھی کہ ان کے بڑے بیٹے کی بھی شادی ہو

کراچی آئے تھے آس پڑوس کے لوگ ہم پر اور ہمارے گھر پر بہت کسمپنس کرتے تھے ہماری گھر داری پر کبھی ہماری ڈریسنگ پر اور کبھی ہماری کوکنگ پر کیونکہ غربت نے ہمیں ہر کام سکھا دیا تھا پھر بھابھی نے ہمیں مشورہ دیا کہ ہم جب کے اتنے اچھے کپڑے بنا لیتے ہیں تو کیوں نہ سلائی پر کپڑے سینا شروع کریں پہلے تو ہم خاموش رہے اس بات پر وہ بیان نہیں دیا لیکن جب اپنے کپڑے بناتے تو سب بہت کو پسند آتے اور ہمارے کپڑے اکثر کٹ پیسز سے ہی بنے ہوتے تھے لیکن ہم ان پر کام اچھا کرتے تھے اور ہماری عادت تھی کہ ہم کوئی نیا کام دیکھتے تھے وہ خود سیکھنے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ ہماری اتنی حثیت نہیں تھی کہ ہم اتنے مہنگے کپڑے بنواتے وہ بھی اتنی بہنیں خیر لوگوں کے بہت پسند کرنے اور اپنی ضرورت کے لئے ہم نے یہ کام بھی شروع کیا پہلے تو ہمیں بہت اچھا رسپانس ملا اور پڑوس میں بہت ابگ ہم سے کپڑے بنواتے تھے ایک دو لوگ ایسے تھے جو ہم سے کپڑے بنوا کر بیکنس میں دیتے تھے لیکن ان لوگ کا جیسے ہی کام آگے بڑھنے لگا ان لوگ نے ہم سے کام کروانا چھوڑ دیا ہم نے کوئی ترقی نہیں کی اس کام سے لیکن یہ فائدہ ہوا کہ ہم بہت اچھے ڈریس ڈزائنرز بن گئی تھی حسن بھائی جان کے اتنے دقت سے ایئر پورٹ پر کام کرنے کی وجہ سے اور کچھ نہیں لیکن ان کی ایئر پورٹ پر بہت جان پہچان ہو گئی تھی اور وہاں سب لوگ ان کی بہت عزت کرتی ان کے آفس کے مالک اپنے ورکرز کو سارا حساب دے کر وہاں سے چلی گئے لیکن حسن بھائی جان نے خود اپنا بزنس کرنے کی کوشش کی وہ بھی امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس اور جو انکے ساتھ پہلے کام کرتے تھے اسی آفس میں شروع شروع

سب کے لئے ایک اذیت ناک حادثہ تھا اور کسی نے آکر ہم سے ہمدردی کے دو لفظ بھی نہیں کہے تھے اور نہ ہی ہمارے سر پر ہاتھ رکھا تھا بلکہ لوگوں کے منہ سے یہ سننے کو ملا کہ ہم خود ہی بابا کی موت کے زمیندار ہیں اور ہم نے اپنے باپ کو خود مارا ہے بس دادا ہی تھے جو اپنی بیٹی کی موت پر ہمارے دکھ میں شریک تھے دادا اپنی ضد پر گاں میں ہی رہے تھے اور تایا ابو کے فیملی میں سے ان کے ساتھ کوئی نہیں رکا تھا ان کی پوری فیملی کراچی واپس چلی گئی تھی بابا کے جانے کے بعد دادا بس کچھ وقت ہی ہمارے ساتھ رہے تھے اور اماں نے ان کی بہت خدمت کی تھی دادا کی ڈتھ کے بعد گاں میں رہنے کا تو کوئی جواز ہی نہیں بچا تھا اور ہم سب پوری طرح کراچی شفٹ ہو گئے ہم اپنے صرف ضرورت کی کچھ چیزیں اور کپڑے ہی لیے تھے باقی کچھ نہیں لیا تھا لیکن وہاں آنے کے بعد بھی ہم نے بہت کٹھن وقت گزارا ہاں پر یہاں کوئی ہمارے حال پہ ہنسنے والا نہیں تھا عباس بھائی کو ایک ایئر لائن میں جاب مل گئی تھی اور عرفان بھائی کو حسن بھائی جان نے اپنے ساتھ کام پر لگایا تھا ان کے مالک ملک سے باہر گئے ہوئے تھے اور سب حسن بھائی جان کی زمینداری پر ہی چھوڑ کر گئے کیونکہ کام ساریے رکے ہوئے تھے ہر روز ورکرز چینج ہوتے پھر ان کا کام چھوڑ کر چلے جاتے جس کی وجہ سے وہ عرفان بھائی کو ساتھ لے جاتے تھے لوگ جانے کیوں شاٹ کٹ کی پیچھے جاتے ہیں جب کہ محنت ایک دن ضرور رنگ لاتی ہے اماں کہتی ہیں کہ یہ بھابھی کے اچھے نصیب کی وجہ سے بھائی جان کے کاموں میں برکت آئی ہے گھر کے حالات کافی بہتر ہوئے تھے ہم جب لوگوں کے منہ سے اپنے لیے ایک بھی اچھی بات سن لیں تو ہمارے حوصلے بڑھ جاتے ہیں جب سے ہم

شرمندگی ظاہر کی کہ سارے خاندان آپس میں ایک ہیں ہم نجانے کیوں ایک دوسرے سے دور دور رہتے ہیں حالانکہ پہلے لوگ ہم تین بھائیوں کے محبت کی مثال دیا کرتے تھے اب ہمیں بھی اتحاد کے ساتھ رہنا چاہیے کہ لوگ ہم پر انگلی نہ اٹھا سکیں اور دلوں میں جو نفرتیں ہیں وہ ختم کرو پہلے جو ہو گیا سب بھول جا ماں نے مسکرا کر کہا کہ بھائی صاحب ہم نے کب نفرتوں کو دل میں جگہ دی تھی جو اب کسی سے نفرت کریں گے ہم نے تو ہمیشہ دل صاف ہی رکھا ہے پھر عباس بھائی کی شادی کے بعد تاپا ابو نے اماں اور حسن بھائیجان سے اپنے دونوں بیٹوں کے رشتوں کی بات کی کہ ان کو اپنے دونوں بیٹوں کی شادی اپنی بھتیجیوں سے کرنی ہے حسن بھائیجان نے تو صاف انکار کر دیا تھا کیوں کہ انسان اگر کسی کو معاف بھی کر دیتا ہے تو وہ کسی کی غلطیوں کو بھولتا نہیں ہے اور یہ ہر انسان کی فطرت ہوتی ہے پھر حسن بھائیجان کچھ عرصے تک تو نہیں مانے لیکن چچا ابو اور اماں کے بہت سمجھانے پر مان گئے اور علیحدہ باجی اور تاپا ابو کے سب سے چھوٹے بیٹے ہشام کا رشتہ ہو گیا آج سب کچھ ٹھیک ہو گیا مایوسیوں، کدیاں، لچھٹ گئے تھے ساری امیدیں رنگ لائیں نہیں سب پرانے بھی اپنے تھے اب ہر رشتہ اپنی جگہ سمھالے ہوئے تھا آج لوگ ہماری ہر بات ہر چیز کو دیکھ کر ہمیں صرف سرہاتے نہیں تھے بلکہ ہمیں ہر بات میں فالو بھی کرتے تھے فریحہ آپا اپنے گھر اور فیملی میں بہت مصروف اور خوش تھیں عباس بھائی اور حسن بھائیجان بھی اپنے اپنے گھروں میں بہت اچھی اور پرسکون زندگی گزار رہے تھے ہم سب کی ساری آزمائشیں سب رنجشیں اور زندگی سب تلخیاں اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھیں اور سب کے دامن میں اب خوشیاں ہی خوشیاں تھیں

میں تو وہ راضی نہیں ہو رہے تھے لیکن پھر مان گئے پہلے تو ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوا لیکن وہ جتنا کماتے سب سے پہلے ورکرز کو ان کی دھاڑی دیتے کیونکہ وہ اپنا بھروسہ قائم رکھنا چاہتے تھے اور ان سب ورکرز کو ہر خاص موقع پر بونس بھی دینے کا میاب ہونے کے لیے نیک نیتی بھی بہت ضروری ہے اور یہ بھی ایک کامیابی کی خاص وجہ تھی حسن بھائیجان نے اپنا بزنس جمالیاتھا اور اب ہم کراچی کے ایک اچھے ایریا میں رہتے تھے حسن بھائیجان کے پاس جن کا نام آصف شاہ تھا واپس آئے تو بھائیجان کو یوں بزنس کرتے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ان کی محنت کو بہت سراہا پھر انہوں نے کہا کہ تم بچا ہو تو ہم دونوں پارٹنرز بن سکتے ہیں پھر بھائیجان نے کہا کہ مجھے اور کیا چاہیے میں اپنے مالک کا بزنس پارٹنر بن جاؤں واقعی انسان بہت کم سوچتا ہے اپنے لیے مگر اللہ وہ دیتا ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا

پاکستان کے انٹرنیشنل شہر کراچی میں اپنا بزنس اپنا گھرا پٹی گاڑیاں اور سب بڑی بات ان لوگوں میں عزت جو ہمیں اپنے ساتھ بٹھانا پسند نہیں کرتے تھے آج وہ سب لوگ ہم پر واری واری جاتے ہیں عباس بھائی کی شادی اماں کی سگی خالا کی بیٹی سے ہوئی تھی اور گاں میں شادی کروانے کے بعد کراچی آ کر ریسپشن کیا تھا اور یہ چچا ابو کی فرمائش پر ہوا تھا گاں میں ابھی ہمارا گھر نہیں بنا تھا چچا ابو نے زبردستی اپنے گاں والے گھر میں عباس بھائی کی شادی کروانے کا کہا بابا اور دادا کے گذر جانے کے بعد وہ کافی شرمندہ ہوئے تھے اور جب سے ہمارے حالات اچھے ہوئے تھے ایک اچھے چچا ثابت ہوئے تھے اور عباس بھائی کی شادی ان کے گھر میں ہوئی تاپا ابو اور تاپی امی بھی آئے تھے اور انہوں نے کچھ اس طرح اپنی

افسانہ

گل افشاں

افسانہ نگار اقرار سیٹ

Email: khushbooonline@gmail.com Khushboo Online Digest 0300-7198339

تھی کہ جس کے گلے ہی ان کی قسمت پلٹ گئی۔
 محض پانچ برس میں ہی وہ بڑی ذمہ دار بچی بن گئی جب وہ اپنے
 ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کے ساتھ سائیکل پر رکھی چھابڑی میں
 فروٹ چنوا تی تو رفیق نم آنکھوں سے آسمان کو تکتے ہوئے اس
 نیلی چھتری والے کا شکر ادا کرتا۔ گو کہ اس کے بڑے لڑکوں نے
 کبھی یہ فعل سرانجام نہیں دیا تھا۔ اور جب ویساڑی اچھی لگتی تو
 رفیق کبھی اس کیلئے جلیبیاں لاتا تو کبھی چائے مال میں سے سبرے
 بالوں والی گڑیاں دے دیتا۔ وہ دن بھر اپنے ننھے ہاتھوں سے کبھی جھاڑو لگاتی
 تو کبھی گڑیاں کا کھیل رچا لیتی۔
 صابرہ کی ہر پکار پر وہ ان کا مطلوبہ سامان ڈھونڈ ڈھانڈ کر ان کے
 حوالے کر دیتی ایک دن یونہی ابا کے ساتھ اعلیٰ وادنی نسل کے
 پھلوں کو علیحدہ کرتے ہوئے اس نے اسکول جانے کی فرمائش کی
 رفیق تو گویا کھل ہی اٹھا البتہ صابرہ کو اعتراض ہوا
 ”لو بھلا ہماری برادری میں کہاں لڑکیوں کی تعلیم کا رواج ہے جو
 ہم اسے پڑھاتے پھریں ہمارے ہاں لڑکیوں کو گھر واری سکھائی
 جاتی ہے جو آگے جا کر ان کے کام بھی آتی ہے“
 ”بھلی مانس کیا ہوا اگر نمازی برادری میں کوئی لڑکی نہیں پڑھی

دھند میں لپٹی ایک سردرات میں لاہور کی اس تنگ گلی کے نکل
 والے گھر میں ستاون فیمل کی تکلیف برداشت کرنے پر خدانے
 صابرہ کے پہلو میں ابر رحمت اتاری تھی رفیق عرف نیچے نے گلابی
 کسبل میں لپٹی سرخ و سفید پری کا ماتھا چومتے ہوئے اسے گل
 افشاں پکارا تھا (اسے اس نام سے بلا کی عقیدت اور عشق تھا ہوتا
 بھی کیوں نا وہ اس ننھی گل افشاں سے خواب میں بل چکا تھا
) پورے محلے میں لڈو بانٹے گئے ایسا نہیں تھا کہ گل افشاں کو سب
 سے پہلی اولاد کا اعزاز ملا تھا اس سے پہلے اس کے دو بھائی تھے
 ہاں مگر پہلی رحمت بن کر وہ ضرور اتری تھی شکرانے کے نوافل تک
 رفیق نے ادا کر ڈالے یہ وہ رفیق تھا جو بس جمعے کی جمعے مسجد جاتا
 تھا مگر گل افشاں کو پانے کا نشہ ہی اور تھا اس کی دلی تمنا تھی کہ خدا
 اسے پہلی اولاد بیٹی دے لیکن خدا کے کام خدا جانے..... اب وہ
 اسے پانے پر بے حد نازاں تھا گل افشاں کے بعد خدانے ایک
 اور بیٹا عطا کیا مگر جو مقام گل کا تھا وہ ان تینوں میں سے کوئی اور نا
 لے سکا۔ ہوتا بھی کیسے؟؟؟؟ رفیق کے غربت زدہ آنگن میں وہ
 خوشحالی کا دیا بن کر چمکی تھی کچھ ہی مہینوں میں کچے صحن کی مٹی نے
 اینٹوں کی چلدر اوڑھ لی صابرہ کو وعدے کے مطابق چاندی کے
 ٹوپس بھی بنا کر دیے گل افشاں ان کے لیے وہ لکی نمبر ثابت ہوئی

دن وہ اماں سے فرمائش کر کے دو کی بجائے ایک چوٹی بنواتی۔۔۔ جیلہ سے اوجھار مانگ کر کاجل کی سلائی بھی لگاتی اور پھر اسکول کے کام والا رجسٹر تھا اسے اپنی اکلوتی ایدھی والی جوتی پہنے ٹہل ٹہل کر چلتی مس حنا بن جاتی اور اپنے سامنے بیٹھے خیالی طالب علموں کو پڑھاتی کچھ وقت کا یہ کھیل اسے آسمانوں میں اڑا لے جاتا وہ سب بھلائے بس ٹانگ پر ٹانگ رکھے حکم چلاتی اور پھر اماں کی آواز پڑتے ہی اپنا خیالی گل دھڑام سے گرائے نیچے بھاگ جاتی اماں اسے دیکھتے ہی یا تو کوئی کام تھا دیتی یا پھر سعدی کو کھلانے کی ذمہ داری دے دی جاتی وہ جھولا جھلاتے ایک بار پھر اس رنگین دنیا میں کھو جاتی۔

زندگی کے سمندر میں جھولتی ناؤ میں پہلا چھید تب ہوا جب ایک دن گلی کے ککڑ پر ماسٹر صاحب نے رفیق کو روک کر اطلاع دی کہ اس کے لڑکے اسکول نہیں پہنچ رہے اور ان کا اٹھنا بیٹھنا محلے کے آواز لڑکوں کے ساتھ ہے رفیق کیلئے بات تو اچھنبے کی تھی لیکن وہ چیپ چاپ سن کر گھر آ گیا۔ پوچھنے پر دونوں کا صاف انکار کہ انھیں پڑھ کر کونسا پڑھ کر فخر لگانا ہے جب دیباڑی ہی کرنی ہے تو وہ بنا تعلیم کے بھی ہو سکتی ہے۔

زندگی میں کچھ بننے کیلئے محنت اور لگن پہلی سیرھی ہوتے ہیں لیکن جب انسان پہلی سیرھی ہی پار کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو آخری تک جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ان کے انکار پر رفیق کی خاموشی انھیں مزید شیر بنا گئی وہ جو کام چھپ کر کرتے تھے اب سرعام کرنے لگے رفیق عرف فیقہ ایسا ہی تھا صلح جو اور خاموش طبع جبکہ صابرہ کے لہجے کی گری اکثر گھر کے ماحول کو دوہکائے رکھتی۔

ایک دن اسکول واپسی پہ دل میں اٹھتی خواہش کے حصول کیلئے وہ

ہماری گل افشاں اگر پڑھنا چاہتی ہے تو پڑھنے دے اور پھر ایک لڑکی کی تعلیم سے نسلیں سنور جاتی ہیں“

”سنور تے تو اس سے اپنے بال بھی نہیں کہاں یہ نسلیں سنور نے چلی“ صابرہ نے اس کے اٹھے ہوئے بالوں کی طرف اشارہ کیا۔

”ابھی تو بیچی ہے دیکھنا ایک دن یہ تیر اور میرا نام روشن کرے گی“ رفیق کی ہر بات میں گل افشاں کے لئے صرف مان ہی مان تھا۔

بالآخر وہ اس کی ٹوٹی پھوٹی ویلیوں کے باعث اپنے دونوں بڑے بھائیوں کے ہمراہ اسکول جانے لگی۔ جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ اس کے دونوں بھائی اسکول کے نام پر بستہ اٹھائے صبح گھر سے نکل تو آتے ہیں مگر اسکول کی بجائے وہ سارا دن گلی کے

آوارہ لڑکوں کے ساتھ کھی ڈنڈا اور قچے کھیلتے ہیں ایک دو بار اس نے ابا سے شکایت کرنا چاہی اگلے دن انجام کے طور پر دونوں

بھائیوں سے مار کے علاوہ منہ بند رکھنے کی دھمکی بھی ملی وہ روتی بسورتی پھر سے ابا کے پاس پہنچی رفیق نے ان دونوں کی خبر لینے کا وعدہ کرتے ہوئے اسے پہلا پھسلا کر چپ کر دیا اور ساتھ ہی

دس کا نوٹ بھی تھمایا کہ چاچا بونا سے چاٹ لیکر کھالے وہ چاٹ کا سنتے ہی خوش ہو گئی کیونکہ اسے اپنے اسکول کے باہر لگنے والی

چاچے بوٹے کی چاٹ بہت پسند تھی۔ اسکول میں اس کی واحد دوست جیلہ تھی اماں کی خاص الخاص ہدایت تھی کہ زیادہ دوستیاں

پالنے کی کوئی ضرورت نہیں یہ شوق صرف امیروں کو بھاتے ہیں۔ کچھ ہی مہینوں میں وہ استانیوں کی پسندیدہ سٹوڈنٹ بن چکی تھی

اسے بھی تو اپنی استانیاں بہت بھاتی تھی خاص طور پر مس حنا۔۔۔ بہت خوبصورت۔۔۔ لہجے بالوں کی چوٹی بنائے

۔۔۔ میک اپ کے نام پر صرف کاجل لگائے حاضری رجسٹر اٹھانے اس کے آنے کے انداز پر گل افشاں فدا تھی۔ چھٹی والے

۔۔۔ میک اپ کے نام پر صرف کاجل لگائے حاضری رجسٹر اٹھانے اس کے آنے کے انداز پر گل افشاں فدا تھی۔ چھٹی والے

مووب بنی سب حاضر کرو تھی لیکن آج وہ تن گئی
 "تجھے سنتا نہیں کب سے ناشتے کا کبرہ رہا ہوں" صغیر کو غصہ آیا
 "میں بھی تو کبرہ رہی ہوں ناشتہ نہیں ہے"
 "کیوں؟؟؟"

"کیوں کہ راشن ختم ہے ہاں اگر تم دونوں بازار سے لا دو گے تو بنا
 دوں گی" "لا پیسے وے" گویا مانگ کر احسان کیا گیا تھا
 "کہاں سے ووں پیسے؟؟؟" "الٹا سوال ہوا"

"ابا کی چچی سارے پیسے ابا کے تیرے پاس ہوتے ہیں اسی میں
 سے وے" "کب تک ابا کے لکڑوں پہ پلتے رہو گے آخر خود کچھ
 کیوں نہیں کرتے"

"ابا ہم پہ احسان نہیں کر رہا مذہب داری ہیں ہم اسکی" صغیر ہاتھ
 پچا کر بولا

"اور جو مذہب داری تم لوگوں کی ہے اس کا کیا؟؟؟" وہ سیانی عاقلہ
 بنی سوال پہ سوال کر رہی تھی

"بڑی زبان چل رہی تیری۔۔۔ ابھی بتاتا ہوں اماں کو دیکھنا
 سارے کس بل نکل جائیں گے۔۔۔ اما۔۔۔ں۔۔۔ بات
 اوصوری رہ گئی جبکہ گل انشاں کا جواب پہلے حاضر تھا

"اماں گھر پر نہیں ہیں۔۔۔" اطمینان قابلین دیکھتا جبکہ صغیر کے سر
 پر لگی "تب ہی کہوں آج مینڈ کی اتنا پھدک کیوں رہی ہے"
 وہ تمام باتیں چھوڑے اب صلح جو انداز میں بولی

"بھائی ابا کی حالت بہت خراب ہے وہ ساری رات کھانا سنا ہے
 اب اس میں اتنی سکت نہیں کہ وہ سارا سارا دن کام کر کے ہمارے
 پیٹ کا وزن بھرے اگر تم دونوں کچھ کرنے لگو تو وہ بھی چاروں
 آرام کر لے گا"

"ہاں ہاں میری بہن کیوں نہیں ہم آج ہی کام ڈھونڈتے ہیں تو

چاچے بوئے کی ریڑھی کی طرف بڑھی اس بات سے لاعلم کہ
 ایک چھوٹی سی خواہش زندگی کی ایک اور تلخ حقیقت سے پر وہ
 اٹھا گئی۔ چاچے کی آنکھوں میں سہانی نمی اور چہرے پر کرب کی
 لکیریں اسے یہ آشکار کر گئی کہ وہ اپنی ہی اولاد کو بوجھ لگنے لگا ہے
 اس بوڑھے باپ کیلئے گھر بھر میں جگہ میسر نہیں وہ ان کے ساتھ
 بیٹھ کر رہ تو سکتی تھی مگر ان کیلئے کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ اس کی زندگی
 میں جو بڑا بدلاؤ آیا وہ یہ کہ اس دن کے بعد وہ ہر بوڑھے مرد و
 عورت کو بغور دیکھتی ان کے چہروں پر وہ آثار اور کرب تلاش کرتی
 جو اس دن چاچے بوئے کے چہرے پر تھا اگر کبھی وہ ماسی جنت کو
 گھر کے باہر نکلی تھیں۔ اتنی سیڑھیوں پر بیٹھا دیکھتی تو انکی سانس
 کے ساتھ وہاں بیٹھنے کی وجہ پوچھتی اور پھر اپنی سوچوں کے منزاو
 جواب باکر (کہ وہ صرف لوڈ شیڈنگ اور جس کی وجہ سے باہر بیٹھی
 ہے) وہ منظمین سی ہو کر ان کے گلے لگ جاتی۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ وہی تھی بس تلخ سچائیاں اس کے ذہن پر نقش ہو
 جاتی تھی وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی نہ مٹا پاتی۔ اوھر اس نے
 آٹھویں کا امتحان پاس کیا اوھر صابرہ نے مکمل گھر اس کے حوالے
 کر دیا اس کا خیال تھا کہ اسے اب گھر واری سنبھالنی چاہیے چونکہ
 نتیجے میں ابھی وقت تھا اور مزید پڑھنے کی ضد کو پورا کر دانے کیلئے
 ضروری تھا کہ وہ اماں کی ہر بات پر سر جھکائے کیونکہ اصل مسئلہ
 نبی صابرہ کا تھا اور نہ ابا تو ہمیشہ سے ہی اس کے حامی تھے وہ سورج
 کی آنکھ کھلنے سے پہلے اٹھتی نماز تلاوت سے فراغت کے بعد
 چولہا سنبھال لیتی ناشتہ کے بعد گھر کی صفائیاں اس کی منتظر ہوتی
 اپنی نفاست پسند طبیعت کے زیر اثر ہر چیز کو اس کی جگہ پر پہنچاتی
 ماسوائے ایک کمرے کے جہاں اس کے نواب بھائی آرام فرما
 رہے ہوتے دس بجے اٹھ کر ناشتے کا آرڈر جاری کر دیتے اور وہ

جاگڑ گرائی وہ ہستی جو شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے وہ کیوں نہ اس کی سنتا۔ بالآخر کچھ کوششوں کے تحت وہ دونوں رہا تو ہو گئے مگر ساری جمع پونجی صرف ہو گئی جو باقی ماندہ تھی وہ ہسپتال کے بل بھرو دیے گئے۔

اب کی بار رفیق نے لہجہ کی گرمی دیکھائی اور ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ آئندہ ایسا معاملہ ہوا تو وہ انہیں اپنی اولاد ہی تسلیم نہیں کرے گا لڑکے بھی جیل کی تازہ خاطر تو از ع کے پیش نظر اس کام سے توبہ کر گئے۔ زندگی اپنی روانی میں پھر سے بنے گی گل افشاں نمایاں کامیابی کے ساتھ اسکول سے کالج پہنچ چکی تھی لڑکے بھی باپ کا ہاتھ بٹانے لگے صابرہ پھر سے بے فکری کے جھولے میں جھولنے لگی۔ لیکن ”سیانے کہتے ہیں زندگی دریا میں بہتے اس پانی کا نام ہے جو سدا ایک ہی روانی میں نہیں بہتا اس میں کبھی تغیری تو کبھی بلا کا سکوت چھا جاتا ہے“

وہ دریا جو سکوت سے بہ رہا تھا اس میں لالچ کی چمک نے ایک بار پھر بے نشان منزل کو پانے کیلئے طغیانی بھردی۔ بڑے دن وہ اسی سوچ میں رہے کہ کاش کاش؟ مگر لالچ کی حرص نے سب وعدے توڑ ڈالے اور وہ بس آخری بار کرنا ہے کہہ کر پھر سے اس راہ کے مسافر بن چکے تھے۔ برائی کے راستے کی کشش نے انہیں ایسا جھکڑا کہ وہ چاہ کر بھی خود کو آزاد نہ کروا سکے

”حرام کے کڑک نوٹوں کی خوشبو ایسی من کو بھائی کہ پھر حلال کے پسینے کی بو میں اٹے نوٹ اچھتا لگے“

جیب میں نوٹ آئے تو یہ چھوٹا سا حملہ انہیں اپنے سے بہت چھوٹا لگنے لگا دونوں بھائیوں نے مل کر ایک پوش ایریا میں گھر خرید لیا سب کی پیشانیوں پر رقم سوالوں کا جواب یہ دیا گیا کہ کچھ جمع پونجی ان دونوں نے کی تھی اور یہ گھر بیچ کر تقریباً آدھی رقم ادا کر دی

بس کھانے کو کچھ دے دو پیٹ میں چو ہے دوڑ رہے ہیں“ غسل کھانے سے نکلتے ہوئے کبیر نے تو لیے سے بال پونچھتے ہوئے بات ختم کی ویسے بھی وہ صغیر کی نسبت تھوڑا ٹھنڈے مزاج کا تھا۔

اس دن کی بحث کے ہفتہ بعد ہی صغیر نے ماں کے ہاتھ پہ نوٹوں کی گڈی رکھی ”لے اماں دل کھول کر خرچ کر اور راشن بھی ڈلو الینا“ صابرہ ان پیسوں کا محرک جانے بنا ہی ان پر صدقے واری جانے لگی اور ساتھ ہی گل افشاں کو سنوائی بھی کر ڈالی

”دیکھ میں نہ کہتی میرے دونوں بیٹے ہیرے ہیں ہیرے“ جبکہ رفیق کے ساتھ ساتھ گل افشاں بھی اس سوچ میں غرق تھی کہ آخر وہ اتنے پیسے کہاں سے لائے اور پھر تو جیسے سلسلہ ہی شروع ہو گیا رفیق کا علاج اچھے ہسپتال میں ہونے لگا گھر میں آنے والی خوشحالی نے غربت کو اکھاڑ پھینکا۔ گل افشاں کی تعلیم کا سلسلہ پھر سے جڑ چکا تھا سعدی کا داخلہ اچھے اسکول میں کر دیا گیا یہ بھی گل افشاں کی زندگی وہ سعدی کو بڑے دونوں بھائیوں سے منفرد بنانا چاہتی تھی ایک پڑھا لکھا با اعتماد شہری۔ سکون اور پیسے کے نشے میں کھوئے ہوئے انہیں ہوش تب آیا جب صغیر اور کبیر کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے پایا

خبر تھی ہی اتنی سفاک کہ رفیق کا ہاتھ بائیں طرف دھڑکتے تو تھڑے پر جار کا صابرہ پونا نو ایک ساتھ دو دو تیا تیاں ٹوٹ پڑی تھی ایک طرف سر کا سا میں ہسپتال کے بستر پر پڑا تھا تو دوسری طرف مستقبل کے سہارے پنجرے میں قید تھے ایسے میں صرف گل افشاں ہی تھی جو کبھی ماں کی ڈھال بن جاتی تو کبھی محلے کے معزز لوگوں کی منت سماجت کرتی کہ اس کے بھائیوں کو رہائی دلا دی جائے مگر کوئی بھی حامی بھرنے کو راضی نہ تھا گویا وہ سب مطلب پرست پتلوں کو چھوڑے ایک حقیقی ہستی کے سامنے

گارٹی ہے یہ وہ دینا ہوگا جیسا آپ اسے دیکھنا چاہتے ہو۔
گل افشاں کی بات حقیقت پر مبنی تھی نا چاہتے ہوئے بھی اسے یہ نا
جائز مطالبہ ماننا پڑا اور گھر بیچنا پڑا۔

ماحول بدلاتا تو انداز میں بدلاؤ آپ آگیا وہ صابرہ جو اول جلول
حلیے میں پھرتی تھی اب ذرا بن سنور کر رہتی گاؤ تیکے سے ٹیک
لگائے سارا دن ٹی وی کے سامنے بیٹھی رہتی۔ جہاں صغیر نے گھر
میں بہت سا دوسرا سامان ڈلوایا وہیں وہ یہ بیماری بھی اٹھالایا تھا
جس کی سب سے زیادہ خوشی صابرہ کو ہی ہوئی اور اب اسی خوشی
کے پیش نظر وہ وہاں سے ملنے کا بھی نام نہ لیتی۔ وہ رشتہ دار جو کبھی
صرف اس لیے چھوڑ گئے تھے کہ کہیں آڑے وقت میں کچھ دینا
دلانا نا پڑ جائے اب حالت زار بدلتے دیکھ کر لہجوں میں شیریں
گھولے پھر سے ملنے لگے تھے اور صابرہ جیسی بھولی خاتون ان پہ
بصدقے واری جاتے نا تھکتی۔ باقی سب نے تو چلو میل ملاپ کی
حد تک ہی رشتہ داری کا ٹھنسی تھی مگر نجمہ اور اس کا بیٹا تو گل افشاں کو
دیکھتے ہی فدا ہونگے تھے اور اگلے ہفتے ہی باقاعدہ رشتہ لے آئے
نجمہ جہاں گل افشاں کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر رہی تھی
وہیں وہ اپنے بیٹے کا ذکر کرنا نا بھولتی

”میرا داؤد ایسا... میرا داؤد ویسا... میرا داؤد پڑھا لکھا... میرا
داؤد خوبصورت“ اس کی ہر بات داؤد سے شروع ہو کر داؤد پر ہی
ختم ہوتی تھی ”چاچی تیرے داؤد میں سب کچھ ہے پر نوکری بھی
تیرے داؤد کے پاس نہیں“ منہ پھٹ صغیر بولا
”کیا ہوا صغیر اگر آج نوکری نہیں ہے کل دیکھنا وہ بھی مل جائے گی
..... اور بھائی رفیق میں کہے دے رہی ہوں مجھے بس ہاں میں
جواب چاہیے“ نجمہ تو سب طے کیے بیٹھی تھی
یوں کچھ سوچ بچار کے بغیر رشتہ پکا کر دیا گیا کیوں کہ داؤد ہر لحاظ

جائے گی اور باقی وہ اقتسام میں چکا دیں گے۔ سب اس من
گھڑت بات پہ ایمان لے آئے ماسوائے رفیق کے جسے اس
بات میں رتی برابر بھی سچائی کی رت دکھائی نہ دی وہ اپنی برسا برس
کی حلال کی کمائی میں اس گھر کی سیلن زدہ دیواریں نہ بدلواسکا کجا
کہ گھر نیا لیتا۔ گویا اس نے گھر بیچنے اور ساتھ جانے سے انکار کر
دیا دونوں لڑکے تو بچھ ہی گئے کہ اگر گھر نہیں بیچیں گے تو رقم کہاں
سے ادا کریں گے۔ صابرہ ہمیشہ کی طرح بیٹوں کی حمایت میں اٹھ
کھڑی ہوئی ”خدا کا واسطہ ہے رفیق کبھی تو شک کی عینک اتار کر
دیکھا کر..... جو کچھ تو زندگی میں حاصل نہ کر سکا اگر تیرے بیٹوں
نے کر لیا تو اس میں برائی ہی کیا ہے“

”بات حاصل اور لا حاصل کی نہیں ہے بات ذرا لچکائی ہے اور
مجھے زندگی میں جو کچھ ملا میں اس پر صابرہ ہنسا کر ہوں“
”بس کر رفیق اتنا ہی تو صابرہ ہنسا کر ہے تو جب رات بھر
کھانتا ہے تو کیوں دوا مانگتا ہے اپنی یہ صبر و شکر کی گھٹی کیوں نہیں
لیتا؟؟؟ اور کل جب اسے بیاہنا ہوا تب بھی اس کی جھولی میں
جہیز کے نام پہ صرف صبر و شکر ہی ڈالنا... کیوں کہ میرے بیٹوں کی
کمائی لینا تو تجھے گوارا نہیں ہے اور تیری کمائی میں سوائے صبر و شکر
کے کچھ نہیں آتا“ صابرہ لڑا کا عورتوں کی طرح طعنے دے رہی تھی
”اس کمائی سے یہ کمائی لاکھ درجے بہتر ہے کم سے کم مجھے شکر کرنا
تو سیکھاتی ہے“

”یہ ساری باتیں بس سننے پڑھنے میں اچھی لگتی ہیں رفیق سچائی
اس سے کہیں زیادہ تلخ ہے“
”اماں ٹھیک کہہ رہی ہے ہم ایک بار کڑا وقت دیکھ چکے ہیں جب
سب ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اور پھر ان کے لئے نہیں تو میرے اور
سعدی کے لیے ہی مان جاؤ سعدی اگر اسی ماحول کا حصہ رہا تو کیا

اسی کی امانت تھا اس نے لے لیا

”ابا! اماں زندگی صرف ایک کے جانے پر ختم نہیں ہو جاتی اگر ایسا ہوتا تو آج اس دنیا میں کوئی زندہ نہ ہوتا ہر کوئی اپنے پیاروں کے ساتھ ہی اپنی قبر کھودا لیتا جب کہ ایسا نہیں ہے آپ کو کچھ ایسے انسان بھی ملیں گے جو اپنا سب گنوا کر بھی زندہ ہیں زندگی جی رہے ہیں ناکہ زندگی گزار رہے ہیں کیونکہ زندگی جینے اور گزارنے میں بہت فرق ہوتا ہے آپ لوگ زندگی گزار رہے ہیں ایک لمحے کیلئے صغیر بھائی کا دکھ بھلا کر ذرا سوچیں سعدی کا کیا قصور ہے اس سب میں جو آپ لوگ اسے پس منظر میں دھکیل رہے ہیں جو چلا گیا اس کا غم ہے ہم سب کو مگر جو بچا ہے اسے تو آپ لوگ اپنے ہاتھوں سے گنوانے کی بجائے سمیٹ لیں کبیر بھائی کو سیدھی راہ پہ لے آئیں سعدی کی طاقت بنیں کمزوری نہیں“ اس کی تقریر کا ایک فائدہ ہوا اس دن کے بعد صابرہ اور رفیق ہر گزرتے دن کے ساتھ تھوڑا تھوڑا سنبھلنے لگے تھے سعدی کو سینے کو گل افشاں ہر قدم پہ اس سے ساتھ کھڑی ہوتی زندگی بہت اچھی نا سہی پر گزرنے لگی تھی دو ناہ میں ہی مالی مشکلات پیش آنے لگی ابا میں اتنی سکت ناری تھی کہ وہ کوئی مشقت کا کام کر سکتا جوان بیٹے کی جدائی اسے وقت سے پہلے بوڑھا کر گئی تھی اب کی بار بھی گل افشاں کو ہی کچھ کرنا تھا وہ ایک نیا عزم لئے اگلی صبح ڈاکو مینٹس فائل اٹھائے وہ ہر اس جگہ گئی جہاں اسے لگتا تھا کہ شاید کوئی نوکری مل جائے مگر ہر جگہ سے وہ نامراد ہی لوٹی۔ اور پھر تو روز ہی ایسا ہونے لگا وہ ہر جگہ سے خالی ہاتھ ہی لوٹی صبح کی ناشتے کے بنا ہی آگئی تھی اب اس کا بھوک سے برا حال تھا سڑک پار سے برگر والا نظر آ گیا پرس میں پیسے دیکھے تو وہ کم تھے مگر بھوک بھی عروج پر تھی کچھ سوچتے ہوئے اس نے آدھا برگر لے لیا اور چلتے چلتے

سے بہتر تھا ما سوائے نوکری کے... وہ بھی انشا اللہ مل ہی جائے گی کہہ کر سب مطمئن ہو گئے اور شادی انٹر کے بعد طے کی گئی۔ بیمار رفیق کی آدھی بیماری یہ سوچ کر ہی ختم ہو گئی تھی کہ اس کی گل افشاں اپنے گھر کی ہونے والی ہے اور جو تھوڑی بہت رہتی تھی وہ سعدی نے پورے مڈل بورڈ میں ٹاپ کر کے ختم کر دی تھی اگر دونوں بڑے بچوں کو بگاڑنے میں صابرہ کا ہاتھ تھا تو چھوٹوں کو سنوارنے میں رفیق نے جی توڑ محنت کی تھی اور آج وہ اسی محنت کا صلہ وصول رہا تھا خوشی تو صابرہ کے چہرے پر بھی عایاں تھی آخر کو اس کی نا صرف خاندان میں بلکہ محلے بھر میں بھی ناک ادا ہو گئی تھی ہر کوئی مبارکباد دینے چلا آ رہا تھا گھر بھر میں خوشی کا ہی سماں تھا مگر۔۔۔

ان خوشیوں کو بری نظر کھا گئی رات وار دات کے وقت پولیس کا چھاپہ پڑا اور پولیس مقابلے میں صغیر کو گولی لگ گئی جوان بیٹے کی موت انھیں توڑ گئی کبیر ایک بار پھر سلاخوں کے پیچھے تھا وہ صابرہ جو سارا دن بن سنور کر رہتی تھی اب پہروں تلگے کپڑوں میں بڑی غلاؤں کو گھورتی رہتی ناکھانے کا ہوش تھا ناپینے کا... بس آنسو تھے جو کسی وقت بھی رکنے کا نام نالیتے رفیق کی حالت بھی کچھ زیادہ اچھی نا تھی فرق صرف اتنا تھا کہ وہ صابرہ کی طرح رو نہیں سکتا تھا لیکن جوان بیٹے کو قبر میں اتارتے وقت وہ بھی سارے ضبط کھو بیٹھا تھا اس قدر دھاڑیں مار مار کر رویا کہ چپ کروانا مشکل امر لگنے لگا۔ سعدی الگ سہا ہوا تھا صدمہ تو گل افشاں کیلئے بھی بہت بڑا تھا لیکن اس وقت اسے ہمت سے کام لینا تھا کسی ایک کو تو ہمت کر کے اس ٹونے آشیانے کو جوڑنا تھا اسی لئے اس نے ہمت کر لی یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔ کبھی وہ ابا کو سمجھاتی تو کبھی اماں کو... انھیں بتاتی کہ وہ

”اور بیٹا؟؟“

انہوں نے ٹھنڈی سانس خارج کی

”بیٹا میرے ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہیں ہے وہ رہتا تو اسی گھر میں ہے مگر اس کی راتیں اور دن کہاں گزرتے ہیں کوئی نہیں جانتا میرے پاس وہ صرف تب آتا ہے جب اسے پیسے چاہیے ہوتے ہیں“

”آپ کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر اس کی شادی کر دیں وہ اسے خود ہی سمیٹ لے گی اور جب ذمہ داری سر پر پڑی آپ دیکھے گا وہ کیسے ساری ایکسٹرا سرگرمیاں چھوڑتا ہے میرے ابا کہتے ہیں سمجھدار بیوی اپنے شوہر کی نا صرف دنیا بلکہ آخرت بھی سنوار دیتی ہے“

”ہم م م م“

بیٹے کے ذکر پر وہ افسردہ ہو گئی گل افشاں نے فوراً ٹوپک تبدیل کر دیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔

اگلی صبح وہ خیل میں کبیر سے ملنے گئی

”گل افشاں کتنے دنوں بعد آئی ہو..... اماں ابا کیسے ہیں؟؟؟ تم نے میری رہائی کے لئے دیکھ لیا ہے۔ مات کی خدا کیلئے مجھے یہاں سے نکالو..... میں اگر کچھ دن اور یہاں رہا تو ویسے ہی پاگل ہو جاؤں گا“ وہ ایک سانس میں سب سوال جواب کیے جا رہا تھا

”میں نے وکیل سے بات کی تھی وہ جتنی فیس مانگتے ہیں اتنی تو میری ماہانہ تنخواہ بھی نہیں ہے.... تمہارے اد پر مقدمے ہی اتنے ہیں کہ چھوٹے موٹے وکیل کے بس کی بات نہیں“

”خدا راجھے یہاں سے کسی بھی طرح نکالو میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ ایسا کوئی کام نہیں کروں گا بالکل ویسی زندگی گزاروں گا جیسی تم اور ابا چاہتے ہو“ وہ بے بسی کی انتہا پر تھا

کھانے لگی کہتے ہیں خدا کی ہر بات میں کچھ نا کچھ مصلحت ضرور ہوتی ہے اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا وہ جس کاغذ پر رکھا برگر کھا رہی تھی اس اخبار کے ٹکڑے پر نوکری کا ایڈ تھا اور گھر کا ایڈریس بھی زیادہ دور نا تھا کچھ سوچتے ہوئے وہ پیدل ہی چل پڑی اس امید پر کہ شاید کوئی بات بن جائے۔ آدھے گھنٹے تک وہ اپنے مطلوبہ پتے پر پہنچ چکی تھی بنگلہ اتنا بڑا تھا کہ اسے تو اندر جاتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا پر جانا تو تھا ہی سوہمت کر کے وہ اندر چلی گئی اندر جس خاتون سے اس کا سامنا ہوا وہ بہت پر شفیق تھی چند منٹوں میں اس کا سارا ڈرائنگ روم چکا تھا انہوں نے چند باتوں کے بعد اس کو کل سے کام پر آنے کا کہہ دیا وہ خوشی سے جھومتی گھر گئی اماں سے لپٹی انہیں بتانے لگی کہ اسے نوکری مل گئی ہے اور کام بھی زیادہ نہیں ہے بس اس بوڑھی پر شفیق عورت سے سارا دن باتیں کرتی ہیں اس کے ساتھ کھانا کھانا ہے چائے پنی ہے بس اتنا سا کام ہے“ ایک تو یہ امیر اور ان کے چونچلے..... اس کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہے کیا جو اسے نتھائی بانٹنے کیلئے ملازمہ کی ضرورت پڑ گئی ہے“ پتا نہیں اماں مجھے تو وہاں ملازموں کے علاوہ کوئی نظر نہیں آیا... یا پھر ہو سکتا ہے وہ سب کام میں اتنا مصروف ہوں کہ بوڑھی ماں کیلئے کسی کے پاس ناظم ہی نا ہو“

اسے اس میڈم کے ہاں کام کرتے ہوئے ایک ماہ سے اوپر ہو چکا تھا مگر اس نے آج تک ملازموں کے علاوہ کسی کو میڈم کے آس پاس نہیں دیکھا تھا سوہمت کرتے ہوئے آج پوچھ ہی لیا

”میڈم آپ کی اولاد نہیں ہے؟؟؟؟“

پہلے تو وہ اس کی بات پر ہنسی رہی پھر بولی

”ماشا اللہ سے میری دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ بیٹیاں اپنے اپنے گھروں کی ہو کر دیار غیر چلی گئی“

اپنی امانت لے جائیں جبکہ صابرہ اس کی کم عقلی پر افسوس کرتی رہ گئی بھلا کیا تک بنتی ہے اتنا اچھا رشتہ پر کنگلے واؤد کو ترجیح دینے کی

نغمہ تو ان کی بات سن کر تو ہنسنے سے اکھڑ گئی کہ اسے نہیں چور اچکوں کے گھر میں بیٹے کو بیاہنا اس نے تو یہ رشتہ اسی دن ختم کر دیا تھا جس دن انکی اصلیت اس کے سامنے آئی تھی۔

”لیکن بہن اس میں گل افشاں کا کیا تصور؟؟؟“

”معاف کیجیے گا بھائی صاحب تالاب میں مچھلی چاہے ایک بھی گندی ہو اثر پورے تالاب پر پڑتا ہے اور پھر آپ کے گھر رشتہ داری کرنے سے ہمارے لڑکے بھی گل کو اسی راہ پہ چل نکلیں گے اور سچ پوچھیں تو ہم میں اتنا جگر نہیں کہ جوان میتوں کو کندھا دیتے پھریں“ لفظ تھے یا کند چھری۔

وہ چیپ چاپ گھر آ گیا۔ گل افشاں کے لیے یہ بڑا دلچسپ تھا کچھ نہ سہمی اس رشتے کے ہو جانے پر تھوڑا بہت لگاؤ تو تھا ہی۔ سوتے جاگتے دیکھے جانے والے خوابوں میں تھوڑی سی جگہ اس نے داؤد کو بھی دی تھی کچھ مستقبل کے خواب اس کے نام کے بھی دیکھے تھے مگر اس نے سب لمحوں میں جہنم کر دیا یوں جیسے کبھی کچھ تھا ہی نہیں۔ ایک بار اس سے بات کر کے وہ ابن تمام سوالوں کے جواب چاہتی تھی جو اس کے من میں کلبلا رہے تھے سعدی نے داؤد کا فون نمبر دے کر اس کی یہ مشکل بھی آسان کر دی تھی اور وہ پہلے ہی سوال پر یہ کہہ کر بری الذمہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں لے سکتا انھوں نے اگر انکار کیا تو گویا اس میں بھی میری بھلائی ہوگی۔

اگر وہ لڑکا ہو کر اپنے ماں باپ کا مان رکھ رہا ہے تو میں کیوں نہیں

؟؟؟

”ہا... وعدہ... بالکل ویسا وعدہ جیسا تم نے اور صغیر بھائی نے آج سے کچھ سال پہلے ابا سے کیا تھا“ لہجے میں طنز کی آمیزش نمایاں تھی

”تب اور بات تھی اس وقت صغیر میرے ارادوں کو بدلنے والا تھا پر اب ایسا نہیں ہوگا تم بس مجھے یہاں سے نکلاؤ“

وہ اسے جھوٹی تسلی دیے چلی آئی جانتی تھی اس کی رہائی اتنا آسان کام نہیں ہے اس پر مفقدموں کی بھرمار تھی۔

اس کے بات کے ٹھیک ہنسنے بعد میڈم رخسان کے گھر اپنے بیٹے کے لیے سوالی بن کر آ گئی وہ تو اسی صدمے میں تھی کہ بھلا وہ ایسا کیسے سوچ سکتی ہیں

”دیکھیے بہن آپ ہمارے گھر آئی آپ کا شکر یہ مگر گل افشاں کی بات پہلے ہی ہمارے رشتہ داروں میں طے ہے جیسے ہی حالات اجازت دیں گے ہم اسے رخصت کر دیں گے“ رفیق نے نہایت عاجزی سے ان سے معذرت کی

”بھائی صاحب آپ پھر بھی ایک دفعہ سوچ لیں پھر جو آپ کا فیصلہ ہمیں منظور ہوگا“ گل افشاں انھیں درازے تک رخصت کرنے آئی

”شکر یہ گل افشاں تم نے اس دن مجھے یہ راستہ دیکھایا... مجھے لگا میں واقع ہی اپنے بیٹے کو پھر سے پاسکتی ہوں“

”میڈم میں نے یہ بھی کہا تھا کہ کوئی اچھی لڑکی... نا کہ اپنی بات کی تھی“

”بھلا تم سے اچھی اور کون ہو سکتی ہے... بہدا خوش رہو میری دلی تمنا ہے کہ تم میری بہنو بنو باقی جو خدا کی مرضی“ وہ اسے پیار کر کے چلی گئی

رفیق نے نغمہ سے بات کرنے کی ٹھانی کہ آکر دو جوڑوں میں

مگر اس منزل کی تکمیل

سے پہلے ہی خدا نے اس سے وہ مہربان گود چھین لی جو اسے اپنی آغوش میں لیکر سارے دکھ درد چن لیتی تھی اور رحمت نے اس کی جھولی میں رحمت ڈال دی جسے اس نے امید کا نام دیا وہ امید جو لمحہ لمحہ پکھلتی زندگی کو پھر سے جینے کی امید دے۔

جہاں امید کو پا کر گل افشاں مصروف ہوئی وہیں دانیال کے رویے میں بھی تبدیلی آنا شروع ہو گئی یہ تبدیلی سراسر امید کیلئے تھی گل افشاں کے لئے لہجے میں وہی برفیلہ پن تھا مگر اسے اب ان سب سے قطعی فرق نہیں پڑتا تھا وہ خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑ چکی تھی۔

سعدی دور ہو کر بھی ہر لمحہ اس کے پاس تھا بالکل ویسے جیسے وہ اس کے ساتھ ہوتی تھی اب وہ اس کی ساری محبتوں کا صلہ سو سمیٹ دے رہا تھا جب تک سعدی کو جا ب نہیں ملی تھی وہ ہی اپنے اماں ابا کا بیٹا بنی ہوئی تھی جیسے ہی سعدی اپنے پیروں پر کھڑا ہوا ساری ذمہ داری اس نے اپنے کندھوں پر لے لی۔

گل افشاں نے اپنی زندگی کے دس سال پروانے کی طرح اس شمع کے گرد گزار دیے جسے قریب جانے پر ہوائے جلن کے کچھ نہیں ملتا مگر وہ پھر بھی اس کی محبت اور پائے کی چاہ میں اپنے پتکے جلاتا رہتا ہے۔

جب اسے اپنی محبتوں کا خراج ملنے لگا تب قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا ایک رات دانیال کی طبیعت اس قدر بگڑی ڈاکٹرز کے مطابق الکوہلک اشیاء کے زیادہ استعمال سے اس کا لیور مکمل طور پر ڈنچ ہو چکا تھا اس کے بچنے کی امید بہت کم تھی اس کی تو دنیا ہی لٹ رہی تھی امید کارہ رو کر برا حال تھا

”پلیز ماما بابا کو بچالیں نا“ امید روتے ہوئے اس سے مطالبہ

اس نے میڈم رعنا کے بیٹے کو ہاں کر دی۔ اس کے اس فیصلے کی سب سے زیادہ خوشی صابرہ اور میڈم رعنا کو ہوئی تھی۔ اب جب اس نے زندگی کو قسمت کی کسوٹی پر پرکھنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا تو کیوں نا وہ کچھ شرائط منوا کر کھیلتی ہار جیت تو بعد کی بات تھی۔ اس کے اس فیصلے سے نا صرف کبیر کو رہائی ملی بلکہ سعدی کے بیرون ملک جانے کے انتظامات بھی ہو گئے۔ کبیر رہا تو ہو گیا مگر پولیس ریمانڈ میں اپنی ناکمیں گنوا بیٹھا۔

شادی کی پہلی رات ہی اسے یہ بات اچھے سے آشکار ہو گئی تھی زندگی اگر پہلے سہل نا تھی تو اب بھی کچھ خاص فرق نہیں تھا پھولوں کی بیج پر بیٹھا کر کوئی جب کانٹوں سے استمال کرتا ہے تو نازک آگینے جیسے جذبات اپنے بندھار کو ٹھیس پہنچنے پر بین کرانے لگتے ہیں اس وقت وہ بھی ایسی ہی کیفیت سے گزر رہی تھی کہتے ہیں عورت چاہے جتنی بھی مضبوط کیوں نا ہو آخر ٹوٹ ہی جاتی ہے کیونکہ ہوتی تو عورت ہی ہے کوئی مٹی کا مادہ نہیں کہ جسے سرد گرم سے فرق ہی نا پڑتا ہو اس رات وہ بھی ٹوٹ گی اسے لگا کہ شاید اب اس کا جز نا ممکن ہی نہیں لیکن طلوع صبح ہوتے ہی اسے رعنا جیسی پر شفیق ساس نے اپنی آغوش میں لیکر اس کے دامن میں بھرے سارے کانٹے چھننے کا وعدہ کیا تھا ان کی باتوں سے اسے اپنے فیصلے پر قائم رہنے کی جلا ضرور ملی تھی وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ جڑنے لگی لمحہ بہ لمحہ خود کو تعمیر کرتی اور دانیال عمر کے چند تلخ جملے ہی اسے ہادینے آگلی صبح وہ پھر پر عزم ہوتی۔

وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار چلے جا رہا تھا وہ جو خود کی تعمیر میں گم تھی اپنے اندر تعمیر ہوتے وجود کی آگہی اسے بھر سے زندہ کر گئی یہ خبر روشنی کی وہ کرن ثابت ہوئی تھی جو اندھیروں میں ڈوبے کسی بھٹکے ہوئے کو اس کی منزل کا پتا دے دے اسے بھی منزل مل گئی تھی

KFG@DSO

آج کی بات

دعا کے تین پہلو ہوتے ہیں
 • یا تو قبول ہو جاتی ہے
 • یا آخرت کے لئے ذخیرہ کرنی جاتی ہے
 • یا مصیبت کو نال دیتی ہے
 مگر زمینیں ہوتی



قالین بر دودھ گر جانے تو

اکروز کھنے میں آیا ہے کہ سچے اپنا لیزہ قالین پر بیٹک رہے ہیں۔
 اور قالین پر ہمدردا دل دے رہے جاتے ہیں۔
 ایک سادہ آسٹریلین لڑکی جسے ہی کوئی چیز نہ تھی
 آسٹریلین لڑکی کے منافی کہوں،
 دودھ زیادہ ہوتا آسٹریلین لڑکیوں کو کہ وہ تین دنوں کا لڑکی منافی کہوں
 اس طرح آپ کا قالین خراب نہ ہوگا

KARACHI

ماں تاپ کے نام



تیندا اپنی بھلا کر سٹلایا ہم کو
 آنسو اپنے گزرا کر ہنسایا ہم کو
 درد کبھی نہ دینا اُن ہستیوں کو
 اللہ نے ماں باپ بنایا جن کو

کرتی وہ اسے خدا سے مانگنے کی تاکید کرتی بیٹی کے سائبان کو
 بچانے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا لیورٹرائس پلانٹ۔ یہاں آکر
 زندگی کے آگے سوالیہ نشان تھا جس کا جواب دینا نارینا اس پر منحصر
 تھا بہت سوچ کے بعد وہ اس سوال کا جواب دینے کا ٹھان چکی تھی
 وہ رفیق کی گل افشاں بن کر دانیال عمر کو زندگی کی نوید دے گئی وہ
 اس شمع کی آب دتاب زندہ رکھنے کیلئے خود کو دان کر گئی آج اسے لگا
 وہ اپنے نام کا صحیح حق ادا کر گئی ہے وہ ابتدا سے انتہا تک صرف
 روشنی اور پھول بن کر ہی برسی تھی۔

بیٹے دنوں کو یاد کرنے پر دانیال عمر کو سوائے پچھتاؤں کے کچھ
 حاصل نا ہوتا بالآخر ایک دن اس نے اس پر دانے کو خراج عطا کر
 دیا
 گل افشاں فاؤنڈیشن کا افتتاح کرتے رفیق نے خدا سے یہی
 دعا کی تھی خدا ہر گھر میں ایک گل افشاں ضرور دے۔
 جبکہ وہ شکر گزار تھا ان ہستیوں کا جنہوں نے اسے ہیروں سے
 بڑھ کر گل افشاں عطا کی تھی
 اپنے پیاروں کو آسودہ حال دیکھ کر وہ دور آسمانوں میں دانیال عمر
 سے یہ کہتے ہوئے مسکرا دی

”میں سب کے دلوں میں زندہ ہوں مگر تم کیا کرو گے دانیال عمر
 تمہارے تو جگر میں رہتی ہوں کبھی یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو
 گے تو بھی میرے پاس ہی آؤ گے میری امانت تمہارے پاس
 ہے اس کا بہت خیال رکھنا“
 دانیال نے وعدہ کرتے ہوئے امید کی پیشانی چوم لی۔

ختم شد

افسانہ

میرا قصور کیا ہے؟؟

تحریر: عنایت کھٹی

Email: khushbooofghost@gmail.com KhushbooOnline Digest 0300-7198332

آنے کا اشارہ کیا اور در بند کر کے پلٹی۔ وہ دھوپ میں بچھی چارپائی کے ایک کونے پر سٹ کے بیٹھ گئی۔ میں نے اس کا نام پوچھا، اس نے اپنا نام زینت بتایا۔ کہاں سے آئی ہو؟ مطلب کہاں رہتی ہو؟ نہ چاہتے ہوئے بھی میرے لہجے میں نقشیشی عنصر ابھر آیا۔ باجی وارڈ نمبر ۴ میں رہتی ہوں اس پاپی پیٹ کی مجبوری نہ ہوتی تو کبھی در و در کی ٹھوکریں کھانے باہر نہ نکلتی یہ کسخت ساتھ لگانہ ہوتا تو دھکے کھانے کو کس کا دل کرتا ہے۔ اس کی فلسفیانہ گفتگو نے میرے اندر کے مصنف کو ہائی الٹ کر دیا۔ میرے لہجے میں نرمی اور تجسس آ گیا، زینت تم اپنے بارے میں بتانا پسند کر دگی شاید میں کچھ مدد کر سکوں؟ میرے سوال کے جواب میں اس نے اپنے چہرے سے چادر ہٹا دی میں ایک دم ہراسیمہ اور چپ ہو گئی۔ اس کا نصف چہرہ چھلسا ہوا تھا ایک آنکھ سلامت تھی اور دوسری بند۔ جھرجھری لے کر میں نے اس کے چہرے سے نظر ہٹا لی لمحہ بھر کی خاموشی چھا گئی اس نے چہرے کا دوبارہ ڈھک لیا۔ یہ سب کیسے ہوا؟ میں نے دکھ سے پوچھا۔ بس باجی مقدر کا لکھا کون ٹال سکتا وہ سر جھکا کے بولی۔ میں جانتی ہوں آپ ایک رائٹر ہیں اور میری کہانی جاننا چاہتی ہیں۔ اس کے لفظ رائٹر نے مجھے اور حیرت زدہ کر دیا تم پڑھی لکھی ہو؟ جی ہاں میٹرک پاس

موسم سرما کی چکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ دسمبر کی سردی میں یہ دھوپ بہت قیمتی ہوتی ہے۔ میں تمام کامس سے فراغت پا کر دھوپ سے لطف اندوز ہونے کے لیے آنگن میں آ بیٹھی۔ سامنے لگے شہتوت کے درخت پہ بیٹھی ایک چڑیا بیٹھی زرو پتے کو چونچ مار رہی تھی۔ موسم کی شدت جس طرح انسانوں پر اثر انداز ہوتی ہے، دوسرے تمام جاندار بھی اس کی زد میں آتے ہیں۔ ہلکی ہلکی گرمائش نے گویا سرد جسم میں خوشگوار سی حرارت بھردی تھی اتنے میں دروازہ بجا میں نے کسلندی سے اٹھ کر دروازہ کھولا تو ایک خاتون کو کھڑے پایادہ سرمئی پرانی سی چادر میں لپیٹی ہوئی کھڑی تھی اس کا چہرہ عجب نقاب میں ڈھکا ہوا تھا کہ محض ایک آنکھ دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے اچھنبے سے اس عورت کی طرف دیکھا جی؟ اس نے سلام کر کے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں حالات کے پیش نظر تذبذب میں تھی کہ اسے اندر بلاؤں یا نہیں، شاید اس نے میری بے چینی بھانپ لی فوراً بولی، باجی میں چورا چکی نہیں مصیبت کی ماری ہوں اور کام کی تلاش میں ہوں۔ آپ کی بڑی مہربانی مجھے کوئی کام دے دیں اس کے رندھے ہوئے لہجے اور اکھوتی نظر آنے والی آنکھ کے آنسو نے میرے سدا کے نرم دل کو مہم کر دیا۔ میں نے اسے اندر

ہے ہم نے کوئی نوکریاں کروانی ہیں کوئی رشتہ ڈھونڈ اور رخصت کرنے کا سوچو۔ دوسری بھابھی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ بھائی خیر سے پہلے ہی زن مرید تھے اور ابا بچارہ خود ان کے رحم کرم پہ تھا وہ کیا کہتا۔ میں خاموش ہو گئی اس روز مجھے اماں کی بہت یاد آئی۔ ماواں ٹھنڈیاں چھواواں۔ جلد ہی میرا بڑا ڈھونڈ لیا گیانہ مجھ سے کسی نے پوچھا نہ بتایا بعد میں پتہ چلا کہ بھائی کا کوئی دوست ہے۔

جلد ہی شادی ہو گئی اور میں ایک انجانے شہر آ گئی۔ میرا شوہر جمیل صرف نام کا ہی جمیل تھا پکا رنگ، چالیس سال کی عمر، گالی سے بات شروع کرتا اور گالی پہ ہی ختم کرتا۔ سسرال میں میری ساس دو بن بیاہی نندیں تھیں۔ قدم رکھتے ہی مجھے ان کے مزاج کا اندازہ ہو گیا۔ اسگے دن جمیل نے اپنے دوستوں کی دعوت کی اور مجھے کھانا تیار کرنے کا حکم ملا اور ساتھ تہیہ بھی کہ کھانا اچھا ہونا چاہیے۔ میں نے بہت دل لگا کر کھانا پکایا پھر نہا کر کپڑے بدل کر تیار ہو گئی۔ جمیل کی ماں اور بہنیں چارپائی پر چڑھ کے بیٹھی رہیں اور مجھے نائیندہ نظروں سے دیکھتی رہیں۔ میرا شمار خوبصورت لڑکیوں میں ہوتا تھا خاص طور پر میرے بال بہت لمبے اور گھنے تھے۔ مہمانوں کی آمد پر جمیل اندر آیا میں تیار ہو چکی تھی اس نے پسندیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا میں شرمگنی جیسا بھی تھا اب وہ میرا شوہر تھا۔ چلو کھانا رکھو اس نے حکم دیا، میں کھانا نکال دیتی ہوں آپ لے جائیں میں اٹھتے ہوئے بولی۔ جمیل وہیں رک گیا اور گھورتے ہوئے بولا نہیں کھانا تم لے کر آؤ گی۔ بادل نخواستہ میں جھپکتے ہوئے اندر داخل ہوئی اور سلام کر کے کھانا رکھنے لگی پانی لانے کے لیے واپس آئی تو میرے کانوں میں ایک خباثت بھری آواز ابھری اذیلتے بڑا اونچا اور ستھری جگہ

ہوں۔ ہم میں نے ہنکارہ بھرا۔ تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ پلیز میں نے اس کو ٹولا۔ اور اس کی ہامی بھرنے پہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔ میرا تعلق متوسط گھرانے سے ہے میں تین بھائیوں کے بعد پیدا ہوئی۔ ماں باپ اور بھائیوں کی لاڈلی تھی۔ پانچ سال کی تھی تو میری اماں حادثے میں چل بسی اور ابا کی ٹانگیں معذور ہو گئیں، اماں ابا نے کسی کی زمین ٹھیکے پہ لے رکھی تھی وہاں سے واپس آ رہے تھے کہ ٹرائی ٹرک سے ٹکرائی اس میں سوار اور لوگ بھی زخمی ہوئے مگر ہمارے گھر تو صاف ماتم بچھ گئی۔ مجھے تو سفید کفن میں لیٹی ماں کو دیکھ کر یقین نہیں آ رہا تھا کہ سستی سویرا ٹھنڈے والی ماں اس وقت کیوں بیورہی ہے؟ ماں مجھے بھوک لگی روٹی پکا دے، مگر میرا رونا اور فریاد کا اس پہ کوئی اثر نہ ہوا وہ اسی طرز پر ہی سوئی رہی میں ابا کے پاس گئی جو زخمی حالت میں سسک رہا تھا اس نے مجھے گلے لگا لیا نجاب نے کب میں روتے روتے سو گئی۔ صبح بہت عجیب تھی اماں بھی نہیں تھی اور ابا کو بھائی اسپتال لے گیا تھا باقی چاروں بھائیوں نے میں لگے بیٹھے تھے، پڑوس کی خالہ نے کھانا لا کر ہمارے سامنے رکھا۔ مجھے اماں ہی کھلایا کرتی تھیں میں مگر فکر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی نظریں اماں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ بھائی نے مجھے اپنی گود میں بٹھا لیا اور نوالے بنا کے منہ میں ڈالنے لگا کھانا کھا کے میں کھیل میں لگ گئی۔ ابا اب بیساکھیوں کے سہارے چلتا تھا مگر کام کے قابل نہیں رہا دو بڑے بھائی سبزی کا ٹھیلہ لگاتے تھے، ابا نے ان کی شادی اپنی بھانجیوں سے کر دی تھی۔ ایک بھائی نے پانچویں کے بعد پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہو وقت دوستوں میں رہتا کب آتا اور کب جاتا کسی کو پتہ نہ ہوتا۔ میں گورنمنٹ سکول میں دسویں جماعت میں آ گئی تھی۔ امتحان ختم ہوئے تو بھابی نے کہا بس اتنی پڑھائی کافی

میری منحوسیت کی وجہ سے اس کی بیٹیوں کے رشتے نہیں آتے۔ شام کو جمیل آیا تو پہلے ہی کسی سے لڑکھائی تھا اس پر ماں بہن کی شکایتوں نے جلتی پہ تیل کا کام کیا اس نے خوب جی بھر کے مجھے پیٹا اور پھر شراب پی کر سو گیا میں حرام نصیب اپنے نصیب کو کوستی سکتی رہی خدا جانے میرا کتنا امتحان باقی تھا۔ ساس اور نندیں جانے کیا کھسر پھسر کر رہی تھیں، میری آنکھ لگ گئی۔ آدھی رات کو مجھے جھنجھوڑا کہ مجھے چائے بنا کے دو۔ میں اپنے زخم زخم جسم و روح کے ساتھ باورچی خانے میں گئی اور ماں جس جلائی ایک ہما کہ ہوا اور مجھے آگ نے پیٹ میں لے لیا میں بے ہوش ہو گئی۔ نجانے کتنے دن ہوش و حواس سے بیگانہ رہی اللہ بھلا کرے پڑوسیوں کا جنہوں نے ترس کھا کر سرکاری اسپتال پہنچایا جب کچھ ٹھیک ہوئی تو بد نما جسم اور بد صورتی میرا مقدر بن چکی تھی ایک آنکھ بھی اس حادثے نے چھین لی۔ جمیل اور اس کے گھر والے نجانے کہاں چلے گئے۔ اب میں اس دنیا میں اکیلی ہوں اسپتال میں ایک بوڑھی اماں نے میرا خیال رکھا وہی مجھے اپنے ساتھ لے آئی۔ لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہوں مگر کوئی مجھے زیادہ دیر نہیں رکھتا نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ باجی میرا تصور کیا ہے؟؟

زینت کی آنکھ میں آنسو اور لب پہ سوال تھا۔ میں نے اپنے آنسو پونچھے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا کیوں کہ اس کا جواب میرے پاس بھی نہیں تھا اور نہ ہمارے اس معاشرے کے پاس جو خود کو باعزت اور مہذب معاشرہ کہتا ہے،

☆.....☆.....☆.....☆

ہاتھ مارا اب کے تو نے جواب میں جمیل کی زور دار ہنسی سنائی دی۔ مجھے ایک لمحے کے لیے جمیل کے دوستوں سے اور اس سے نفرت محسوس ہوئی کیسا مرد ہے اتنی بے ہودہ بات پہ ہنس رہا۔

وقت کا کام گذرنا ہے گذرتا جا رہا تھا میں سا رادان کام میں جتی رہتی اس پہ بھی ساس نندیں مجھے کھری کھری سناتیں اور میری شکایتیں لگاتیں جس پہ جمیل مجھے روئی کی طرح دھنک دیتا۔ اسی وجہ سے دو دفعہ میں ماں بنتے بنتے رہ گئی اور وہ معصوم روہیں دنیا میں آنے سے پہلے ہی رخصت ہو گئیں۔ میرا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ باپ اور بھائی تو گویا رخصت کر کے بھول گئے کبھی پلٹ کر خبر نہ لی کہ زندہ ہوں یا مر گئی۔ پانچ سال گذر گئے میری ساس مجھے پانچ قرآن دے کر بیٹے کی دوسری شادی کروانے کے ورپے تھی میں ان کی نظر میں ایک نوکر سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ وہ قیامت کا دن آج بھی مجھے یاد ہے صبح سے مجھے بخار تھا۔ جمیل نے اپنی اماں سے کہا اسے سرکاری اسپتال لے جانا۔ اسپتال میں پرچی بنوا کا ڈاکٹر کے کمرے میں گئی دوئی لکھوا کر پٹی تو میری نظر اپنے چھوٹے بھائی پہ پڑی اس کو دیکھ کر میں سب بھول گئی اور اس سے جا لپٹی ماں جائے نے مجھے پہچان لیا میرے آنسو پونچھے۔ ساس نے کڑی نظروں سے مجھے گھورا تو بھائی نے آگے بڑھ کر اس کو سلام کیا اور حال پوچھا۔ ساس نے منہ بنا کر جواب دیا اور منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ بھائی کافی دیر تک باتیں کرتا رہا اب اس دنیا میں نہیں رہا بھائی باہر ملک چلے گئے اور بھابھیاں بھی ساتھ لے گئے۔ میں ایک بار پھر رو پڑی بھائی نے بتا دیا وہ بھی کل مسقط جا رہا میڈیکل بنوانے آیا تھا۔ ساس نے آکر میرا بازو پکڑا اور بولی ڈرامے پورے ہو گئے ہوں تو گھر چلو۔ گھر آکر وہ بڑ بڑاتی رہیں اور مجھے منحوس کہتی رہیں بقول ان کے



مشغول ہو جاتے۔ ارے کپڑے بدل لو پھر کھیلنا۔ امی جو کسی کام میں مشغول ہوتیں ذرا کی ذرا دھیان ہٹا کر ڈپٹ کر کہتیں مگر وہ سب سنی ان سنی کر کے اپنا کھیلنے کا شغل جاری رکھتے تو امی بھی انہیں دو چار سلواتیں سنا کر پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو جاتیں۔

میں یہ سب کچھ بہت غور سے دیکھتی تھی اور میری چھوٹی چھوٹی آنکھیں جانے کون کون سے خواب بنتی کہ جب میں اسکول جانے لگوں گی تو امی سے بولاؤں گی کہ مجھے خود تیار کیا کریں، خود ناشتہ کروایا کریں اور مجھے لنج ماکس بھی بنا کر دیں۔ میں ہر روز آ کر امی کو اپنی نوٹ بکس بھی دکھایا کر دوں گی۔ اور پھر میری دونوں بہنیں بھی تو اسی اسکول میں ہوا کریں گی۔ ابھی تو یہ مجھے اپنے ساتھ نہیں کھیلنے دیتیں مگر اسکول میں تو ساتھ کھیلنا کریں گی۔ میرا خیال بھی رکھا کریں گی۔

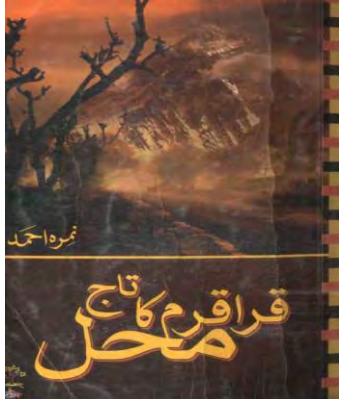
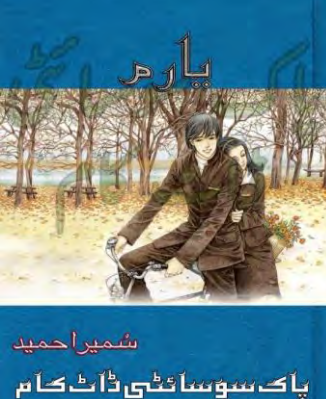
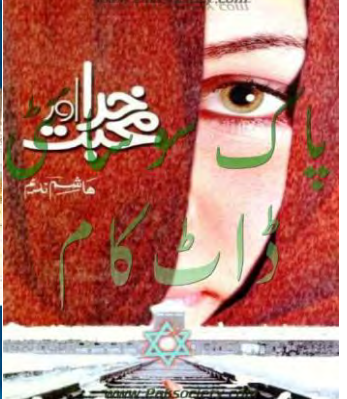
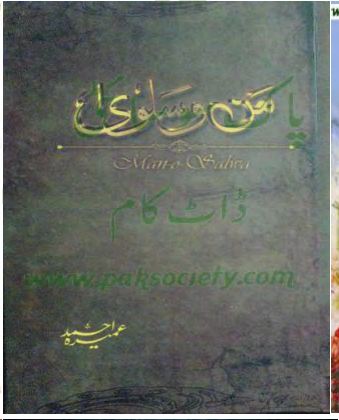
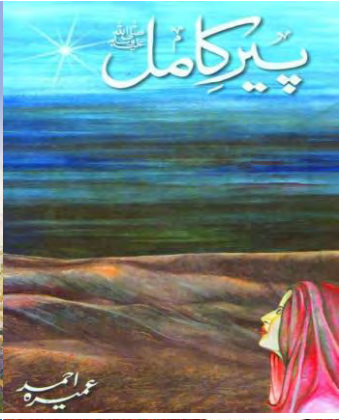
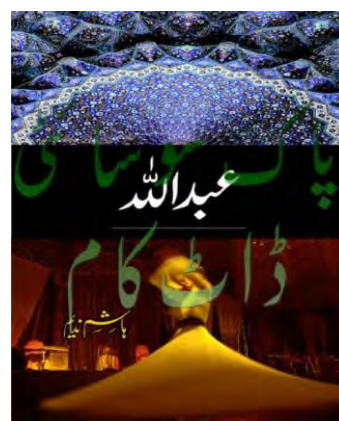
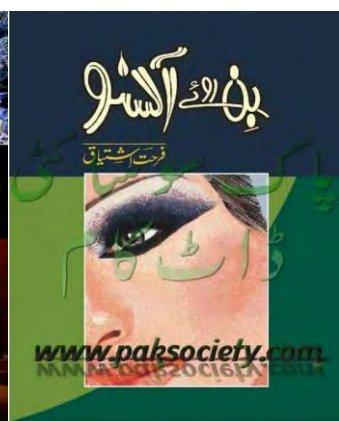
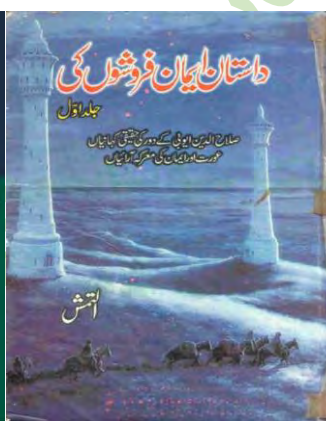
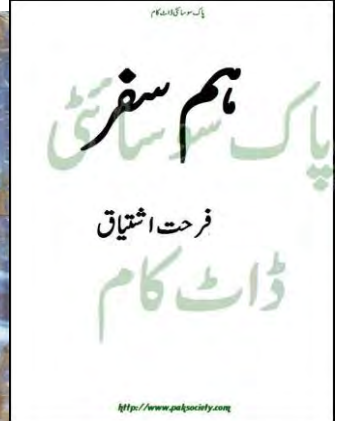
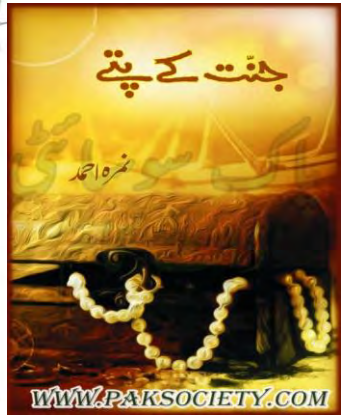
مگر کہتے ہیں نا کہ کچھ خوابوں کی عمر زیادہ لمبی نہیں ہوتی۔ سچ کہا ہے کسی نے میرا یہ خواب بھی چھنا کے سے ٹوٹا تھا تھا جب اسکول کے پہلے دن ہی میری دونوں بہنوں میں سے کسی نے بھی آ کر مجھے دیکھا تک نہیں تھا اور میں اکیلی بیٹھ کے روتی رہی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح اپنی کھیل کود میں مشغول رہیں اور یوں روتے

کہتے ہیں بچپن کا دور سب سے خوبصورت دور ہوتا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ جو لوگ اپنا بچپن بھر پور انداز میں گزارتے ہیں ان کی جوانی اور بڑھاپا بھی قدرے آسودہ گزارتا ہے اور جو لوگ بچپن سے محرومیوں کا شکار ہوتے ہیں تو وہ محرومیاں جوانی اور بڑھاپے میں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ ایسا میں سوچتی ہوں۔ شاید ایسا نہ ہوتا۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا خود کو محروم پایا۔ یہ محرومی تھی محبت اور توجہ کی۔ ایسی بات بھی نہیں تھی کہ مجھ سے کوئی محبت نہیں کرتا تھا۔ میں پانچ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی سو میرے حصے کی محبت اور توجہ مجھے ملتی تھی۔ امی سارا دن گھر کا کام کرتیں، سائٹی کڑھائی کرتیں اور پھر جو وقت بچتا اس میں محبت بھی دیتیں اور توجہ بھی۔

باقی سب شاید اتنی ہی توجہ اور محبت سے ہی سیر ہو جاتے تھے مگر میرا تو خاک گزارا نہ ہوتا تھا۔ میں تین سال کی تھی۔ مجھ سے بڑے سب اسکول جاتے تھے۔ جیسے تیسے خود ہی ٹیڑھا میڑھا تیار ہو کر آدھا پونا ناشتہ کر کے سب چلے جاتے تھے۔ اسکول سے آ کر کبھی کوئی وردی تبدیل کرتا تو کوئی نہیں۔ تیار شدہ کھانے میں سے خود ہی اپنے اپنے لیے نکالتے اور کھا کر کھیل کود میں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



اختیار کرتے ہوئے زمین کے سینے میں پناہ لے لی تھی۔ میں نے آنکھوں میں چھائی و ہند کے پار دیکھا میری دونوں ہمیں طنا پیچھے دیکھے آگے نکل گئی تھیں۔ میں زمیں سے مٹی اٹھائی اور بے دردی سے زخم پر لگا کے اٹھ گئی۔ آج ہی تو کلاس میں ایک لڑکی نے کہا تھا کہ وہ میری دوست بنے گی۔ مگر دوستی تو کچھ بھی نہیں ہوتی ایک منٹ بھی نہیں لگتا ختم ہو جاتی ہے۔

میں کسی سے دوستی نہیں کروں گی نہیں تو آپ کی طرح مجھے بھی میری دوست جھگڑا کر کے رلائے گی۔ نہیں میں کبھی کسی سے دوستی نہیں کروں گی۔ دل میں یہ بات ٹھان کر میں گھر میں داخل ہوئی تھی میں نے اپنی کتابوں سے دوستی کر لی تھی۔

سارا وقت کتابوں کے ساتھ لگی رہتی۔ بڑی بہنوں کے کورس کی کتابیں بھی پڑھتی رہتی

گھر اندر ہی ہونے کی وجہ سے بچپن میں ہی نماز قائم کر لی تھی۔

میں دن بدن بے حس ہوتی جا رہی تھی۔ کوئی میرے پاس بیماری کی حالت میں تڑپتا رہتا، کوئی کتنے ہی دکھ یا پریشانی میں ہوتا اور میں آرام سے اپنے کاموں میں مصروف رہتی کیونکہ میں اپنے ارد گرد کبھی کسی کو کسی کا خیال رکھنے دیکھتا ہی نہیں تھا۔ وقت کچھ آگے سرکہ تو بڑی بہن نے دسویں کا امتحان پاس کر لیا۔

بھائی نویں جماعت میں، بھیلی آٹھویں جماعت میں چلی گئی اور میں پانچویں جماعت کو پھلانگ کر مدرسہ میں چلی گئی جہاں پہ مجھے قرآن پاک حفظ کرنا تھا۔ ذہانت ہمیں ہر ٹے میں ملی تھی۔ میں نے یہاں بھی اپنی ذہانت کا لوہا منوایا اور اللہ پاک کے کرم سے چند دنوں میں ہی ایک س پارہ حفظ کر لیا۔ اسکول کے اساتذہ کی طرح مدرسے کے اساتذہ بھی میری بہت تعریف کرتے تھے۔ ان سے تعریف سن کر امی کی آنکھوں میں فخر کے

دھو تے اسکول کا پہلا ون گزر گیا۔ چند دن امی نے خود تیار کیا اور پھر یہ ذمہ داری بلا آخر باقی سب کی طرح مجھے سونپ دی گئی۔ میں خود ہی تیار ہو کر، خود ہی ناشتہ کر کے باقی چاروں کی طرح بنا لٹج باکس کے ہی اسکول جانے لگی۔ اور یوں میری آنکھوں کا رو پہلا خواب اپنے اختتام کو پہنچا۔

اور یوں میرے چھوٹے چھوٹے خواب کبھی پورے نہ ہوئے اور مجھے ماں کا لاد، توجہ، بہن بھائیوں کے ساتھ مان اور پیار بھری لڑائیاں اور ابو سے چھوٹی چھوٹی فرمائشیں پوری کروانا کبھی نصیب نہ ہوئی۔ میں جانے حساسیت کے کون سے زینے پر کھڑی تھی۔ اور پھر ان چھوٹی چھوٹی محرومیوں تلے میرا بچپن کہیں دب گیا۔ اس طرح میں وقت سے پہلے بڑی ہو گئی۔ میں نے خود پہ بے حسی کا خول چڑھا لیا تھا۔ اب مجھے کسی کی پروا نہیں رہی تھی۔

میری اپنی ایک الگ دنیا تھی جس میں روز میں اپنی محرومیوں کے ساتھ بیٹھتی ان کے دکھ سنتی اور تسلی دے کر دل میں ہی کہیں و با دیتی تھی۔ ون گزرتے گئے میں پانچویں جماعت میں تھی کہ ایک دن ہم سب اسکول سے گھر آ رہے تھے تو میری بھیلی بہن نے بڑی سے کہنا شروع کیا۔ پتہ ہے آپ کی؟ میری دوست نے آج میرے ساتھ لڑائی کر لی اور اس نے جو مجھے عید پہ کارڈ بھیجا تھا وہ بھی واپس مانگا ہے۔ ارے وہ تو تمہاری بہت اچھی دوست ہے نا؟ بڑی نے حیرت سے پوچھا۔ جی آپ کی مگر آج اس نے ساری کلاس کے سامنے مجھے بہت برا بھلا کہا۔ میں بس اتنا ہی سن پائی تھی کہ اچانک ٹھوکر لگنے کی وجہ سے سنبھل نہ پائی اور زمین بوس ہو گئی۔

پاؤں کے انگوٹھے سے نکلتی ہنر خ لکیر نے قطرے کی شکل

میں داخل ہوئیں۔ وہ کچھ متفکر لگ رہی تھیں اور پھر انہوں نے کہا کہ میری بہترین دوست بیمار ہے ساری کلاس درود شریف پڑھ کر میری دوست کی صحت یابی کے لیے دعا کر۔ پریشانی ان کے چہرے سے ہویدہ تھی۔ ساری کلاس کے ساتھ میں نے بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور صدق دل سے مس کی دوست کے لیے دعا کی اور آج تک کرتی ہوں۔ حالانکہ اس وقت مجھے دوستی کی الف، ب بھی معلوم نہیں تھی لہذا میں یہ سوچ رہی تھی کہ مس اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟ دوست ہی تو ہے۔ ہمارے تو گھر میں بھی کوئی بیمار ہو تو ہم اتنے پریشان نہیں ہوتے۔ پھر مس نے ہمیں ٹیسٹ لکھوا کر خود تسبیح پر کچھ پڑھنا شروع کر دیا تھا اور پھر سارا وقت وہ تسبیح پر کچھ پڑھتی رہی تھیں شاید وہ اپنی دوست کے لیے دعا کر رہی تھیں۔ میں حیرت سے بار بار ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

نفسا نفسی کے اس دور میں بھی اس قدر اخلاص؟ وہ جانے کیوں مجھے کسی اور پلانٹ سے آئی ہوئی کوہستی لگ رہی تھیں کیونکہ میں نے اپنے ارد گرد رہنے والوں کو اس قدر مخلص اور خیال رکھنے والے نہیں پایا تھا۔ مس کی تسبیح پر تیزی سے حرکت کرتی ہوئی انگلیاں ٹیسٹ سے میری توجہ بار بار ہٹا رہی تھیں۔ میں نے سر جھٹکا اور لکھنے لگی مگر میں نے صرف سر جھٹکا تھا اس منظر کو نہیں جھٹک پائی تھی۔ اور پھر اس معمولی سے واقعے کی وجہ سے پندرہ سال کی عمر میں میرے بچپن نے ایک بار پھر سے انگڑائی لی تھی۔ ہاں باقی سب کے لیے یہ ایک معمولی واقعہ ہی تھا مگر میرے لیے معمولی نہ تھا۔

مس بہت اچھی تھیں اپنے نرم مزاج اور اعلیٰ عادات و اطوار کی وجہ سے وہ سبھی طالبہ اور اساتذہ میں بہت مقبول تھیں۔ مس

دے جلتے جو زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوتے۔ بس ذرا کی ذرا میری طرف مسکرا کر دیکھتیں اور پھر کوئی اور بات کرنے لگ جاتیں۔ نہ کوئی حوصلہ افزا جملہ، نہ کوئی محبت بھرا لہجہ۔ امی شاید محبت جتانے میں کنبوسی کرتی تھیں ورنہ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ کوئی ماں اپنے بچے سے پیار نہ کرتی ہو یا اسے توجہ نہ دینا چاہتی ہو۔ امی کی اپنی ہی الجھنیں تھیں۔ امی، ابو کی چھوٹی لڑائیاں جو شاید امی کا دھیان اپنی طرف سے ہٹنے ہی نہ دیتیں جن میں وہ سارا دن الجھی رہتی تھیں اس بات سے بے خبر کہ ان کی ان الجھنوں میں میرا بچپن کہیں الجھ کر رہ گیا تھا۔ والدین یہ کیوں نہیں سوچتے کہ کھانے پینے اور دوسری ضروریات پوری کرنا ہی اہم نہیں ہوتا بلکہ محبت اور توجہ بھی اولاد کا حق ہوتی ہے۔ اور پھر یونہی تین سال گزر گئے ہیں نے قرآن پاک مکمل حفظ کر کے آٹھویں جماعت کا امتحان بھی پاس کر لیا تھا۔ اب مجھے ہائی اسکول میں جانا تھا۔ مجھ میں اعتماد نام کو نہیں تھا۔ میری چھوٹی چھوٹی محرومیوں تلے میرا بچپن تو دبا ہی تھا اس کے ساتھ ساتھ میری شخصیت بھی کہیں دب چکی تھی۔ مجھے زیادہ لوگوں کے درمیان جانے سے خوف آتا تھا۔

مگر تعلیم حاصل کرنے کے شوق سے مجبور ہو کر مجھے ہائی اسکول میں داخلہ لینا ہی پڑا۔ شروع شروع کے دن بہت مشکل تھے۔ کلاس میں بہت سی لڑکیوں نے مجھے بیوقوف بنایا۔ دن گزرتے گئے اور میں نے یہاں بھی خود کو منوالیا۔ میری ذہانت کی وجہ سے ہر استاد کی زبان پر میرا ذکر تھا مگر اس سب کے باوجود میں غیر نصیبی سرگرمیوں میں ہمیشہ بیچھے رہتی تھی اور اس کی وجہ اعتماد کی کمی تھی۔ میں لوگوں کے ساتھ گھلنے ملنے اور دستیاں کرنے سے آج بھی کئی کتر اجاتی تھی۔

وہ اوائل نومبر کے دن تھے کہ جب ہماری ایک استاد کلاس

پیکٹ آج بھی میرے اسکول بیگ میں محفوظ ہے۔ کبھی کبھی میری اتنے چھوٹے بچوں والی حرکتوں پر وہ ہنس کر کہتیں۔ تم تو بچوں والی حرکتیں کرتی ہو اور میرے مسکراتے لب سکڑ جاتے کہ میں بچی ہی تو بن گئی تھی ایک بار پھر سے۔ مگر اپنی ذات کی محرومیوں کو کسی کے سامنے بیان کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا خواہ سامنے والا ہمیں کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو۔

اور پھر ان کی مہربان چھاؤں تلے جس نے مجھے بیک وقت ماں کا پیار، بہن کا لاڈ اور دوست کا مان دیا تھا دو سال کیسے گزر گئے پتہ بھی نہ چلا۔ میں نے دسویں جماعت کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ جانے انجانے میں ایک بار پھر مجھ سے میرا بچپن چھن رہا تھا۔ وہ ہی محرمیاں ایک بار پھر منہ کھولے کھڑی میرا بچپن ننگلنے کو تیار تھیں۔ بہت کم لوگ ہوں گے جنہیں زندگی میں دو بار اپنا بچپن جینے کا موقع ملا ہوگا اور میں ان چند لوگوں میں سے ایک بھی۔ مگر اس بار تقدیر کو شاید مجھ پر رحم آ گیا اور جس کالج میں میرا داخلہ ہوا وہ مس کے گھر کے پاس تھا اور یوں میں کالج کے بعد ان کے پاس پڑھنے لگی۔ میں انہیں آپی کہنے لگی تھی کیونکہ مس کو میرا نہیں آپی کہنا زیادہ اچھا لگتا تھا۔

مس کے گھر والے بھی ان کی طرح بہت اچھے تھے آئی بہت پیار سے بات کرتی تھیں اور مس کی بہن جو کہ مجھے کالج میں پڑھاتی تھیں وہ بھی بہت اچھی تھیں مجھے ذرا بھی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ میں کالج سے سیدھا مس کی طرف جاتی۔ وہ مجھ سے پوچھتیں کہ کچھ کھایا ہے؟ اور میرا نٹی میں ہلتا سرو دیکھ کر شفیق ماں کی طرح پیار بھری ڈانٹ پلاتیں اور پھر ٹرے میں کھانا سجائے چلی آتیں۔ میں کھانا کھا کے فارغ ہوتی تو مخلص دوست بن جاتیں سارے دن کی روداد سنتیں اور میں چھوٹے سے بچے

کلاس میں آتیں اور روزانہ سب سے پوچھتیں کہ کون کون ناشتہ کر کے آیا ہے؟ میں اکثر ہی ناشتہ کینے بغیر اسکول جاتی تھی کیونکہ امی کی صحت اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی اور بہنیں کبھی ناشتہ بنا دیتیں اور لکھی نہیں۔ میں چپ کی چپ رہ جاتی تو وہ سمجھ جاتیں کہ میں نے ناشتہ نہیں کیا۔ وہ مجھے پیار سے ڈپٹ دیتیں، ناشتہ کی افادیت بتاتیں اور میں ان کی باتیں سن کر مسکراتی رہتی کیونکہ یہ سب کچھ میرے لیے بہت نیا تھا۔ ہمارے ہاں تو جس کا دل کرتا وہ کھا لیتا اور اگر کوئی نہ کھاتا تو کوئی بھی ڈپٹ کر یہ نہیں کہتا تھا کہ کھانا کھاؤ ورنہ صحت خراب ہو جائے گی۔ وہ بالکل ویسی ہی تھیں جیسی محبت اور توجہ مین ای بی امی، اپنی بہنوں سے چاہتی تھی اسی لیے مجھے کبھی تو ان میں ماں کی پڑچھائی نظر آتی، کبھی بڑی بہنوں والا لاڈ تو کبھی ایک مہربان دوست۔ اور یوں محبت اور توجہ کے لالچ میں میں ان کے قریب ہوتی گئی۔

میں اپنا بچپن جینے لگی تھی۔ میں ان سے نت نئی فرمائشیں کرتی اور وہ خندہ پیشانی سے میری ہر فرمائش پوری کرتیں۔ مجھے کبھی ان کی کی چین والا چھوٹا سا کارٹون چاہیے ہوتا تو کبھی کچھ اور۔ مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے جب ایک بار میں نے مس سے اپنے لیے لیز لے کے آنے کی فرمائش کی تھی۔

پہلے تو وہ حیران ہوئی تھیں اور پھر انہوں نے ہامی بھری تھی کہ کل وہ اسکول آتے ہوئے میرے لیے لیز لے کر آئیں گی۔ اور پھر اگلے دن وہ صبح میں وہ لیز کے پیکٹ اپنے پرس میں چھپا کر لائی تھیں اور پھر ساری کلاس سے چھپا کر خاموشی سے مجھے تھماتے ہوئے۔ وہ مجھے ایسی ماں لگی تھیں جو اپنے کبھی بچوں سے ایک جیسا پیار کرتی ہے اور کسی کا بھی دل نہیں دکھانا چاہتی۔

اپنے پندرہ سالہ بچپن کی اس سوغات میں سے ایک

نقصان میرا ہی ہوا تھا۔ پتہ نہیں میں خوش قسمت ہوں یا بد قسمت کہ مجھے دو بار بچپن ملا اور دونوں بار چھن گیا۔

میں کسی بھی طرح خود کو دوبارہ مرنے سے بچانا چاہتی تھی اسی لیے میں ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو اسے بھی غلط انداز میں لیا گیا۔ تو کیا جو ماں جنم دیتی ہے ہم صرف اس سے ہی محبت جتا سکتے ہیں؟ باقی سب محبتوں کو غلط نظر یے کے کھاتے میں کیوں ڈال دیا جاتا ہے؟ میں انہیں کہنا چاہتی تھی کہ ایک بار پھر مجھے میری ماں، میری دوست، میری ڈانٹنے والی بہن جس کی پیار بھری ڈانٹ مجھے بہت عزیز تھی اور میری سب سے اچھی استاد سے دور نہ کریں۔ خدا را ایک بار پھر میرا بچپن اتنی بے دردی سے مسخ نہ کریں مگر میں اپنے اندر روتی چار سالہ بچی کی چیخیں انہیں سنا نہیں سکتی تھی تو وہ کیوں کر میری بات کا یقین کرتیں؟

تین سال گزر گئے اب میں سات سال کی ہوں اور سات سالہ بچی آج بھی کراتی ہے جب بہت زیادہ بین کرتی ہے کہ اس کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے تو انہیں فون کرتی ہوں اور بار بار کرتی ہوں مگر اسے کبھی شاید غلط رنگ میں لیا جاتا ہے اور ایک بار بھی نہیں اٹھایا جاتا۔

بچی سہم کر چپ ہو جاتی ہے۔ کچھ دن بعد پھر سے سر پٹختنے لگتی ہے مگر دوسری طرف جانے بدگمانی کی کون سی گرہ ہے جو کھل کے نہیں وے رہی اور میرا پندرہ سالہ بچپن ایک بار پھر اپنی آخری منزل کی طرف گامزن ہے۔۔۔۔۔

☆.....☆.....☆.....☆

کی طرح جس نے ابھی اسکول جانا شروع ہی کیا ہو ہر بات انہیں بتاتی۔ میری باتیں سن کر وہ کبھی ہنسنے لگتیں تو کبھی بڑی بہن بن کر کسی غلط بات پر ڈانٹ دیتیں اور پھر وہ استاد بن جاتیں تو مجھے پڑھانے لگتیں اور ذرا جو میرا دھیان ادھر ادھر ہوتا کان سے پکڑ کر تھپڑ لگا دیتیں اور یوں میں اپنے بچپن کے چند گھنٹے جی لیتی تھی۔ اس عرصے کے دوران یہ ہوا تھا کہ آہستہ آہستہ بے حسی کا خول چھننے لگا تھا۔

میرے اندر بہت سی مثبت تبدیلیاں آئی تھیں۔ میں اب گھر میں سب کے ساتھ باتیں کرنے لگی تھی کوئی توجہ دیتا نہ دیتا مگر میں سب کا خیال رکھنے لگی تھی جیسے مس رکھتی تھیں۔ اعتماد بحال ہو گیا تھا اب مجھے لوگوں سے گھبراہٹ یا بچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی۔ مگر کہتے ہیں ناکہ خوشی کے لمحے جلدی گزر جاتے ہیں اور دکھ کے لمحے کاٹے نہیں کٹتے۔

یہی ہوا تھا میں لوگوں کے لیے بیسویں سال میں تھی یہ مجھے پتہ تھا کہ میں ابھی چار سال کی بچی ہوں دیکھنے والے صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں باطن کے راز تو اوپر والا ہی جانتا ہے نایاں بھی صرف میرے ظاہر کو دیکھا گیا اور فتویٰ لگ گیا کہ میرا مس کے ساتھ اتنا لگاؤ ٹھیک بات نہیں ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے اور پھر مس مجھ سے کچھ کھینچی کھینچی رہنے لگ گئیں۔ میرے محسوس کرنے اور پوچھنے پر ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے بہت غلط کیا تمہیں اپنے اتنا قریب کر کے۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اور میں تو کچھ سمجھ ہی نہ پائی تھی۔

ایک ماں کو اس کی لاعلمی اور مجبور یوں نے اسے مجھ سے دور کر دیا تھا اور دوسری ماں کو کسی کی باتوں یا پھر اس کے اپنے ہی کسی غلط اندازے نے مجبور کر دیا تھا لیکن دونوں صورتوں میں



اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور سوال کرتیں، وہ جھٹکے سے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا گیا...

"میں نے سنا ہے کہ عینی آپی آئی ہوتی ہیں"

وہ آفس میں بیٹھا لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا جب عالیان نے پوچھا۔ "تمہیں کس نے خبر دی؟" اس نے حیران ہو کر عالیان کو دیکھا۔ "آئی سے بات ہوئی تھی، وہ ذکر کر رہی تھیں، اور یار تو نے ان لوگوں کو اتنا پریشان کر رکھا ہے، شادی کے لیے کیوں نہیں بان رہا

عالیان نے قدرے غصے سے کہا

"میں شادی نہیں کر سکتا..." اس نے تیزی سے جواب دیا۔

"کیوں نہیں کر سکتے؟.. اور شادی نہ کرنے کی وجہ" بس یار نہیں کر سکتا، میرا بیچھا چھوڑ دو تم لوگ، سکون سے جینے دو مجھے..."

اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"دیکھو آریان تم جانے ہو کہ تمہاری مہما ہارٹ پشمنٹ ہیں، انہیں کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے، اگر کوئی لڑکی پسند ہے تو شادی کر لو، ان کی خواہش پوری کر لو" اس نے رسائیت سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"میں اس سے شادی نہیں کر سکتا" اس نے آہستگی سے بتایا

"؟ کیوں نہیں کر سکتے

"آریان تم شادی کر لو" یہ وہ جملہ تھا جو وہ پچھلے چار سالوں

سے سنتا آ رہا تھا اور اس کا ہمیشہ یہی جواب ہوتا تھا

"میں شادی نہیں کرنا چاہتا"

آج پھر آپی آئی ہوئی تھیں اور آج پھر یہی موضوع زیر بحث تھا اور وہ اتنا ہی بے زار نظر آ رہا تھا

وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا آپی نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ "آریان! میں اس بار آئی ہوں تو تمہاری منگنی کروا کر ہی جاں گی.. اور پہلی ہی بتا رہی ہوں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گی"

انہوں نے دو ٹوک لہجے میں بات کی..

"آپی میں آپ کو کتنی بار بتا چکا ہوں کہ نہیں کرنی مجھے شادی، آپ لوگ سمجھتے کیوں نہیں"

اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آریان تم جانتے ہو تمہارے سب دوستوں کی شادی ہو چکی ہے، تم کب تک کنوارے بیٹھے رہو گے، تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے تو بتا، کسی میں انٹرنلڈ ہو تو بتا ہم اس کے گھر والوں سے بات کریں"

"میں اس سے شادی نہیں کر سکتا" وہ اتنی وحشی آواز میں بولا کہ وہ ہمشکل بن پائیں۔

"لیکن کیوں! کیا اس کے گھر والے نہیں مان رہے؟"

ان کو سہارا دیے چل دی اور اسکی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔
وہ اس رات ایک منٹ کے لیے بھی نہ سو سکا تھا۔ وہ آنکھیں بار
بار سے یاد آتیں.. اور اس کا دل کرتا کاش وہ اس سے اس کا نام
ہی پوچھ لیتا۔

ایسا یہ دوائیاں دے دو "

وہ کال پہ عالیاں سے باتیں کر رہا تھا جب اسے آواز سنائی دی۔
وہ اسپتال میں آیا تھا جہاں عالیاں باس جا رہا تھا۔ وہ اس کا
بیسٹ فرینڈ تھا۔ وہ کال کر کے پلٹا تو اس کی نگاہ اس بوڑھے پر
پڑی جو ہاتھوں میں شاپرا اٹھائے جا رہے تھے۔

وہ وہی بزرگ تھے جو اس دن پارک میں تھے اور جنہیں وہ لڑکی دادا
بلارہی تھی۔ "لائیے انگل میں آپ کی ہیلپ کر دیتا ہوں۔" وہ
ایک دم آگے بڑھا اور ان شاپرے لیے۔

"بیٹا تمہارا بہت بہت شکریہ۔ میری پوتی اس اسپتال میں داخل
ہے۔ ڈاکٹر نے اس کے لیے دوائیاں لانے کو کہا۔" وہ چلتے چلتے
اسے بتا رہے تھے۔ "انگل آپ کے ساتھ کوئی اور نہیں ہے؟"
اس نے چلتے چلتے پوچھا۔ "نہیں بیٹا۔ میرے بیٹے اور بہو کا
ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا۔ رشتہ داروں نے منہ موڑ لیا۔
ایک پوتی ہی ہے۔" وہ دکھ بھری آواز میں بولے۔

وہ باتیں کرتے کرتے ایک وارڈ میں داخل ہوئے.. وہ بیڈ پر
تھی۔ وہ آج بھی نقاب میں تھی۔ وہ آنکھیں موندے لینی تھی۔

"میری پوتی کے دل میں سوراخ ہیں۔ آج اس کا آپریشن ہے۔
ڈاکٹر نے کوئی امید نہیں دلائی.. بیٹا میرا میری پوتی کے علاوہ کوئی
بھی نہیں ہے۔ اس کے لیے دعا کرو۔" وہ آنکھوں میں روتے
ہوئے بولے... اسے لگا لینا بھول میں آنے سے پہلے ہی

چلی جائے گی نہیں میں ایسا نہیں ہونے اسکی طرف دیکھتے ہوئے

"وہ اس دنیا میں نہیں ہے" اس نے اتنی آہستگی سے کہا کہ
عالیاں بمشکل سن پایا۔

"واٹ؟؟؟" اسے لگا آسمان اس کے سر پر ٹوٹ پڑا ہے
"ہاں.. اس کی ڈیڑھ ہو چکی ہے.. چار سال پہلے۔"

"کب؟ کون تھی وہ؟ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" عالیاں نے
دکھی دل کے ساتھ پوچھا۔ "کیا بتاتا.. وہ محبت شروع ہونے
سے پہلے ہی مر گئی تھی۔" کہتے کہتے وہ ماضی میں کھو گیا تھا۔
مجھے پہلے اس کی آنکھوں سے عشق ہوا تھا اس سے محبت تو بہت
بعد کی کہانی تھی "ارے دادا سنبھل کر۔ گر جائیں گے.."

وہ تھوڑی دیر ہوئی پارک میں آ کر بیچ پر بیٹھا تھا جب اسے اپنے
پچھے آواز سنائی دی۔ وہ جو کوئی بھی تھی اسے اپنی طرف متوجہ کر گئی
تھی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ ایک لڑکی سیاہ عبایا پہنے
چہرے پر نقاب کیے ایک بوڑھے آدمی کو سہارا دیے چل رہی تھی۔
مجھے نہیں پتا اس میں ایسی کیا بات تھی کہ میں اسی کی طرف دیکھتا
رہا۔ وہ اس کے پاس سے گزر کر آگے چلے گئے۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ وہ اسے دوبارہ آتے دکھائی دیے۔ وہ
اسی بیچ کی جانب آ رہے تھے جس پہ وہ بیٹھا تھا۔

"سنبھل کے انگل "وہ اس بیچ کے قریب پہنچ ہی تھے کہ وہ گرنے
لگے۔ اس سے پہلے کہ وہ گرتے آریاں نے انہیں گرنے سے
بچایا اور پکڑ کر کھڑا کیا۔

"شکریہ.. اس کی نگاہیں اٹھی تھیں اور جھکننا بھول گئی تھیں۔ وہ
اپنی آنکھیں اس پہ مرکوز کیے کھڑی تھی۔ آریاں کو لگا وہ ان
آنکھوں میں ڈوب جائے گا.. اتنی حسین آنکھیں.. وہ ایک
نک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ چونکا اس وقت جب دادا کی آواز سنائی
دی تھی۔ "چلو بیٹی۔ دیر ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا اور وہ لڑکی

میری آنکھوں میں اگر
وہ مجسم دیکھ لے خود کو
مجھے پورا یقین ہے
اسے میری محبت سے
بلا کا عشق ہو جائے

پانچ سال ہو گئے تھے اسے اسکی قبر پہ آتے وہ ہر روز اس کی قبر پہ آ
کر تازہ پھول رکھتا تھا وہ ہر روز اس کی قبر سے باتیں کرتا تھا کوئی
نہیں جانتا تھا کہ اس لڑکی سے اس کا کیا تعلق تھا وہ اس کا کیا لگتا
تھا کسی کو معلوم نہیں تھا کہ کون سی چیز اسے یہاں کھینچ لاتی تھی لوگ
تو زندہ لوگوں کو بھول جاتے ہیں اور وہ لڑکا اسکی قبر پر پانچ سال
سے آتا تھا۔

وہ عشق کا روگ تھا وہ اس لڑکی کے عشق میں آتا تھا وہ لڑکی جسے اس
نے نب دیکھا تھا جب وہ دنیا چھوڑ کر جا رہی تھی لیکن وہ تو آج
بھی زندہ تھی اس کی یادوں میں اس کے دل میں....
اور جو دل میں بستے ہوں وہ بھی کبھی مرتے ہیں کیا؟؟؟

سبز جانے صحت کی ضامن



- ۱۔ کبیرے لہنے کی صلاحیت۔
- ۲۔ دل کی نارہوں سے بچاؤ۔
- ۳۔ کولیسٹرول میں کمی۔
- ۴۔ ذیابیطس سے بچاؤ۔
- ۵۔ نوت مند جلد۔
- ۶۔ اسٹی اوکسزینڈا سے بچاؤ۔
- ۷۔ وائرس سے بچاؤ۔
- ۸۔ حد کی ۲۰ سے بچاؤ۔

KFOODS

بڑا بڑا اسکا بڑھے اسکا لیکن نہ جانے کونسی اسے ہوئے تھی یکدم
اس کے دادا کی پیچھے کی آواز آئی۔ وہ ہڑبڑایا۔ ماہ جہین کی سانس
اکٹڑ رہی تھی۔ وہ ڈاکٹر کو بلانے ایک دم باہر بھاگا۔ ڈاکٹر نے
اسے ائی سی یو میں شفٹ کر دیا۔ وہ ائی سی یو کے باہر کھڑا اس دشمن
جاں کو دیکھ رہا تھا جب ایک نرس آگے بڑھی اور اس کا نقاب ہٹایا
اور آکسیجن ماسک اس کے منہ پہ لگا دیا۔ بلاشبہ اپنے نام کی طرح
خوبصورت تھی۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا اسے لگا وہ شاید
ساری زندگی اس کیفیت سے نہ نکل سکے۔ وہ مڑا اور تھکے تھکے
قدموں سے چلتا دادا کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ
اسے ڈاکٹر باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ یکدم اپنی جگہ سے اٹھا "آئی
ایم سوری، ہم پیشینت کو نہیں بچا سکتے۔ آپریشن سے پہلے ہی ان
کی سانس اکٹڑ چکی تھی۔ ڈاکٹر دکھی انداز میں کہتا اس کے
کندھے کو تھپتھپاتا آگے نکل گیا "میری بیٹی مجھے اکیلا چھوڑ کر
چلی گئی وہ ہمیشہ سے ضدی تھی وہ آپریشن سے بہت ڈرتی تھی وہ
کہتی تھی دادا کچھ بھی ہو جائے وہ آپریشن نہیں کر دے گی آج
اس نے یہ ضد بھی پوری کر دی " کہتے ہی وہ دل پر ہاتھ رکھتے
نیچے گر گئے وہ روتے ہوئے اسے بتا رہا تھا عالیان کو لگا اس کے
پاس الفاظ ختم ہو گئے ہیں اسے بھول گیا کہ وہ کن الفاظ میں اسے
نسلی دے وہ فقط اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ سکا میری محبت روح
ہونے سے پہلے ہی مر گئی تھی میں چار سال سے اس ازیت میں
گرفتار ہوں چار سال سے میں ہر روز جیتا ہوں اور ہر روز مرتا
ہوں میں ردد اس سے ملنے اسکی قبر پر جاتا ہوں مجھے لگتا ہے وہ میرا
انتظار کرتی ہے میں نے اگر شادی کر لی تو میں اس لڑکی سے وفا
نہیں کر سکو نگا عالیان"

اس نے اپنا سر ہاتھوں پر گرالیا

افسانہ

اوقات

آمنہ شاکر راولپنڈی

بارش



Email: khushboodigest@gmail.com Khushboo Online Digest 0300-7198339

میں اضافہ کر رہی تھی۔۔۔۔۔ اور۔۔۔
 زینت کے آنسوؤں میں بھی۔۔۔
 زینت کبھی بھاگتی جھونپڑی کے سوراخوں سے چپتے پانی کے نیچے
 کوئی برتن رکھتی۔۔۔ تو۔۔۔ دوسری جانب اس کا خیال بار بار
 اپنی بیمار بیٹی کی طرف جاتا۔۔۔ تو۔۔۔ کبھی جھونپڑی کے ایک
 کنارے میں لیٹے ہوئے معذور شوہر کی طرف۔۔۔!!!
 آج ایک جانب بارش زور و شور سے برس رہی
 تھی۔۔۔۔۔ تو۔۔۔ دوسری جانب زینت کے آنسو
 ۔۔۔ آنسو کہاں۔۔۔ وہ تو آنکھوں کی برسات تھی۔۔۔ وہ تو
 بارش پر تھی سبقت لے جانے کی کوشش میں بیٹے ہوئے
 تھے۔۔۔

مگر اس کے آنسو نہ بارش کو روک سکتے
 تھے۔۔۔۔۔ نہ۔۔۔۔۔ تکلیفوں سے نکال سکتے تھے۔
 مگر۔۔۔

ایک آنسو ہی تو تھے جو اس مشکل وقت میں بھی اس کا ساتھ بھا
 رہے تھے۔۔۔
 ذہنت تھک ہار کر ہر تھاے جھونپڑی کے ایک کونے میں بیٹھ
 گئی۔۔۔ جہاں سے ابھی تک پانی ٹپک رہا

شب بارش اپنے زور و شور سے برس رہی تھی۔ جیسے بارش کا پہلا
 اور آخری روز ہوتے۔۔۔ بار بار بجلی کی چمک اس کے وجود میں
 ایک نئے خوف کی لہر پیدا کر دیتی۔۔۔ کسی انہونی کا خدشہ لاحق
 ہو جاتا۔۔۔ جیسے یہ طوفانی بارش اپنے ساتھ شب کچھ بہا کر لے
 جائے گی۔۔۔ اس کی جھونپڑی کو سر سے اٹھالے گی، اس کا ہاضد
 سہارا۔۔۔ سر چھپانے کی جگہ۔۔۔ چھت سے نکلنے والے پانی
 کے قطرے جیسے جھونپڑی
 پر نہیں بلکہ
 زینت کے دل پر گر رہے تھے۔۔۔ بڑے بڑے سوراخ کر رہے
 تھے۔۔۔

دو بارش جو سب کے لیے بارعش رحمت بن کر برتی
 ہے۔۔۔ باعث مسرت ہے۔۔۔ وہی بارش زینت کے لیے
 اذیت بن گئی۔۔۔!!!

اسے اپنی تو فکر نہ تھی۔۔۔ مگر۔۔۔ اس کی تین سالہ بیمار ایمین اسے
 پریشانی میں مبتلا کئے ہوئے تھی۔۔۔
 اسے بار بار ایمین کی فکر ہو رہی تھی۔۔۔ وہ ٹھنڈے کانپ رہی
 تھی۔۔۔ اس کا پورا وجود بخار سے تپ رہا تھا۔۔۔
 مگر۔۔۔

دوائیاں کہاں تھیں۔۔۔ یہاں تو بارش تھی۔۔۔ جو اس کی بیماری



سوال ابتداء نور

وہ جو آنکھوں کا خواب ہوتا ہے

اک مسلسل عذاب ہوتا ہے

روز چھینٹے لہو کے پڑتے ہیں

میرا پہلو خراب ہوتا ہے

جانے کیسے حساب رکھتے ہوں؟

درد تو بے حساب ہوتا ہے

مے کشی تو فقط بہانہ ہے

ورنہ آنسو شراب ہوتا ہے

ریزہ ریزہ دلوں کو چننے میں

جانے کتنا ثواب ہوتا ہے

تھا۔۔۔ اور۔۔۔ بارش کا گلہ شکوہ کرتی رہی۔۔۔!!!

بارش تو بھی کیا آج ہی برسے گی۔۔۔؟

میرے صبر کو آذمائے گی۔۔۔؟

ایک ٹھنڈا آہ بھر کر۔۔۔!!

بارش کا کیا تصور۔۔۔؟

آخر اس نے تو بلا امتیاز برسا ہے جھوپڑی پر بھی اور محلوں پر

بھی۔۔۔

ایک بارش ہی تو ہے جو ہم میں اور امیروں میں فرق نہیں

رکھتی۔۔۔ اور بس۔۔۔

ذہنت کے آنسو ہونٹوں کی لڑی بن کر ایک مالا کی شکل میں ڈھلنے

لگے۔۔۔ ایک ایسی مالا جس میں خوشبو تھی۔۔۔ نئی تھی۔۔۔ مگر

آنسو کی۔۔۔!!!

اگلی صبح بارش تو تھم چکی تھی۔۔۔ لیکن۔۔۔ ذہنت کے نہ تھمنے

والے آنسو کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ ذہنت اپنی

بیٹی ایمیں کو ہمیشہ کے لیے گھو چکی تھی۔۔۔

☆.....☆.....☆.....☆

بڑھاپے

سے زیادہ انتقامی جذبات



چہرے کو

بگاڑ دیتے ہیں!

KROODSO

ایس ایم ایس

راہنظر..... آشک

SMS

Email: khushboodigest@gmail.com | Khushboo Online Digest | 0300-7198339

SMS (ایس ایم ایس)

کال کاٹ دی
اس نے پھر کال کی
اس نے پھر کال دی
وہ کال کرتا رہا
اور وہ کال Disconnect کرتی رہی
کوئی میسجوں کا ایسا ہوا۔ پھر سلسلہ sms پر چلا
بھنٹی! اس کی زندگی روٹھ گئی تھی
آخر اس نے منانا تو تھا۔
چلو دوستو! یہ سلسلہ بھی پڑھتے ہیں۔
دیکھتے ہیں
آخر محبت کرنے والے کیا کرتے ہیں

آؤ دوستو!
اک بات بتاؤں
آج تمہیں اک روڈ اوڈ سناؤں
ایک دفعہ
کچھ یوں ہوا
دو دوست یونہی ہنستے مسکراتے
اک دوسرے کو حال دل سناتے
بے وجہ لڑ پڑے
اک نے کال کاٹ دی
دوسرا بھی غصے ہوا بھی! نہیں کرنی بات
پھر کیا؟
دوستو سے بھی بھلا کوئی خفا رہ سکا
محببتوں کو کبھی کوئی اُلوداع کہہ سکا
نہیں ناں؟
جس نے کال کاٹی تھی
اُس نے پھر کال کی
دوسرے کو غصہ بڑا تھا

Request....m sorry

Reply.....No Reply

Request....M so sorry maaf kr do

Reply.....Nahi kmi bat samjhy

Request....Galti ho gai

Reply.....Bas tum chaly jao meri zindgi

sc

Reply.....bus tum gallian kro mari bla se

Request....aeha ab maaf kr do last time
plz.plz.plz

Reply.....q krun maaf, kia lgti hon, kia
oqat hy meri . nahi krni bat jb sudhr jao
bata dana.

Request....jaan bsi hay tum main meri aur
haan tumhary sath k bagair kasay sudhr
sakta hon?

Reply.....q ab tak mera sath ni tha?
asmaan pa chmak rhay ho kia meray sath
se?

Request....mat choro mujhy phir se tba
ho jaon ga bhk jaon ga.ek baar maaf kar
do.

Reply.....kia nahi kia tumhary lea, kitni
mushqil

brdasht kar k tum se bat krti hoon,smjha
samjha k thak gai -maaf krna tumhari
waja sey ghar walon ko dhoka day rahi
hoon main abu ami sb ko or tm wesy kay
wesy ..bdal jaon ga....!

Request....Tumhari sub batein theak hein

Reply.....Theak to tumhein lagti hein par
aml krty mooot parti hy ,

Request....Phir nahi kron ga.

Reply.Kia samjhty ho mujhy.dushman
hoon tumhari...?

Request....nahi to!! dost ho ,tum to meri
jaan ho

Reply.....bakwas band kro....?

Request....such bol rha hoon KHUDA
janta hy

Reply.....to isi leay roz zalil krty hoo

Request....nahi kahon ga aanda bari
mohbt krta hoon tum se...

Reply.....ALLAH' bachaay tumhari
mohbt sey

Request....Ab to ho gai na mohbt ..ab
maaf kr bhi do na

Reply.....Roz bakwas krti hoon, ke chor
do awara aur farig logo wali harktin, jaan
k dil dukhaty hoo, ghar mein tkaay ki izat
nahi hy, phir bhi mjal hy koi bat par amal
ho, marzi hy

tumhari zindgi hy tmhari, jo dil chahay
karo,

Request....agay say sb kahna mano ga

koshish to krta hon pata ni pher Q
gallian ho jati haan mujh se.

جو میرے دل میں ہے

سارے Sms-Req&Reply سب خود کر رہے ہو
تو کیوں کرتے ہو بار بار تنگ۔

Request....(Bhri se awaz mein) phir nahi
kron ga, aj sey ahid -e-wafa krta hoon aj
sey dakh lena
jan-e-wafa mein ab kia krta hoon -

پتہ ہے پھر کیا ہوا محبت آخر کیا کرتی ہے
موم سے بنی گڑیا تھی

”کب تک نہ کھلتی محبت کی پیش کے آگے“ آخر مان گئی
”دونوں ہنسی خوشی پھر راستوں پر چل پڑے“
خوبصورت منزل کی تلاش میں نکل پڑے۔۔۔

☆.....☆.....☆.....☆



Request....Aik moqa akhri moqa day do
agar na

badloon apny ap ko to jo saza do qabool
ho gi.

Reply.....Such kahon to mera dil nahi
krta bat krny ko ,kal ko koi bat ho jay
mein apny ghar walon ka sir nahi jhuka
sakti logon k samny. tum sey koi umeed
bahi to nahi keh tum khud ko badlo gay
.dost hoon tumhari is leay tumhary leay
acha chalti lion lekn ab nahi ab meri
tarf sey azad ho bye.....

Request....Theak hy na meri lash dakhny
to ad

gi na..? mujhy nahe jeena tumhary bageir
...achai

ka rasta dikhya aap ney ab us pa chlna
chahta hoon to aap choor kay ja rahi ho
to mein kia kron ga g ky khush raho

ALLAH Hafiz...

Reply.....CALL(Roti dard bhari awaz
mein)....

Shutup بند کرو اپنی کواں۔

خود کیوں مرتے ہو مجھے ہی مار ڈالو۔

جب سب جانتے ہو

چڑیاں

جمیر افسانہ، رحیم یار خان

Email: khushboodigest@gmail.com f Khushboo Online Digest 0300-7192550

خوبصورتی کا دلدادہ تھا اور اس کی ایک ایک اد پر یوں قربان ہوتا تھا جیسے کوہِ وفادار غلام اپنے مالک پر جان لٹانے کیلئے ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔ امیر پے پناہ خوش تھی مگر یہ خوشی ایک برس کی مسافت کے بعد ہی غم کی راہوں پر نکل گئی۔ آصف کے دل میں امیر کی چاہت سے زیادہ جگہ اب بچے کی خواہش نے لے لی تھی۔۔۔

امیر نے بھی اپنے عزیز شوہر کی خواہش کی تکمیل کیلئے اپنے علاج پر خصوصی توجہ دینا شروع کر دی۔ مختلف ڈاکٹروں اور حکیموں کی ادویات نے ان دونوں کی مزاج تو پوری ناں کی مگر امیر کے نازک سے مراد بے ڈھنگا ضرور بنا دیا۔ اکثر آصف اس کے پھولے ہوئے گالوں کے سبب سگری ہو، آنکھوں اور پھیلی ہوئے جسامت پہ طنز بازی کرتا تو وہ رنجور ہو جاتی۔ اس نے کچھ وقت تو محبت کے احترام میں صبر کے گونٹ پیے۔ مگر جب برداشت کا دم گھٹنے لگا تو اسکی زبان نے بھی زندہ ہونے کا ثبوت دینا شروع کر دیا۔ ان کے مابین منہ ماری کی ہلکی ہلکی ہوا میں اب لڑائیوں کی تیز آندھیوں میں بدل چکی تھیں۔ اکثر نیلی جو آصف کی بہن ہونے کے علاوہ امیر کی گہری دوست بھی تھی۔

اسے محبت سے سمجھاتی کہ دیکھو امیر، تم جانتی تو ہو بہیا خوبصورتی

وہ گزشتہ دو گھنٹوں سے آئیے کے سامنے بیٹھی اپنے موسم کی طرح بدل جانے والے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی۔ بہار جیسا کھلتا ہوا چہرہ خزان جیسی اجڑی ابھکی بے رونق شکل اختیار کر چکا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر سجے سونے کے گئے نواز مات منہ چرازے تھے۔ شکل دیکھو اپنی، تم سے اچھے تو میز ہی میز ہی شکلوں والے کارٹون ہیں۔ تم سے بھتر تو اوٹ پٹانگ کپڑے پہنے انگلیں چھروں والے جو کرہیں۔ تم ہو ہی کیا ایک موٹی کالی، بھدی بہینس۔ اسکی کان کی لو پھر انھی تمسخرانہ جملوں سے دہکنے لگی۔ یگانہ اس نے طیش میں آ کر میک اپ شدہ چہرے پر نذید میک اپ تہو پنا شروع کر دیا۔

اب وہ بد صورت سے بد صورت ترین دکھائی دے رہی تھی۔ میں واقعی بد شکل ہوں، کالی ہوں، بھدی ہوں، وہ زریب بڑ بڑا اور بیسی کی ہنسی چلی گئے۔ یکبارگی اس نے بے آواز رونا شروع کر دیا۔

اور آنس کی پتلی لیکروں نے اس کی پاڈر سے اٹی ہوئی صورت کو یوں مسخ کر دیا جیسے نیارنگ کی جانے والی دیواروں کو اچانک برسنے والی بارش تباہ و برباد کر دیتی ہے۔۔۔۔۔۔

امیر اور آصف کی پسند کی شادی تھی۔ آصف امیر کی سحر انگیز

سے امبر اور آصف دونوں ہی پاگل ہو رہے تھے... امبر آصف کی بیوفائی میں چور ہو کر اور آصف آگن میں غنزیب گونجنے والی شہنائی میں محمور ہو کر....

اس گھر کے بزرگ سلامت ہوتے تو ان دونوں کے بیچ صلاح کی کوئی راہ ضرور نکل آتی... نیلی نے لحاظ داری کی حد پار کر کے آصف کو سمجھانے کا جتن کیا تو آصف نخوت سے اس پے یوں برس پڑا، مجھ سے قبل اپنی بدنما، بد مزاج سہیلی کو سمجھا.. سب اس کی حماقتیں ہیں... اسی کا قصور ہے سب... اپنی بری شکل اور بری زبان کا اب خمیازہ بھیگتے...

رات کے بارہ بج رہے تھے وہ دھیمے دھیمے بیٹھے لہجے میں شمع سے محو گفتگو تھا کہ کھڑکی سے ایک کڑا کے دار آواز ابھری، اسے لگا جیسے باہر سے کسی نے کھڑکی پے بھاری پتھر مارا ہو.. وہ گھبرا کر بھرتی سے کھڑکی کی جانب بھاگا.. کھڑکی کھولی تو سامنے لان میں کسی کو نہ پا کر متعجب ہوا...

کیا ہوا آصف؟ شمع بھی اسکی چند ٹائپے کی خاموشی سے فکر مند ہو کے بولی... کچھ نہیں یار مجھے لگا باہر کوئی ہے.. ہاں اس وقت تو کوہ چڑیل ہی ہو سکتی ہے... شمع نے اسکی پریشان آواز سے محظوظ ہو کر کہا... ایسا تو مت کھو... کیا پتا میں ان جن بھوتوں سے کس قدر ڈرتا ہوں... بچپن سے یہ خوف دل میں ایسے گھسا ہے کہ اب تک مجھیں ہوا.

وہ پرانے قصے سنانا شروع ہی ہوا تھا کہ کھڑکی ایک بار پھر زور سے لرزی.. اب کی بار کھڑکی پہ پڑنے والی ضرب پہلے کی نسبت تیز تھی.. معاکھڑکھڑا ہٹ کے اس نے ایک کرب ناک چیخ بھی سنی.. وہ دم بھر کے لیپاس کاروائی پر اندر تک بل گیا.. اس نے پوری ہمت مجتمع کر کے کھڑکی کی طرف ڈھیرے ڈھیرے قدم

کے کس قدر اسیر ہیں.. اپنے باہمی جھگڑے تحمل اور بردباری سے نبٹا.. خود پے توجہ دو اور ان پر بھی مگر امبر کے سینے پر آصف کی کڑوی چبھتی، تمسخرانہ باتوں نے اس قدر گھا لگائے تھے کہ نیلی کی کوئی صلاح.. کوئی مشورہ کارگر ثابت نہ ہوتا.. ایک دن ان کے بیچ ہونیوالی جھڑپ نے اس قدر طول پکڑا کہ امبر گھر چھوڑ کے چلی گئی.. وہ جانتی تھی غلطی آصف کی بیاس لیے پر امید تھی کہ آصف اسے منانے ضرور آئے گا.. مگر وہ تو اسے چھوڑنے کے پورے پورے انتظامات کیے بیٹھا تھا.

جب نیلی کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ آصف دوسری شادی کے خواب شور مچا رہے تو اسکی آس کا وجود بری طرح تارتا رہو گیا.. جو بھی ہو میں اسے دوسری شادی نہیں کرنے دوگی..

وہ بھلے نہ چاہے مجھے.. میں تو اسے محبت کرتی ہوں... وہ مجھے بھدی کہے، موٹی کہے، کالی کہے قبول ہے.. مگر اس کا کسی اور کا ہونا منظور نہیں.. وہ اپنے آپ سے ہمسکام تھی.. خود کو مضبوط کر رہی تھی مگر دل کو خالی خالی تسلیوں سے کوئی تشفی نہ ہو.. بلا آخر اس نے اپنی انا کو کچل کر پختہ ارادہ کیا کہ وہ خود آصف کو منائے گی..

اس نے رابطے کی کئی کوششیں کیں مگر سب بے سود گئیں.. آصف پے نئے عشق کا شمار تھا اس پے پرانی محبت کے واسطے کہاں اثر انداز ہوتے... اس نے کئی وظیفے کیے، کئی منتیں مانگیں، کہ تعویذ پہنے... مگر سب حربے بے مراد ٹبرے.. نہ آصف مانانہ منانے آیا.

اب اسے یقین ہو چلا تھا کہ مقابل عورت کی چاہت اور حسن میں ضرور کوئی بات ہے ضرور کوئی طاقت ہے کہ آصف نے اس کے لیے دل اور گھر دونوں کے دروازوں پر قفل لگا رکھے ہیں.. اس

سے اب کوئی پیاری بات کی امید نہیں.. ویسے بھی ایک بج گیا ہے اب سو جاؤ... مت جا شمع.. مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے... مرد بنو آصف کیا بچوں جیسی حرکتیں کر رہے ہو... صبح میں نے کالج بھی جانا ہے..

پھر شمع نے دو چار تسلی آمیز باتیں کہیں اور آصف کی منت سماجت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دھڑم سے فون بند کر دیا.. آصف کو شمع کی اس بے پردائی پے شدید غصہ آیا... وہ رات ہو لے ہو لے سرک سرک کر بمشکل گزری.. ساری رات وہ مختلف آیات کا دورہ کرتا رہا.. اگلے دن اس نے دو دن کے لیے نیلی کو اپنی خالہ کے گھر چھوڑا اور خود ایک دوست کی طرف چلا گیا.. وہ دو دن اسکے شمع کو یقین دہانی کراتے گزرے اور شمع کے اسکو سمجھاتے.. تسلیاں دیتے..

آخر ایسا کب تک چل سکتا تھا اسے گھر واپس تو آنا ہی تھا.. تیسری رات وہ گھر تھا.. ٹھیک بارہ بجے کھڑی پھر چینی تھی.. شمع اسکے ساتھ فون پر موجود تھی.. شمع شمع وہ آگئی ہے.. وہ سہم سہم کے بولا..

آصف کی حالت کو دیکھتے ہوئے اب تو شمع کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ یا تو آصف کے گھر پر سایا ہے یا آصف بے خود... روز رات کو اب یہی ماجرا ہوتا آصف ڈر کے مارے ہنسی ہنسی باتیں کرتا اور شمع اسکی دلجوئی کرتی.. آخر وہ اس صورتحال سے ادب گئے.. نہ اسے آصف سے کوئی دالہا نہ قسم کا عشق تھا اور نہ اس کا اتنا بلند ظرف کہ وہ آصف کے اس پاگل پن کو نذید جھیلتی.. ایک دن اس نے تھک آ کر اپنا موبائل ہی بند کر دیا..

آصف سارا دن اسے فون کرتا رہا مگر شمع نام کی امید تو اسکی زندگی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گل ہو چکی تھی.. آنے والی رات

بڑھائے... پسینے سے تر چھرے اور کانپتے ہاتھوں سے اس نے کھڑکی کے پٹ کھولے تو سامنے کے منظر نے پل بھر کے لیے اس کے حوش دعو اس ہی چھین لیے..

لان کے عین وسط میں سفید لباس میں ملبوس ایک عورت گول گول گھوم رہی تھی.. اسکے کالے الجھے بال یوں دائرے میں لہرا رہے تھے جیسے کہ سیاہ پرندے جھنڈ میں چکر کاٹ رہے ہوں.. آصف آصف آصف....

فون کے اندر سے شمع کی متفکر صدا میں آصف کی سماعتوں سے نکرارہیں تھیں مگر وہ تو پتھر کا بن چکا تھا اسے لگا بچپن کی وہ چڑیل جس کے زکڑے وہ سمیت سارے گاں والے تھر تھر کانپتے تھے اور مغرب کے بعد گھر سے ہی نہیں نکلتے تھے آج اس کے سامنے آ کھڑی ہے.. اب وہ سفید و جوڑ گھومنا بند ہو گیا تھا اور اسکے چہرے کا رخ بالکل کھڑکی کی طرف تھا اس نے لمبے ناخنوں والے ہاتھ کی مدد سے چہرے سے بال ہٹائے حد سے زیادہ سفید رنگ، کالی سیاہ بڑی بڑی وحشت ناک آنکھیں جس سے سرخ انگاروں جیسے شعلے لپک رہے تھے اور لمبے لمبے چار تھوڑی کو چھوتے ہوئے دانت دیکھ کر آصف بے ہوش ہوتے ہوتے بچا..

اس نے ایک بلند دردناک چیخ مارتے ہوئے کھڑکی کو زور سے بھیڑ دیا... چڑیل چڑیل.. کہاں ہے چڑیل؟ شمع خود اسکی مسلسل چڑیل کی گردان پر مضطرب ہو کے بولی... شمع باہر ہے.. وہ گھر میں ہے... لان میں ہے... اندر آ جائے گی.. وہ خوف سے کہہ جملے ہلکا ہلکا کہ بولا.. سٹھیا گئے ہو کیا آصف.. تم خوفناک باتیں کر رہے تھے اس لیے تمہیں دھم ہو چلا ہے... یہ دھم نہیں ہے شمع بچ ہے..

اس نے پھر لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں وثوق سے کھا... تم

شخص پر بہت ترس اور پیار آیا۔ آج نیلی بہت خوش تھی۔ آصف نے فون پر بھی اسے اطلاع دے دی تھی کہ وہ شام کو اسکی بھابھی کو گھر لارہا ہے... اس نے اپنی کھلی اپنی بھابھی کے سواگت کیلئے خوب تیاریاں کیں...

امیر نے دھلیز پار کی تو سامنے مسکراتی ہوئی نیلی باہیں کھولے اسکی منتظر تھی امیر نے دوڑ کر اسے گلے لگا لیا اور آنکھ دبانے ہوئے ایک ممنون مسکراہٹ اسکی جانب پھینکی۔ آج اگر وہ اس گھر میں واپس آئی تھی تو اس معجزے میں کس چیزوں کا ہاتھ تھا۔ جن میں اس کے پرس میں رکھے ہوئے نقلی بال، ناخن، دانت اور نیلی کا منصوبہ شامل تھے....

☆.....☆.....☆.....☆

افسانچہ طیبہ انور ڈائجسٹ

میں صبح سے بے چین تھی۔ کبھی دروازے کی جانب دیکھتی اور کبھی گھڑی کی طرف، ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ اسے آنے میں اتنی دیر ہو جاتی میری کوشش کے باوجود میری بے چینی سب سے چھپی نہ رہ سکی امی کو میری بے صبری پہ غصہ آ رہا تھا۔ پر میں بھی کیا کرتی آج وہ ایک دو دن نہیں پورا ہفتہ لیٹ ہو گیا تھا، میرے آنسو نکلنے ہی والے تھے کہ بیل کی آواز پہ میں نے دوڑ کر دروازہ کھولا اور اسے سینے سے لگا لیا... آخر میرا ماہنامہ ڈائجسٹ آ ہی گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

آصف کے لیے بھاری تھی...

آصف ڈرا سہا ہوا، بک کے اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ آج تو شمع کا بھی کوہ سہارا نہ تھا۔ سخت سردی میں اسکے پسینے چھوٹ رہے تھے... بارہ بجے... سوا بارہ... ساڑھے بارہ مگر کھڑکی پر کوئی چوں چاں نہ ہوئی۔

آصف نے کچھ سکھ کا سانس لیا۔ اسی دوران اسے شمع کا پیغام موصول ہوا تو اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔

شمع نے اسے نفسیاتی مریض قرار دے کر ہمیشہ کے لیے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ابھی وہ شمع کی سنگدلی کا ماتم ہی کر رہا تھا کہ بے ہنگام انداز میں دروازہ زور سے بجا... اسے نگا شاید نیلی کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو گیا ہے... اس نے فکر مندی میں جھٹ سے دروازہ کھول دیا.. لمحہ بھر کے لیے اسکی سانس رکی، چہرے کا رنگ متغیر ہوا اور چیخ گلے میں پھنس سی گئی....

دروازے سے کچھ فاصلے پر کھڑی وہی ہیبت ناک چڑیل لمبے لمبے نوک دار دانت نکالے مگر وہ انداز میں ہنس رہی تھی۔ آصف نے ایک جھرجھری سی لی اور اپنے بٹمند ہوتے ہاتھوں کی مدد سے دروازے کو پوری شدت سے دھکیل کے بند کر دیا۔

وہ ایک مشکل طویل رات تھی، ساری رات وہ گڑ گڑا کے اللہ سے معافیاں مانگتا رہا اور قرآنی آیات کا ورد کرتا رہا.. صبح نیلی کو بھی اسکی اجڑی اجڑی حالت دیکھ کر تشویش ہوئی۔ نیلی نے اسکی پریشانی کی بابت دریافت کی۔ مگر وہ تجل کے مارے چپ صی رہا۔ جو بھی تھا آخر کو اس نے مردھونے کا بھرم بھی رکھنا تھا۔ صبح صی مذید کوئی ساعت ضائع کیسے بغیر امیر سے ملنے چلا گیا۔ اس نے رورو کے امیر سے اپنے نارہ اسلوک اور بیوفائی کی معافی مانگی امیر تو کیسے اسکی راہ دیکھ رہی تھی اسے اس اجڑے دکھ بھرے نام



کے رویے بھی مجبور کرتے تھے انمول تم آج پھر پورے پندرہ منٹ لیٹ پہنچی ہو اسکی میڈم کے الفاظ اسے خیالی دنیا سے حقیق دنیا میں لائے تو اس نے فوراً سے مسکرا کر معذرت کر لی اور آئندہ نام پر آنے کا کہتی اپنی کلاس میں داخل ہو گئی اسلام وعلیم ٹیچر کی صداں نے اسکے منتشر دماغ کو بہت پر سکون کر دیا تھا اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پڑھانے لگی جب اسکول کی چھٹی ہوئی تو گھر کی طرف جاتے جاتے اس نے رخ باز اڑکی سمت کر لیا

کچھ ضروری سامان لینے کا بہت دنوں سے سوچ رہی تھی آج تنخواہ ملی تو سوچا یہ کام بھی کر لے سامان ملے کہ جب گھر کی سمت بڑھی اور دروازے پر پہنچی تو بھائیوں کی موجودگی پر تھوڑی حیران ہوتی ہوئی ان سب کو سلام کرتی امی اور اپنے مشترکہ کمرے کی سمت بڑھ گئی کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ اپنی امی کے چہرے کی چمک نے اسے خوشی اور حیرانی سے ملے جلے تاثرات اسکے چہرے پر بھی آ گئے

اوہو آج تو امی جانی بہت خوش باش لگ رہی ہیں خیر تو ہے ناں؟؟ اس نے امی کے گرد بانہیں پھیلائے انکو چھیڑتے ہوئے کہا ہاں خیر ہی خیر ہے امی کی جان انہوں نے حسب عادت اسکے ماتھے پر اپنی

جی امی بس آئی۔ تم ہمیشہ اپنی پردہ میں صفر ہی رہنا کبھی تو خود بھی اپنا خیال رکھ لیا کرو اب جب آپ ہو میرا خیال رکھنے کیلئے تو میں کیوں خود کو یہ کام سوچیوں امی جانی؟؟ اس طرح نہیں چلتا امی کی جان انمول جو انسان اپنا خیال نہیں رکھتا نادانیا بھی اسی کو ستاتی ہے۔۔

چلیں اچھا میں چلتی ہوں امی مجھے ویسے ہی دیر ہو گئی ہے للہ حافظ یہ اسکی روزمرہ کی صبح کی شروعات ہوتی تھی اور وہ اپنی امی کی ان باتوں کو سننے سے ناگھٹتی تھی نا برا بھکتی تھی بس اک احساس ہوتا تھا کہ خود کو اب مزید کب تک مضبوط رکھنا ہوگا؟؟ مگر وہ اس احساس کو بھی اپنے تک ہی رکھتی تھی انہی سوچوں میں گہری چلتے چلتے کب وہ اپنے اکیڈمی پہنچی پتہ ہی نہ چلا وہ اپنے علاقے کے ایک اکیڈمی میں بیچنگ کرتی تھی اسکے تین بھائی تھے اور وہ تینوں ہی اپنی زندگی میں بہت مصروف اور خوشھے ایسا نہیں تھا کہ وہ اسے اور اسکی امی کو فراموش کرتے تھے بہت لاڈلی تھی وہ اپنے بھائیوں کی مگر اس نے اپنے لاڈ کا غلط فائدہ کبھی نہیں اٹھایا وہ یہ بیچنگ اپنی خوشی سے کرتی تھی اور کچھ آنے والیوں یعنی کے اسکی بھائیوں

خوبصورت فراک اور پچاسے میں وہ پہلی بار خود کو اتنا حسین دیکھ رہی تھی اور پہلی بار کسی کی چاہت اسکے دل میں سر اٹھا رہی تھی جو بھی تھا اسے اچھا لگ رہا تھا کیونکہ تھی تو وہ بھی ایک لڑکی ہی جب لڑکے والے آگئے اور اسکی بھابھی اسے لینے آئیں تو دھڑکتے دل کے ساتھ سر پر دوپٹہ نکائے گردن جھکائے وہ سچ سچ کے قدم رکھتی مہمانوں کے پاس پہنچی اور سلام کرتی امی کے ساتھ گردن جھکائے بیٹھ گئی اسے نہیں پتہ تھا کہ جو شخص اسکے سامنے بیٹھا ہے وہ اسکی سادگی کا دیوانہ ہو چکا ہے وہ تو یہ تک نہیں جانتی تھی کہ اسکی جھکی نظریں کسی کے دل کے آر پار ہو بھی گئیں ہیں بیٹی آپکا نام کیا ہے جی؟

اممول نام ہے میرا ماشاء اللہ بہت پیارا نام ہے تمہاری طرح بہن ہمیں آپکی بیٹی بہت پیاری لگی ہے اور ہم اپنے بیٹے کیلئے آپ سے اممول کا سوال کرتے ہیں اممول نے اتنا سنا اور وہ کمرے سے بھاگتی اپنے کمرے میں آ کر اپنی سانسیں ہموار کرنے لگی اسے پہلی بار اپنی معصومیت پر فخر ہو رہا تھا اور وہ پہلی بار کسی کی ہو جانے کا تصور کر رہی تھی اور اسے ایک عجیب سی خوشی اپنے وجود میں سرایت کرتی محسوس ہو رہی تھی

وہ آئینہ کے سامنے کھڑی خود کو محبت بھری نظروں سے تکتے ہوئے انہی سوچوں میں ڈوبی تھی کہ اسکی امی آ کر اسکا ماتھا چوم کر کہا کہ لڑکے والو کی طرف سے ہاں ہے مگر میں چاہتی ہوں ایک نظر تم لڑکے کو دیکھ لو یہ تصویر لانی ہوں میں وہ لوگ ابھی کھانا کھا رہے تم جب تک لڑکے کو دیکھ لو پھر میں بات آگے بڑھاؤ گی یہ رہی تصویر مجھے تو بہت اچھا لگا ہے لڑکا مگر تمہاری مرضی کے بنا میں کوئی فیصلہ نہیں کرونگی اممول سر جھکائے سب سنتی رہی جب امی باہر چلی گئیں تو اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ لفاظی کھولا اور جب نظر

محبت کا اظہار کیا تو وہ روزانہ کی طرح مسکراتی رہی اچھا چلو جلدی سے فریش ہو جا اور اچھی طرح تیار ہو کر نیچے آ جا آج تمہیں دیکھنے لڑکے والے آرہے ہیں اسکو لگامی مذاق کر رہی ہیں کیونکہ اس نے اپنی زندگی کے اس پہلو کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا اور نا ہی اسے اتنا موقع دیا گیا تھا کیا مجھے دیکھنے لڑکے والے آرہے ہیں اور آپ مجھے ایسے بتا رہی ہیں میں آپ سے پہلے بھی کبہ چکی ہوں کہ مجھے نہیں کرنی شادی وادی منا کر دیں آپ انکو نہ آئیں وہ دیکھنے مجھے میں امی سے خفا خفا سی کہتی وہی بیٹھ گئی ایسا نہیں کہتے امی کی جان زندگی میں کبھی نہ کبھی ہز لڑکی کو جانا ہی ہوتا ہے۔

اپنا گھر اپنے رشتے چھوڑ کر اور یہ رسم آج کی نہیں صدیوں پرانی ہے اس کو سب نے نبھایا ہے اور سب ہی کو نبھانا ہے مگر مجھے نہیں جانا آپ کو چھوڑ کر میں اتنی بوجھ بن گئی امی کہ آپ مجھے خود سے دور کرنے کا سوچتے لگیں؟؟

ایسا نہیں ہے امی کی زندگی کوئی ماں کبھی بھی اپنی بیٹی کو دور نہیں کرتی اگر یہ رسم ہمارے بڑے نہ کرتے ہمارے نبی نے اپنے جگر گوشے بی بی فاطمہ کو رخصت کیا یہ مثال کافی نہیں ہمارے لینے ان سے بڑھ کر تو نہیں نا کوئی نا تم نام میں بیٹا زندگی کا ہر پہلو نیا ہے اور ہمارا فرض بنتا ہے ہم ہر پہلو کو جانیں اور اس سے زندگی جی کر دیکھیں اور ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے اپنی گڑیا جیسی بیٹی کو دلہن بنا دیکھنے کی تو بتائیں کہاں غلط ہوئی؟؟

وہ اب کدرے بہتر موڈ میں لگ رہی تھی خاموشی سے کپڑے پکڑ کے نہانے چلی گئی اور جب واپس آئی تو کمرہ خالی تھا شاید امی نیچے تیاریاں کرنے گئیں ہیں وہ یہ سوچتی جب شیشے کے سامنے کھڑی ہوئی تو خود کو دیکھے گئی گللابی اور آسمانی رنگ کے



۱۔ وہی خوشبو

اس کو برسوں کے بعد دیکھا ہے
 کچھ زیادہ نہیں تھا بدلا وہ
 ہوش اڑاتی ہوئی وہی آنکھیں
 دل پڑاتا ہوا وہی لہجہ
 رکھ رکھاؤ وہی، وہی خوشبو
 پر نہ جانے یہ کیا ہوا جاناں
 دل میں کوئی اُمنگ جاگی ہے
 نہ کسی آرزو نے کروٹ لی
 ہم تو جیتے ہیں اس طرح جیسے
 کچھ زیادہ نہیں بدل پائے
 اس کو برسوں کے بعد دیکھا تھا
 بس یونہی آنکھ میں نمی آئی
 ہم بھی چپکے سے رو دیئے لوگو!
 وہ بھی چپکے سے ہو لیا رخصت

شاعرہ.....ضد فچوہان، ملتان

لڑکے پر گئی تو بے ساختہ دل میں محبت نے اپنا سراٹھا لیا اور وہ
 مسکراتی ہوئی تصویر لگانے میں رکھنے لگی اسے پہلی بار زندگی
 آسان لگی تھی وہ پہلی بار اپنے دل کی ماننے جا رہی تھی امی کمرے
 میں آئیں تو اس سے پوچھا انمول کیسی گی تصویر میں ہاں
 کیسی گی تصویر میں ہاں کہہ دوں تو وہ بہت دیر کے بعد بس اتنا
 ہی کہہ پائی جیسا آپ کو ٹھیک لگے امی اور یہ سنتے ہی اسکی پیشانی پر
 دعاں کو سبھرتی امی نیچے کی سست دوڑی چلی آئیں آخر منہ بیٹھا
 بھی تو انہوں نے ہی کروانا تھا سب کا اور وہ اپنے کمرے میں بیٹھی
 بس یہی سوچ رہی تھی کہ راحت سب کے مقدر میں ہوتی ہے مگر
 وقت مقررہ پر ہی نصیب پائی جاتی ہے اور وہ خوش تھی اپنے رب
 کے خوبصورت فیصلے پر.....

☆.....☆.....☆.....☆

KFC ODSO

آج بکریں بات

ایک شخص نے ایک بزرگ سے کہا

میں سکون چاہتا ہوں

بزرگ نے فرمایا

اس جیلے میں سے (میں) نکال دو

یہ بکرے کی علامت ہے

(چاہتا ہوں) نکال دو یہ نفس کی علامت ہے

پھر آپ کے پاس صرف سکون ہی رہ جائے گا



تعلیم کی اہمیت

ارو شاخان

”رب زدنی علما“

پڑھا کریں تاکہ آپ کے علم میں اضافہ ہو

علم کا مطلب جانا آگاہ ہونا علم کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے کہ اس کو کس نے پیدا کیا اور اس کو اپنے فرائض کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کس مقصد کے لیے

پیدا کیا اور اس کو اس دنیا میں کس طریقے سے رہنا چاہیے انسان علم کے ذریعے ہی عظمت کو حاصل کرتا ہے تمام مسلمانوں پر علم حاصل کرنا واجب ہے تاکہ علم کے ذریعے انسان اچھا اور براء کو پہچان سکے

اور اس کے درمیان امتیاز کر سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ماں کی گود سے لے کر قبر تک علم حاصل کرو یعنی حصول علم کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر کوئی بچپن سے علم حاصل نہ کر سکا تو اس سے محروم نہ رہے جوانی میں حاصل کر لے اور اگر جوانی میں حاصل نہیں کر سکا تو تب بھی مایوس نہ ہو بڑھاپے میں علم حاصل کر

لے علم کی بے شمار اہمیت اور فضیلت ہے

جو پایا علم سے پایا بشر نے! فرشتوں نے بھی وہ پایا نہ پایا!

ایک دفعہ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ ہم دس آدمی ہیں اور سوال ایک ہی ہے لیکن جواب جدا گانہ چاہتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں کہو اس نے سوال پیش کیا

علم بہتر ہے کہ مال آپ رضی اللہ عنہ نے اس طرح جواب دینا شروع کیا علم اس لیے بہتر ہے کہ مال کی تجھے حفاظت کرنی پڑتی ہے اور علم تیری حفاظت کرتا ہے اس لیے مال فرعون اور خاندان کا ترکہ ہے اور علم انبیا کی میراث ہے مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے اور علم ترقی کرتا ہے پھیلانے سے مال ویر تک رکھنے سے



فرسودہ ہو جاتا اور علم کو کچھ نقصان نہیں ہوتا مال کو ہر وقت چوری کا خطرہ ہوتا پر علم کو ایسا کوہِ آخطرہ نہیں علم سے دل کو روشنی ملتی علم جتنا پھیلے گا معاشرہ بہتر ہوگا اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین #

☆.....☆.....☆



لا جواب ہوا ہو۔ لیکن آج وہ اس نامعلوم لڑکی کے سامنے
لا جواب ہو چکا تھا۔

اور جب وہ لڑکی جانے کو ابھی تو اس کی باتیں وہ یوں مان چکا
تھا جیسے اس پر کبھی انکار کیا ہی نہ ہو۔ جاتے ہوئی اس لڑکی نے
ایک نگاہ مجھ ڈالی اور باوقار انداز میں چلتے ہوئے دفتر سے نکل
گئی۔ اس کی نگاہ نے مجھے باور کرایا تھا کہ وہ جانتی تھی کہ
دوران گفتگو میری ساری توجہ اسی کی جانب ہے۔ تھوڑی دیر اپنے
دست کے ساتھ گپ شپ کی اور وہاں سے میں اٹھ آیا۔ ایسی پر
بھی میں اس لڑکی کو بہت دلچسپ سوچتا رہا۔ اس واقعہ کو ایک
مہینہ ہونے کو تھا اور اسے میں تقریباً بھول ہی چکا تھا جب ایک بار
پھر اس کا میرا آمنہ سامنے ہوا۔

میں یونیورسٹی میں اپنے سابقہ پرفیسر کو ملنے گیا تو حیرت
انگیز طور پر پہلے سے ہی ان کے روم موجود تھی۔ پروفیسر صاحب کا
رنگ دھواں دھواں ہو رہا تھا میرے روم داخل ہوتے ہی وہ
جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی میرا اندازہ تھا کہ شاید وہ مجھے
پہچان جائے گی لیکن شاید نہیں کیوں کہ اس کی آنکھوں میں
شنا سائی کی چمک میں نے نہیں دیکھی۔

سپاٹ چہرہ لئے وہ اسی باوقار چال کے ساتھ روم سے نکل چکی

اسے میں نے سب سے پہلے اخبار کے دفتر میں دیکھا
۔۔ میں اپنے دوست کو ملنے گیا تھا اور وہ وہاں پہلے سے موجود
تھی۔ دھیمے لہجے میں وہ کسی خبر کے بارے میں بات کر رہی
تھی۔۔ اک عجیب سا شہیرا تھا اسکی گفتگو میں جسے میں کوئی نام
دینے سے قاصر تھا۔۔ میں بے وجہ ہی اسے دیکھے جا رہا
تھا۔ شاید میری نظروں کا ارتقا اس نے محسوس کر لیا تھی بات
کرتے ہوئے وہ تھوڑی دیر کے لئے رکی اور ایک نظر میری طرف
دیکھا۔۔ میں گڑبڑا سا گیا۔۔

اب پھر وہ اسے مخصوص لہجے میں میرے دوست کے ساتھ
باتیں کر رہی تھی، میں نے سامنے پڑھا اخبار اٹھا لیا مقصد پڑھنا
یقیناً نہیں تھا صرف ایک تاثر دینا تھا کہ میں اخبار پڑھ رہا ہوں
جب کہ میرے پوری توجہ اب اسی کی جانب تھی۔ اور میں گاہے
بگاہے ایک نظر اسے دیکھتا رہا۔۔

میں خود نہیں جانتا تھا کہ اس میں کیا بات تھی جو میری توجہ
بار بار اس کی جانب کھینچی جا رہی تھی۔۔ میرا دوست جو کہ چلتا پرزا
قسم کا آدمی تھا۔۔ اس کی باتوں کے سامنے ڈھیلا پڑھتا جا رہا
تھا۔۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کیوں مجھے یاد تھا کہ جب یونیورسٹی میں
تب سے آج تک شاید ہی ایسا ہوا ہو کہ وہ کسی کے سامنے

بات کرنے کا حوصلہ نہیں کر پارہا تھا۔۔۔ یہ نہیں کے میں شرمیلہ قسم کا انسان تھا۔۔۔ اخبارات کے لئے لکھتے ہوئے کافی عرصہ ہوا تھا مجھے اس دوران کبھی افسران اور وزرا سے بھی پالا پڑھا تھا۔ لیکن اس لڑکی کے سامنے پتا کیوں میرے ہمت جواب دے رہی تھی مجھے اندازہ نہیں ہوا کہ یہ سب سوچتے ہوئے میں مسلسل اسے گھورے جا رہا ہوں۔۔۔ اچانک اس کی شفاف آنکھیں میرے جانب متوجہ ہوئیں، اب کے بار اس کی آنکھوں میں شناسائی کو محسوس کر گیا میں۔۔۔

شاید آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟؟ اس نے جیسے میرے دل کی بات پڑھ لی تھی۔۔۔ لیکن میں اسے کے یوں اچانک مخاطب کرنے پر بوکھا چکا تھا،۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ نہیں، نہیں تو، میرے منہ سے نکلنے میں الفاظ برآمد ہوئے تھے۔۔۔ مجھے لگا وہ میری کیفیت سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔۔۔ پھر آپ کیوں مجھے مسلسل گھورے جا رہے ہیں اس کے سوال کرنے کا انداز تھمیرکا تھا

۔۔۔ اب میرے خود اعتمادی بھی لوٹا آئی تھی۔ ہاں میں نے کچھ پوچھنا تھا آپ سے اگر آپ برا نہ منائیں تو میں اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

۔۔۔ اس نے ایک نظر سامنے پڑھی کتاب پر ڈالی پھر مجھ پر شاہد وہ فیصلہ نہیں کر پارہی تھی کہ جواب دے یا نہ۔۔۔ لیکن پھر اس نے اطمینان سے کتاب بند کر دی۔۔۔

اب میرے طرف سوالیہ نظروں سے میری جانب کچھ رہی تھی۔۔۔ اور میں سوچ رہا تھا آخر میں اس سے کیا سوال کروں گا۔۔۔ میں نیوز پیپر میں لکھتا ہوں میں نے اپنی تعارف شروع کیا تھا لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے روک دیا اور بولی مجھے معلوم ہے

تھی۔۔۔ جب میں پروفیسر صاحب کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا مجھے واضح طور پر محسوس ہوا کہ وہ بے ربط گفتگو کر رہے ہیں۔۔۔ میرے پوچھنے پر وہ نال گئے۔۔۔ جب میں یونیورسٹی سے نکل رہا تھا تب میں نے اسے ایک لڑکی کے ساتھ گاڑن میں کھرا پایا وہ شاہد وہ اسے کچھ سمجھانے کی کوشش میں مصروف تھی

۔۔۔ ان دو واقعات کے بعد میں لاشعوی طور پر اسے دیکھنے کی تمنا کرتا رہا۔ کبھی دفعہ کسی اور لڑکی کو دیکھ کر مجھے شعبہ ہوا کہ وہ ہے اور میں چونک سا جاتا لیکن ہر مرتبہ ہی مجھے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑھا۔۔۔ وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا اور کبھی مہینے گزر گئے۔ میں اپنی دانست اسے بھول چکا تھا۔ لیکن نصیب میں اسے پھر ملنا تھا سو وہ مجھے ایک بار پھر دکھائی دی۔۔۔ اب کے بار وہ مجھے شہر کی سب سے بڑی لائبریری مین ملی وہ تصوف کے سیکشن میں شاہد کوئی کتاب تلاش کر رہی تھی اسے دیکھ مجھے اندازہ ہوا کہ میں آئے اب تک یاد رکھے ہوئے ہوں۔ میں بھول گیا کہ میں وہاں کیوں آیا تھا ویسے ہی کتابوں کو اوپر نیچے دائیں بائیں کرتے ہوئے میں مسلسل اسے چور نظروں سے دیکھ رہا۔۔۔

وہ ایک کتاب لیکر ٹیبل پر بیٹھ چکی تھی اور ورق گردانی کر رہی تھی۔۔۔ اب کے بار میں نے اسے مخاطب کر تہیہ کر لیا تھا۔ ایک کتاب لیکر اسی میز پر میں بھی چلا آیا۔ میرے سامنے بیٹھنے پر بھی اس نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا اس کی ساری توجہ اس کتاب پر مرکوز تھی۔

مجھے لگا وہ وہاں ہو کر بھی وہاں نہیں تھی۔۔۔ مجھے سخت حیرت ہو رہی تھی کہ وہ تصوف پر ملک کے ایک بڑے سکالر کی کتاب پڑھ رہی تھی جب کے اس کی عمر ان کتابوں کو پڑھنے کی نہیں تھی۔۔۔ میں اس کے سامنے بیٹھ تو چکا تھا لیکن ابھی تک اسے

میں نے ایک غریب گھرانے میں آنکھ کھولی میں سب سے بڑھی تھی مجھے سے چھوٹا ایک بھائی اور دو بہنیں تھی۔۔

میری ماں میرے چھوٹے بھائی کی پیدائش کے چند ماہ بعد فوت ہو گئی تھیں۔۔ میں اس وقت پندرہ سال کی تھی اور سکول میں تھی۔ میرے ابو نے ہمیں بہت محبت سے پالا تھا اور وہ دن رات کام کرتے تھے ان کی خواہش تھی کہ میں پرہ لکھ کر کوئی بڑی جوہ کروں۔ وہ دن میں ایک فیکٹری میں کام کرتے اور رات کو محلے کے ایک سکول میں چوکیداری کرتے تھے۔۔ میٹرک کا امتحان میں نے امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ میرا اردہ شہر کے ایک بڑے کالج میں داخلہ لینے کا۔ اور میرے نمبر اتنے شاندار تھے کہ مجھے یقین تھا کہ مجھے داخلہ مل جائے گا۔۔ لیکن ہوا اس کے برعکس مجھے داخلہ نہیں ملا جب کہ مجھ سے کم تر اہلیت والی لڑکیاں سلیکٹ کر لی گئیں کیوں کہ ان پاس رشوت اور سفارش و دونوں تھیں۔۔۔ میرے ابو نے کہا کہ میں اپنے فیکٹری کے مالک سے بات کروں گا وہ ضرور کوئی نہ کوئی بل نکال لیں ان کے تعلق بہت سے لوگوں کے ساتھ ہیں۔۔ ابو نے فیکٹری مالک سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ میں بات کروں گا۔۔ چند دن بعد ابو نے کہا ان کے مالک نے بات کر لی ہے میں اب جا کر صرف ان کا نام بولوں۔۔ میں جب دوسری مرتبہ کالج گئی تو کالج والوں کا میرے ساتھ برتاؤ کچھ عجیب سا تھا جسے اس وقت میں سمجھ نہیں پائی۔۔ مجھے داخلہ تو مل گیا لیکن میری ذات پر کچھ اچھا لا جانے۔ اس وقت پہلی مرتبہ مجھے اپنے عورت ہونے کا احساس دلایا گیا۔۔ میں سمجھ گئی کہ جن کی سفارش سے مجھے داخلہ ملا ان کے ساتھ مجھے بلاوجہ منسوب کیا جا رہا ہے۔۔ میرے سب نیچر کا

آپ اخبار کے لئے لکھتے ہیں آپ کا نام احسن ہے اور ماں کام کے سٹوڈنٹ ہیں اور مختلف اخبارات کے لئے لکھتے بھی ہیں۔۔ آپ اپنا سوال کریں میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں۔۔ ایک نظر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھ کر اس نے کہا۔۔ میں حیران رہ گیا تھا۔۔ لیکن وقت حیرت کے اظہار کا نہیں تھا اسی لئے میں نے سوال کرنا ہی مناسب سمجھا

۔۔ آپ کی لہجے میں ایک عجیب قسم کا ٹھہرا ہے میں نے اپنے دوست کو آپ کے سامنے ہار مانتے دیکھا پھر پروفیسر کے دفتر میں پتہ نہیں آپ نے ان کو کیا کہا کہ وہ سخت گھبرائے ہوئی لگ رہے تھے آپ کی ذات میں ایک عجیب قسم کا راز اور بھید چھپا لگتا ہے جس کی وجہ سے میں آپ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔۔۔ جتنے اعزاز کے ساتھ آپ گفتگو کرتی ایسا اعزاز میں نے کسی لڑکی میں نہیں دیکھا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں اور ایک لڑکی ہوتے ہوئے اتنی پراعتماد کیسے ہیں۔۔

میں ایک ہی سانس میں سب کہہ گیا تھا۔۔ اس نے ایک طویل سانس لی ایک مرتبہ پھر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔۔ اور پرسوج نظروں سے میری جانب دیکھنے لگی، میں اندازہ نہیں کر پایا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔۔ بس خاموشی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے میں اس کے جواب کا منتظر تھا۔۔ کافی دیر وہ کچھ سوچتی رہی شاید کسی کشمکش میں تھی لیکن میں نے ایسا سوال تو نہیں کیا تھا کہ وہ اتنا سوچتی۔۔ پھر وہ شاید کسی نتیجے پر پہنچی تھی گویا ہوئی۔۔ میں آپ کو ایک کہانی سناتی ہوں ایک جو ایک غریب لڑکی کی ہے آپ سننا چاہیں گے اس نے سوال کیا اور میرا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔۔ پھر وہ ماضی کی سفر پر چلنے لگی۔۔۔۔۔

ہے۔۔۔ یونیورسٹی میں بھی امیر ماں باپ کی بگڑی ہوئی اولادیں اسے روزانہ عورت ہونے کا احساس دلاتی تھیں ان کے نزدیک مجھے خریدا جاسکتا تھا۔۔۔ کبھی دفعہ باتوں باتوں میں مجھے روپے پیسے کی لالچ دی گئی۔۔۔ ان کے نزدیک ایک غریب لڑکی پیسے کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہے۔۔۔ کیوں کہ پیٹ کی بھوک جسم کی بھوک پر غالب ہے۔۔۔ لیکن میں ڈٹی رہی۔۔۔ وقت گزر گیا اور میرا لاسٹ سمسٹر تھا ایگزیمز دے چکی تھی۔۔۔ اس دوران وقت کے بے رحم ہاتھوں نے میرے والد کو نچوڑ ڈالا تھا وہ دے کے مریض بن چکے تھے چند قدم چل کر بھی ہانپ جاتے۔۔۔ مجھے اپنے مستقبل تابناک لگ رہا تھا۔۔۔ میں لگا تار تمام سمسٹراپ کرنی ہوئی آئی تھی سو اپنی کامیابی پر مجھے یقین تھا۔۔۔ اگر میرا یہ سمسٹر بھی بہترین رہتا تو کوئی بھی کمپنی مجھے ہاتھوں ہاتھ لیتی۔۔۔ لیکن پھر زلزلہ آیا اور میرے سارے خواب چکنا چور ہو چکے۔۔۔ باقی سب مضامین میں تو میں ہمیشہ کے طرح اعلیٰ نمبر لے لیکن انگلش میں فیل تھی میں مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میرے ساتھ یہ کیا ہوا۔۔۔ میرا انگلش کا پرچہ تو سب سے بہترین ہوا تھا پھر یہ سب کیسے۔۔۔ میرا دماغ ماف ہو چکا تھا۔۔۔ کسی نے کہا انگلش کے پروفیسر خالد سے بات کروں دو بارہ پرچہ دیکھ کر پاس کر سکتے ہیں۔۔۔ میں انگلش کے پروفیسر سے ملنے گئی اس وقت وہ لاہریری میں تھے۔۔۔ میں نے اپنے آنے مقصد انہیں بتایا اور کہا کہ وہ دو بارہ میرا پرچہ دیکھ لیں میرا انگلش کا پرچہ بہت اچھا ہوا تھا۔۔۔ اتنا سننا تھا کہ وہ غصے میں آ گئے اور کہنے لگے میرا دماغ خراب نہیں کہ میں اچھے پرچے کو فیل کر دوں جو ہو چکا ہو چکا میں کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔ میری آنکھوں میں آنسو آچکے تھے۔۔۔ میں نے روتے

روید میرے ساتھ تحقیر امیز تھا۔۔۔ کئی دفعہ جب میں نے کلاس میں کوئی سوال کیا تو جواب میں مجھے ذلیل کیا گیا۔۔۔ میں کسی سے کہہ نہیں سکتی نیچر کی دیکھا دیکھی میرے سب کلاس فیلو بھی میری تحقیر کرنے لگے۔۔۔ کئی دفعہ میری موجودگی میں میری ذات کو زیر بحث لایا گیا۔۔۔ میں اپنے آپ میں سٹ کر رہ گئی تھی۔ کئی دن ایسا نہ تھا جس میں مجھے ستایا نہ گیا ہو۔ بس ایک لگن تھی کہ مجھے پڑھنا۔ کالج کے سال گزر گئے۔۔۔ اب یونیورسٹی کا مرحلہ درپیش تھا۔۔۔ مجھے لگا اس بار بھی مجھے کسی کی سفارش پر داخلہ ملے گا۔۔۔ پچھلی سفارش کی بدولت جتنی اذیت مجھے ملی تھی اس کے بعد میں سفارش کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔۔ ابند پر تو کل کمر کے میں نے اپلائی کر دیا اور داخلے کا امتحان بھی پاس کر دیا۔۔۔ میری قسمت اچھی تھی اس وقت یونیورسٹی کی چانسلر پروفیسر خاور تھے جن کے بارے میں مشہور تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے تک کو یہاں داخلہ نہیں دیا کہ وہ میرٹ پر نہیں آتا تھا۔۔۔ ان کی بدولت ایڈمیشن مل گیا مجھے اور ایک نیا دور شروع۔۔۔ اس دوران میں نے ٹیوشن پڑھنا شروع کر دئے اور مختلف گھروں میں بچوں کو پڑھانے جاتی رہی۔۔۔ بعض دفعہ ایسا ہوا کہ جس گھر میں جاتی وہاں بچے کے ساتھ اس کا بڑا بھائی اور اس کے دوست ہوتے۔۔۔ وہ دن میرے لئے بہت مشکل ہوتا کیوں کہ اس دن میرے ساتھ کافی بے ہودہ گفتگو کی جاتی لیکن تین ہزار روپے کے لئے مجھے سب برداشت کرنا پڑھنا تھا۔۔۔ گھر سے یونیورسٹی تک کا سفر میری زندگی کا تلخ سفر ہوتا۔۔۔ سارے راستے مجھے اپنے جسم پر مردوں کی نگاہیں ریٹکتی ہوئی لگتی۔۔۔ ہوس سے پران نگاہوں نے اسے کئی بار ڈھی کیا لیکن ایک دھن تھی کی بس کچھ بھی ہو پڑھنا

صبح میرا جسم بخار میں تپ رہا تھا۔ بابا الگ پریشان تھے۔۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی۔۔ اچانک میرے دل میں پرفیسر شاہر کا خیال آیا۔۔

مجھے لگا میں جی سی گئی۔ بابا سے کہہ کر ان کے گھر گئی اور ساری بات انہیں بتا دی۔ پھر کیا تھا انہوں وہیں سے مجھے اپنی گاڑی میں بٹھایا اور سیدھا پروفیسر خالد کے گھر پہنچے۔ مجھے پروفیسر خاور کے ساتھ دیکھ کر پروفیسر خالد کا رنگ اڑ گیا تھا۔۔

پروفیسر خاور نے انہیں علیحدہ لے جا کر تھوڑی دیر بات کی پھر پروفیسر خاور مجھے وہاں سے گھر چھوڑ گئے اور ساتھ ہی کہہ گئے کل تمہارا پیپر پاس ہوگا۔۔ راستے میں گاڑی روک کر انہوں نے صرف اتنا کہا۔ ہمارے عورت ہو لیکن اس کے یہ مطلب نہیں کہ تمہیں کوئی بھی استعمال کرے تم دنیا کے سامنے تن کر کھڑی ہو جا پھر دیکھو کوئی بھی تمہارے سامنے آنے کی ہمت نہیں کرے۔۔ مجھے گھر چھوڑ کر وہ چلے گئے اگلے دن میرا پیپر پاس ہو چکا تھا۔۔ ایک اچھے ادارے میں مجھے ملازمت بھی مل گئی۔۔ اس کے بعد میں پکا ارادہ کر لیا ہمیشہ سناٹا کر چوں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔۔ یہ ہے میری کہانی نہ اس میں راز سے نہ نیا پن۔۔ وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔۔ اور ہاں وہ جاتے جاتے رکی اور خدا کا شکر ادا کیا کرو کہ اس نے تمہیں عورت نہیں بنایا۔۔ وہ چلی گئی تھی لیکن اس معاشرے کے ایک اور بھیا تک رخ سے پردہ اٹھا گئی تھی۔۔ جب میں وہاں سے پلٹا تو شکر بجایا رہا تھا کہ لہ اللہ نے مجھے عورت پیدا نہیں کیا۔

☆.....☆.....☆.....☆

ہوئے کہا سر میرا مستقبل آپ کے ہاتھ میں ہے۔۔ جو میں نے کہہ دیا سو کہہ دیا آپ جا سکتی ہیں۔۔ پرفیسر صاحب کا لہجہ سر دھتا۔۔ مجھے لگا میرا جسم مفلوج ہو چکا میرے ٹانگیں میرا بوجھ اٹھانے کی سکت کھو چکی ہیں۔۔ شکستہ قدموں کے ساتھ میں واپسی کے لئے پلٹ آئی۔ ابھی چند قدم چلی تھی کے پرفیسر صاحب کی آواز میرے کانوں میں پڑھی۔ ایک حل ہے اگر آپ مان جائیں تو۔ ان لہجہ کچھ عجیب سا تھا۔۔ میرے قدم رک گئے پلٹ کر دیکھا تو وہ میرے طرف ہی دیکھ رہے تھے۔۔ وہ کیا سر میں نے بے قراری سے پوچھا، انہوں ایک پرسوج نظروں سے مجھے دیکھا۔۔ پھر بولے آپ کو پانچ منٹ میرے ساتھ کمرے میں جانا ہوں۔۔ مجھے لگا میرے کانوں میں کسی نے پگا ہوا سیسا ڈال دیا۔۔ پرفیسر کی آنکھوں میں ہوس کی چنگاریاں میں نے دیکھ لیں تھیں۔۔ میرا وجود جیسے سن سا ہو گیا تھا۔۔

ایک مقدس رشتے کے منہ سے ایسے الفاظ اس نے کبھی خواب میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا۔ سوچ لو تمہارے پاس کل تک کا وقت ہے۔ یہ کہہ کر وہ لاہریری سے نکل گئے۔۔ میں گھر کیسے پہنچی مجھے نہیں پتا۔۔ اپنی کم مائیگی کا احساس ایسا تھا کہ سانس لینا بھی دشوار تھا۔۔ ایک طرف میرے باپ اور میری ساری عمر کی محنت تھی تو دوسری طرف میری عزت اور ایک شخص کی ہوس۔۔

وقت نے پھر مجھے ایک ایسے چوراہے پر لاکھڑا کیا تھا کہ میں کسی بھی راستے پر قدم نہیں رکھ سکتی۔۔

میں عورت تھی۔۔ اور یہی میرے سب سے بڑی غلطی تھی اور زمانہ یہ غلطی معاف کرنے پر تیار نہیں تھا۔ وہ رات جس کرب اور عزیت میں گزاری شاید اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا ہے

افسانہ قرض

از قلم..... منارہ نورین

Email: monara_norin@yahoo.com or est@gmail.com | Facebook: [Khushboo Online Digest](https://www.facebook.com/Khushboo-Online-Digest) | WhatsApp: 0300-7198339

ملنے کیلئے روکا جاتا ہے آپ میرے گھر کے دروازے سے لوٹ آتے ہیں تو مجھے مانا یاد آتے ہیں۔ گھنٹوں میرا ہر نکلنے کا انتظار کر آپ جب تھک کر واپس جاتے ہیں تو مجھے یاد آتا ہے میرے مانا اسی طرح چھپ کر آتے تھے اپنی بیٹی کو بھائیوں کے ہاتھوں قتل نہیں کروانا چاہتے تھے چپ کر کے آتے چھپ کر چلے جاتے۔ پھر ایک دن مانا نے مجھ سے پوچھا تمہاری ماں نہیں نظر آتی۔ میں نے انکی موت کا بتایا تو وہ کہتے وہ تو کب کی مر چکی ہے۔ اس وقت انکی آنکھوں میں آنسو بہ رہے تھے اور ہاتھ میں پکڑی پکڑی ان سے پکڑی نہیں جا رہی تھی۔ مجھے پتا ہے کہ آپ کو مانا کے آنے کا علم تھا مگر آپ نے حس بنے رہے ماں پر تو پہرے بٹھا بیٹھے۔ سگڑا آخری بار وہ مجھ سے ملنے کیلئے تڑپتے تھے مگر آپ نے انکار کر دیا یہ کہہ کر آپ اپنی بیٹی کی پرورش نہیں کر سکتے میری کو بھی خراب کر دیں مجھے آپ کا قرض چکانا پڑا میرا شوہر آپ جیسا ہی ہے پر میں ماں جیسی نہیں ہوں۔ نیل جسم پر ماں کی طرح ہیں۔ پر میں چپ نہیں رہتی۔ ماں کی چپ محبت کی ماتھی۔ آج بھی اس نے بہت ملاحظہ بہت دنوں سے لکھ رہی تھی یہ نہیں پتا تھا کہ موت کے دن اسکو مکمل کرونگی۔ میں تڑپ تڑپ کر مر رہی ہوں۔ کوئی بھی نہیں میرے پاس۔ میں اللہ کو یہ خط امانت دے رہی ہوں۔ آپ تک پہنچا دے۔ آپ کی بیٹی

☆.....☆.....☆.....☆

میرے پیارے ابو جان، آپ سوچ رہے ہو گئے آج میں خط کیوں لکھ رہی ہوں۔ اسکا جواب بھی آپ کو مل جائے گا۔ آپ کو یاد ہے میری امی پر گھر کے مردوں پر کنٹرول تھا وہ صبح غلط پر ڈانٹتے تھے۔ اس بات نے انکو بغاوت پر مجبور کر دیا وہ بھول گئی کہ باپ جتنا غصہ کرے کبھی بیٹی کی ضرورت نہ بھی سمجھے تب بھی والدین کا دل نہیں دکھانا چاہیے۔ امی اور آپ ملے محبت ہوئی دو خاندانوں میں بھونچال آیا۔ نہ آپکے گھر والے راضی تھے اور نہ امی کے بھائی بھی نہیں کیونکہ انکی بیویوں کو مفت کی نوکرائی ملی ہوئی تھی۔

امی نیکھر سے بھاگ کر آپ سے شادی تو کر لی مگر ناقابل معافی جرم اپنے کھاتے لکھوا چکی تھی۔ سسرال کے ظلم و ستم کی جدائی شوہر کے ناروا سلوک سے تنگ میری ماں پر موت کو ترس آ گیا۔ ماں پر آپ کو اعتبار نہیں رہا کیونکہ آپ کہتے تھے کہ یہ میری زندگی سب سے بھیا تک غلطی تھی۔ میری امی جس کے ہر سہ پر آئی اس نے بے آبرو کیا۔ بے شک اللہ حساب لینے والا ہے۔ اللہ نے آپ کو صرف ایک بیٹی میری صورت میں عطا کی۔ میں بھی دو بھائیوں کا فخر بنانا چاہتی تھی۔ مگر وہ سوتیلے سوتیلے ہی رہے نہ صرف مجھ سے بلکہ آپ سے بھی۔ میری اور آپکی دو تھی ہو گئی۔ ہم دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کے عادی ہو گئے۔ اس دوران مجھے ایک لڑکے سے پیار ہو گیا۔ اپنی ماں کی محبت کے حالات دیکھ چکی تھی۔ سو آپکی پسند سے شادی کی جب مجھے آپ سے

از قلم سحرش رانی

وطن کی مٹی گواہ رہنا

کی اور اگلے لمحے بھاگنے والا زمین پر ڈھس چکا تھا۔ باقی دونوں پولیس بھی خون میں لتھڑے ہوئے لڑکے کے پاس کھڑے تھے۔ "بتائیں کبخت ہے کون؟ اب اس کی لاش کس کے حوالے کریں۔۔۔" اس نے تنفر سے کہا۔

"اس مالی سے پوچھتے ہیں کیا بتا جانتا ہوا ہے۔۔۔"

دوسرے پولیس اہلکار نے رائے دی۔

"ارے جانتا ہوتا تو ہمیں بتاتا کیوں کہ کہاں چھپا ہے۔۔۔"

بوڑھا مالی کانٹوں سے جن کر سرخ گلابوں سے اپنا دامن بھر چکا

تھا۔ "ابا ابا پولیس میرے پیچھے لگی ہے۔۔۔"

چھبیس سالہ رافع نیا اپنے بوڑھے مالی باپ سے کہا۔

"ابا میں چوری کرتے پکڑا گیا۔۔۔ وہ میں نے ایک چھوٹی بچی کو

مار دیا۔۔۔ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا ابا۔۔۔ وہ شور مچا رہی

تھی تو میں نے مار دیا ہے۔۔۔ اب پولیس میرے پیچھے لگی

ہے۔۔۔ بچا لو مجھے ابا۔۔۔"

اس کا سانس دھونکی کی طرح بج رہا تھا۔ اور وجود پسینے میں شرابور

تھا۔ مالی ہنوز پانی دینے میں مشغول تھا۔

"ابا میں تیری نو بیٹیوں کا اکٹوتا بھائی ہوں، وہ لوگ مجھے مار دیں

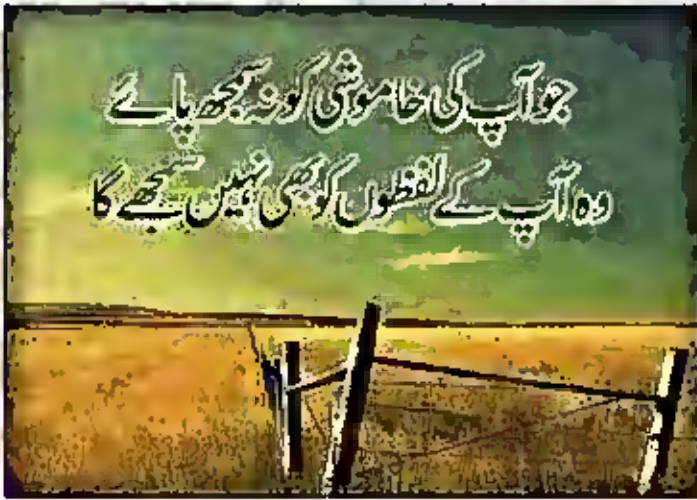
گے۔۔۔"

وہ پودوں کو پانی سے سراب کر رہا تھا جب چھبیس سالہ جوان لڑکا اس کے پاس سے گزرتا ہوا اگلے گنوں کے کھیت میں چھپ گیا۔ وہ بوڑھا مالی اپنے کام میں مگن رہا، اسے مٹی کی ہنڈھی سونڈھی خوشبو اور دھرتی سے اگلنے والے کندن سے عشق تھا۔ اس کی توقع کے مطابق تھوڑی ہی دیر بعد وہاں پولیس کی گاڑی نازل ہوئی۔ پولیس کے تین جوان گاڑی سے نکل کر اس لڑکے کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ ایک جوان نے مالی کے پاس رک کر پوچھا تھا "سنو ابھی کوئی لڑکا گزرا یہاں سے گزرا ہے؟؟؟"

بوڑھے مالی نے بہت غور سے سرخ گلاب کو دیکھا اور اسے توڑ لیا۔ پولیس نے کڑک لہجے میں غصے سے دوبارہ پوچھا تو مالی نے اسے دیکھے بغیر گنے کے کھیت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ گنے کے کھیت میں گھس گئے۔ نو جوان لڑکا پولیس کے ہاتھ لگ کر پھر فرار ہو گیا۔۔۔ وہ آگے آگے بھاگ رہا تھا، پولیس اہلکار نے پستول نکالا، ادھر بوڑھے مالی نے بہت سے پھول توڑ لیے تھے۔۔۔

"میں آخری وارننگ دیتا ہوں، خود کو ہمارے حوالے کر دو۔"

مگر وہ کہاں سننے والا تھا۔ موت سے پہلے موت کو گلے لگانا اس کے لیے اسان نہیں تھا۔ پولیس اہلکار نے پستول پر گرفت مضبوط



دوست ہو یا پرندہ دونوں کو آزاد
چھوڑ دو لوٹ آیا تو تمہارا نہ لوٹ
کے آیا تو تمہارا کبھی تھا ہی نہیں۔

دھنیا ایک فائدہ مند غذا



دھنیا شوگر میں فائدہ مند ہے۔
دھنیا ہیضہ اور نامیاض میں مفید ہے۔
دھنیا جسم میں خون کی کمی کو روکتا ہے۔
خون میں خراب کو لیسٹرول کو کم کرتا ہے۔
خون میں اچھے کو لیسٹرول کو بڑھاتا ہے۔
جوڑوں کا درد اور بے خوابی میں بہتر ہے۔

اس نے ابا کا دل نرم کرنے کے لیے کہا تھا، مگر ابا تو مٹی کھود رہے تھے۔ انھیں نیا پودا لگانے میں زیادہ دلچسپی تھی، نسبتاً اپنے بیٹے کو بچانے میں۔ وہ عاجز آ کر خود ہی گنے کے کھیت میں جا چھپا تھا۔ مگر یہ کیا، باپ نے بیٹے کی مجبوری کر دی۔۔

اس سے قبل کے دو مالی سے کچھ پوچھتے، وہ بہت سے پھول اپنے دامن میں ڈالے خود ہی لاش کے پاس آ چکا تھا۔ اور زمین پر دوڑا نو بیٹھ گیا۔ "میرے بس میں ہو تو میں ایسی نجس لاشوں کو اپنے وطن عزیز کی مٹی میں بھی جگہ نہ دوں۔۔۔ کہیں بھی دفنا دو اسے، کہ اس کے لیے میرے دامن میں کوئی پھول نہیں۔ آج پاک دھرتی سے ایک نجن وجود کا کا تمہ ہوا۔ اس کے درختہ نہیں ملیں گے آپ کو۔۔۔ کیونکہ وہ اپنی تربیت پر شرمندہ ہیں کہ وہ اپنی اولاد کو بری صحبت سے نہ بچا سکے۔ لیکن یہ مٹی۔۔۔ اور یہ پھول گواہ رہیں گے ایک باپ کی قربانی کے۔۔۔ سب اپنا فرض ادا کر رہے ہیں، میں نے کر دیا۔ تم لوگ ب سے اسے دفنا کر اپنا فرض ادا کر لو۔۔۔" بوڑھے مالی کا گلا بھرا ہوا تھا۔ لیکن وہ بہت جدوجہد کر کے اپنے آنسوں پر قابو پا چکا تھا۔ پولیس اہلکار حق دق مالی کو دیکھ رہے تھے۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آخری نظر اپنے خون پر ڈالی جس کا بہت سا خون مٹی میں جذب ہو رہا تھا۔ وہ دامن میں پھول سیٹے آہستہ آہستہ اپنے خون سے لتھڑے بیٹے سے دور ہو رہا تھا۔ آنکھ میں ضبط کے باوجود آنسو آیا تو وہ خود کو ڈپٹ رہا تھا اور جلدی سے آنسو صاف کیے۔ کہ اس کے آنسو اتنے ارزاں نہیں کہ وطن کے حریف کی لاش پر ضائع ہو جائیں۔۔۔ مگر دل کی ٹھیسوں کا مداوا کوئی نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ وہ مٹی کو پانی کے ساتھ خون سے بھی سیراب کر گیا۔۔۔☆.....☆.....☆.....☆.....☆

افسانہ

ہیں نشہ یلب، بااودر

افسانہ نگار... طوبی بجانب

Email: khushboodigest@gmail.com

Khushboo Online Digest 0300-719833



"آپ تو جانتے ہیں مجھے فوج کے نام سے کتنی چیز ہے اور نہ ہی میں اپنے بچے کے مستقبل کو خطرے میں ڈال سکتی ہوں، مجھ میں اتنی ہمت نہیں اور سلام صاحب کہ اپنی آنکھوں سے اپنے بیٹے کو موت کے منہ میں دھکیل دوں " وہ پھر سے گویا ہوئی تھیں۔ ادھر بیٹھو بیگم انھوں نے ساجدہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ دلی کرسی پر بٹھا دیا۔ اور بولے "آپ تو جانتی ہیں ہمارے اسفند کو فوجی بننے کا کس قدر شوق ہے۔ اس کی ننھی آواز جب میرے کانوں میں پڑتی ہے کہ "بابا دیکھنا جب میان کپٹین بن جاں گا تو تم سب کا کتنا نام روشن کروں گا " تو مجھے اس کے ہونے پر فخر محسوس ہونے لگتا ہے۔ میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے یہ سوچ کر ہی۔ "اور بیگم تمہیں بتا ہے اس دن خبریں دیکھنے ہوئے اس نے مجھ سے کیا کہا " وہ کہنے لگا بابا دیکھو ہمارے لوگ مر رہے ہیں، انھیں مارا جا رہا ہے، ان کی زندگیاں برباد ہو رہی ہیں، میں جب کپٹین بن جاں گا تو ان کو ان سب سے آزادوی دلاواں گا، اپنے ملک کا نام بلند کروں گا، ان ظالموں کو مار ڈالوں گا "۔ میں حیران رہ گیا اپنے بچے کی اس گفتگو پر۔ ہے کیا ابھی وہ 15 سال کا کم سن بچہ مگر اس کی سوچ پر۔ میں کیا ہر باپ کا بیٹا ایسا ہوتا تو فخر محسوس کرے وہ... ان کی نگاہوں میں اپنے بیٹے پر فخر کی ایک عجیب سی چمک تھی

ماں.... یہ دیکھو ماں... میں کیسا لگ رہا ہوں؟ ننھا اسفند خاکی فوجی وردی پہنے اس پر ٹوپی ڈالے، ہاتھوں میں ہم رنگ چھتری پکڑے مسز ارسلان کے سامنے کھڑا تھا۔ "یہ... یہ وردی کہاں سے لائی تم نے؟" ساجدہ بیگم کے سبزی کاٹتے ہوئے ہاتھ بیٹے کی آواز پر رک سے گئے تھے انھوں نے تجسسا سے پوچھا۔ بتانا ماں میں کیسا لگ رہا ہوں؟ ننھے اسفند نے پھر ماں سے پوچھا۔ بالکل چاند کا نگرا لگ رہا ہے میرا بچہ انھوں نے اپنی بے چینی کو چھپاتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اس کی بلائیں لی۔ "اسفند... اسفند... یار جلدی کرنا؟ کرکٹ کھیلنے نہیں چلانا کیا؟ باہر سے کسی بچے کی آواز آئی۔ ابھ آیا۔ وہ زور سے بولا تھا "اور وہ دوڑتا ہوا گیٹ سے باہر چلا گیا۔ ارسلان صاحب نیوز چینل پر خبریں دیکھنے میں مصروف تھے کہ مسز ارسلان کی آواز سنائی دی۔ "بات سنیں ارسلان "ہاں بواو "ٹی وی پر نظریں جمائے ہوئے انھوں نے جواب دیا۔ "اسفند کو وردی آپ نے لے کر دی ہے "ہاں میں نے ہی لے کر دی ہے کیوں کیا ہوا؟ اب وہ باقاعدہ ان کی جانب مڑ کر پوچھ رہے تھے "۔ لیکن ضرورت ہی کیا تھی ارسلان صاحب اس کی بے جاباتوں اور فرمائشوں کو طول دینے کی؟ "مسز ارسلان غصے سے گویا ہوئیں۔"

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابراراجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبد اللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مستنصر حسین
رضیہ بٹ	زُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ ہریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے آفاق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ڈر... بیگم کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی النفس الزائق الموت" ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے " لیکن بیگم تم یہ فضول سوچیں ذہن سے نکال دو مجھے یقین ہے ہمارا اسفند اس ملک سے دشمنوں کا خاتمہ کر کے غازی بن کر لوٹے گا "۔ وہ مسکرائے تھے ... ساجدہ بیگم بھی مسکرائیں اور اثبات میں سر ہلادیا "وہ ان کی بات سے قائل ہو چکی تھیں جبھی انھوں کچھ سالوں بعد اسفند کو فوج میں جانے کی اجازت دے دی تھی۔

اوکے کرتی ہوں... موبائل سے کر رہی نا جبھی دیر لگ رہی ہے۔
***** ارے بیگم آج تو کپٹین اسفند تشریف لا رہے ہیں۔ ارسلان صاحب نے جوش و خروش کے ساتھ ساجدہ بیگم کو بتایا جو کچن میں کاموں میں مصروف تھیں۔۔۔
بچ...؟ وہ خوشی سے بولی تھیں۔ میں میں تو آج اس کی پسند کی ہر چیز بناں گی اتنے عرصے بعد آ رہا ہے میرا بچہ۔۔۔ وہ کچن میان چیزوں کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگنے لگیں کہ اچانک ارسلان صاحب پر جا کر نظر لگ گئی جو انھی کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔ آپ ایسے کیوں مسکرا رہے ہیں؟ ہا ہا کچھ نہیں وہ زور سے ہنسنے لگے۔ دیکھ رہا تھا بس کے بیٹے کے آنے کی خوشی میں آپ کے چہرے پر کیسے رونق آ گئی ہے۔ مسز ارسلان مسکراتے لگیں ہاں ہاں رونق کیوں نہ آئے ایک ہی تو بیٹا ہے ہمارا وہ بھی اتنا دردمند۔۔۔ ساجدہ بیگم پھر سے رنجیدہ ہو گئی تھیں۔ ارے ارے اب کیوں منہ لڑکا لیا بیگم اب تو آ رہا ہے نا خوش ہو جائیے انھوں نے مسکراتے ہوئے ایک ہلکی سی چپت ان کے سر پر لگائی۔ ہاں کیوں نہیں وہ زبردستی مسکرائی تھیں۔ ارے آپ ابھی تک کھڑی ہیں کھانا نہیں بنانا آپ نے؟ ارسلان صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا آپ ہی باتوں میان لگا رہے ہیں وہ فوراً

مسز ارسلان دیکھتی رہ گئیں۔ وہ تھوڑا ر کے اور پھر بولے "پھر جب کل ہم بازار کو نکلے تو اس نے دکان پر لگی ہوئی اس وردی کی فرمائش کی تو میں نہ رہ سکا، میری ہمت نہیں ہوئی اس کی اس خواہش کو رد کرنے کی اور میں نے ولادی "۔ لیکن... ارسلان صاحب.. ساجدہ پھر سے بولیں کوئی لیکن نہیں.. آپ صرف اس بات سے خفا ہیں نا کہ کہیں خدا نخواستہ ہمارے اسفند کو کچھ ہو نہ جائے؟ وہ سولہ نظروں سے ان کی جانب دیکھنے لگے۔
"لیکن ساجدہ بیگم یہ بھی تو دیکھیں نا کہ کتنی ماں کے بچے سرحد پر ہماری جانوں کی حفاظت کر رہے ہیں، ہماری خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے میں اور کرتے رہیں گے، تو کیا ان ماں کے سینے میں درد نہیں ہوتا، ان کا کلیجہ نہیں پھٹتا یا ان میں نامتنا بھرا جذبہ ہی نہیں ہوتا؟ انھوں نے نگاہیں ساجدہ پر مرکوز کی تھیں اور پھر گویا ہوئے "نہیں ساجدہ بیگم ان کا بھی دل ہوتا ہے جو اپنے بچے کے لیے دھڑکتا ہے، ان کی نگاہیں بھی اپنے لال کو دیکھنے کے لیے تڑپتی ہیں سکتی ہیں ان کے سینے میں بھی درد ٹھاٹھیں مارتا ہے مگر بیگم ان کو اس سے بڑھ کر انھیں اپنے وطن کی عزت و آبرو اپنی جان اپنے بچے سے بھی عزیز تر ہوتی ہے۔ انھیں یہ گوراء نہیں کہ ان کے اطن کو کوئی میلی آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ اور اس کے لیے وہ اپنے ایک کیا دس بیٹے قربان کر سکتی ہیں۔ مسز ارسلان سانس لینے کو تھوڑا سار کے اور پھر گویا ہوئے "تو کیا ہمارا فرض نہیں بنتا کہ ہم اپنے اس ننھے اسفند کی خواہش کو پروان چڑھائیں؟ اس کی حوصلہ افزائی کریں۔ انھوں نیا پنا سرد ہاتھ ساجدہ کے ہاتھوں پر رکھ کر پوچھا؟ مجھے اڑ لگتا ہے ارسلان صاحب دیکھ رہے ہیں نا آجکل کے حالات ہر دوسرے دن کوئی نا کوئی فوجی جان کی بازی لگا بیٹھتا ہے۔۔۔ موت سے

آنکھوں میں پانیوں کے سیلاب بسائے ہوتے ہیں جب دل چاہا نہ آوے دیکھنا تا بہا ویسے بس - ہا ہا ہا ہا اسفند زور سے ہنسا... ہا مشکل اپنی ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے بولا "ابو جان... میں امی کے بارے میں کچھ نہیں سن سکتا ان کے بارے میں کچھ نہ کہیں۔ اس نے لاڈ سے ماں کے گرد بازو پلٹ کر کہا - ہوں آیا ماں کا لاڈلا - ارسلان صاحب ہنکھار کر بولے - ارے امی یوں ہی کھڑے کھڑے مارنا ہے یا کچھ کھانے کو بھی ملے گا؟ پیٹ میں جو ہے ناچ رہے ہیں بلکہ ڈانس کر رہے ہیں - اس نے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایکٹنگ کی - ہاں... ہاں... ابھی... لگاتی ہوں تم منہ ہاتھ دو کر آ... وہ کچن کی جانب دوڑیں... اور ایک خوشگوار موڈ میں کھانا کھایا گیا..

***** پیپ... پیپ سوبائل فون کی کھنٹی بجی.. اس نے فوراً فون پک کیا "ہاں بولو شیر خان! سر وہ ابھی ابھی آرڈر آیا ہے کہ ہمیں خیبر انجینس کی طرف نکلنا ہوگا - کیوں خیریت شیر خان صاحب وہ وہاں وہشت گرووں کا ٹھکانہ ہے جہاں سے وہ لوگوں کو برغمال بناتے ہیں، انھوں نے اپنے مورچے بنائے ہوئے ان کا بین ہدف شہر کی جانب ہے جسے کارروائی سے روکنا ہوگا ہمیں - اوکے شیر خان تم سب تیاری کرو میں آج شام تک پہنچتا ہوں پھر آگے کا لائحہ عمل طے کریں گے - اوکے سر اللہ حافظ - خدا حافظ*****

.... Eham Eham تو کیا کر رہی ہیں محترمہ؟ وہ کھنکار کر بولا - میرب سے اس کی منگنی بچپن میں ہی طے ہو چکی تھی اور تب سے ہی وہ اسے بہت عزیز تھی - وہ باغوں میں پودوں کو پانی دے رہی تھی جب اس کی خوشگوار آواز سنائی دی - آ.. آپ کب آئے؟ وہ یکدم پیچھے مڑی اور حیرت سے ہو چھا - ابھی بس جب

ہانڈی کی جانب پلٹی تھیں اور خفگی سے گویا ہوئیں.. ہا ہا ہا ایک زوردار قبضہ مسٹر ارسلان کی جانب سے لگا اور وہ ہنستے ہوئے کچن سے باہر چلے گئے ***** .. ارسلان صاحب اسفند ابھی تک نہیں آیا؟ وہ کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے کہ مسٹر ارسلان کی آواز پر اخبار نیچی کر کے ان کی جانب دیکھا - آ رہا ہوگا آپ کو تو پتا ہی ہے کہ جب تک وہ سارے محلے سے مل کر نہ آجائے گھر میں قدم نہیں رکھتا... وہ ہلکے سے مسکرائے۔ ہاں... یہ تو ہے وہ بھی اب ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی تھیں - ویسے ارسلان صاحب میرا دل چاہتا ہے کہ اسفند کے سر پر سحر سجا ہی لوں - ویسے بھی کب تک وہ بچی اسفند کے نام پر بیٹھی رہے گی - وہ خوابوں کی وادیوں میں کھوئی ہوئی بولیں - کہہ تو ٹھیک رہی ہیں آپ مگر گھر تو آنے میں پہلے آپ اسے - اسلام علیکم خواتین و حضرات اچانک اسفند کی خوش کن آواز گونجی - دونوں نے گیٹ کی طرف دیکھا اور اسفند کی جانب لپکے - کیسے ہو بر خوردار؟ ارسلان صاحب نے بے تابی سے اسے گلے لگاتے ہوئے پوچھا "۔ میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟ دیکھو اور بھی جوان ہو گیا ہوں.. ہا ہا ہا دونوں کا ایک زوردار قبضہ گونجا - اگر باپ بیٹے کی خوش گیمیاں ختم ہو گئی ہوں تو اس معصوم ماں کو بھی اپنے بیٹے سے ملنے کا موقع ملے - ساجدہ بیگم مصنوعی خفگی سے بولیں "امی جان... اب وہ ماں کی طرف بڑھا - کیسی ہیں آپ؟ میں بالکل ٹھیک تم کیسے ہو اسفند؟ میں بھی اچھا ہوں مگر امی یہ آنسو اس نے بے چینی سے پوچھا " کچھ نہیں بیٹا... وہ بس یونہی... مسٹر ارسلان نے فوراً انگلیوں کی پوروں سے آنسو پونچھے کیا امی میرے آنے پر بھی آنسو اور میرے جانے پر بھی "وہ ناراضگی سے بولا - ارے بر خوردار تم بھی کیا جانوان عورتوں کو اپنی

کے نام کو بھی خاک میں ملا دوں۔ دعا کرنا میرب پتا نہیں اب کی بار میں لوٹ سکوں گا یا... میرب نے فوراً اس لے لبوں پر اپنی نرم و نازک انگلیاں رکھ دیں۔ ایسے ایسے لفاظ... ایسا سوچا بھی کیسے آپ نے؟ آپ آپ... جانتے ہیں ہم، ہم کیسے اپنے شب و روز آپ کے بغیر کاٹتے ہیں، خالد خالوجان کیسے رہتے ہیں آپ کے بغیر... آپ ہی کی یاد سے تو ہمارے ہم سب کے دل کی دھڑکن رواں ہے ہماری زندگی رنگین ہے اور آپ... آنسو اس کے رخساروں سے بہ رہے تھے۔ ارے لگی روتے نہیں اس نے ہلکی سی چٹکی اس کی چھوٹی سی ناک پر کاٹی۔ تم جانتی ہو جب تم روتی ہو یہ ناک اور بھی سرخ ہو جاتی ہے اور رو کیور ہی ہو جلد ہی تمہیں اپنی دلہن بنا کر لے جاں گا۔ اب اتنی ہی جدائی بھی نہیں برداشت کر سکتی؟ اس نے مسکراتے ہوئے بات کو مزاح کا پہلو دینا چاہا۔ اور مارے شرم کے اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں... یہ بڑے محو کن انداز میں اس کی یہ حرکتیں دیکھ رہا ہے جیسے آخری بار اس چہرے کو دیکھ رہا ہو ایسے کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟ اس نے ہو چھا "دیکھ رہا ہوں کتنی خوبصورت ہو تم، اس حسین سراپے کو اپنی آنکھوں میں بسا رہا ہوں کیا پتا بالادہ دیکھنے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ آپ... اس نے کچھ کہنے کے لیے لب داہی کیسے تھے کہ وہ بولا او کے چلتا ہوں خیال رکھنا اپنا۔ وہ مسکراتا ہو گیٹ سے باہر نکل گیا۔ اور ہو کھڑی اس کی چوڑی پشت کو دیکھتی رہی، دل نے چاہا کہ اسے روک لے، آج اسے جانے دے مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ بس اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی آلسوا ایک بار اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

***** وہ سوٹ کیس میں کپڑے ڈال رہا تھا جب ساجدہ بیگم اور ارسلان صاحب دونوں اس کے کمرے میں داخل

آپ ہماری یادوں میں گم تھیں۔ تب ہی ہماری تشریف آوری ہوئی۔ اسفند نے شرارت بھری مسکراہٹ لینے ہوئے کہا۔ ہونہہ... تو آگئی ہماری یاد... دو دن ہو گئے آپ کو آئے ہوئے مگر آج منہ دکھا رہے ہیں جناب۔ میرب نے خفگی سے منہ پھیرا ارے ارے یہ ناراضگی؟ اس نے دائیں ہاتھوں سے اس کا چہرہ اپنی جانب کیا۔ یوں نہ منہ پھیرا کروں میرب، مجھ سے یوں ناراض ہوا کرو اگر کبھی میں منہ پھیر لیا تو ساری زندگی ترستی رہ جاگی۔ وہ اسے زچ کرنے کے موڈ میں تھا۔ آ آپ... ہو گئی ایموشنل بلیک میلنگ شروع آپ کی۔ وہ غصے سے بولی بابا بابا اب تو اچھا خاصہ پچاننے لگی ہے آپ ہمیں اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہونہہ۔۔۔ واپس آج میں واپس جا رہا ہوں؟ ای نانا کو بھی نہیں بتایا ابھی سوچا پہلے تم سے مل لوں۔ تم تو جانتی ہو امی کے مزاج فوراً پریشان ہو جاتی ہیں۔ سنجیدگی سے کہ رہا تھا میرب نے اس کی طرف دیکھا وہ خود بھی خاصہ پریشان لگ رہا تھا۔ مگر دو دن پہلے ہی تو آئے ہیں آپ اتنی جلدی؟ وہ تجسس سے گویا ہوئی۔ ہاں مگر آج ہی شیرخان کا فون آیا تھا فوراً بلایا ہے۔ اک ضروری مشن پر جانا ہے۔ منع کر دیں آپ؟ اس نے فوراً کہا۔ نہیں کر سکتا۔ میں خود بھی نہیں جانا چاہتا ابھی تو ماں کی گود میں جی بھر کر پیار سے لینا بھی نہیں، بابا ک ساٹے کو ان کے پیار ابھی تک تو حاصل ہی نہ کر پایا تمہاری صورت کو جی بھر کر دیکھا ہی تو نہیں ہے ابھی نہیں جانا چاہتا مگر میرب جب سوچتا اس کوں وہ ہمارے گھروں ہماری بچوں، ہمارے بیٹوں کو مار رہے ہیں، ان کی زندگی تباہ کر رہے ماں کی گود میں اجاڑ رہے ہیں، ہماری بہنوں کے سر سے باپ کا شنیق سایہ چھین رہے ہیں، ہماری پھول سی کلیوں کو مسل رہے ہیں تو دل کرتا ہے بھاگ کر جاں اور ان

مسز ارسلان نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ میں جلد واپس آں گا امی، آپ کا خواب پورا کرنے آپ کی بہو کو لانے ہوں.. اسفند نے اپنی آنکھوں میں آئی ہوئی نمی کو چھپایا اور ماں کے آنسو پونچھے۔ "ہاں اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے... وہ رندھی آواز میں بولیں.. اوکے پھر چلوں میں.. مت جا... وہ پھر سے رونے کے قریب تھیں ".... امی اگر آپ ایسے ہی کریں گی تو میں سچ میں یہیں بیٹھ جاں گا اور آپ چاہتی ہیں کہ لوگ آپ کے بیٹے کو ڈرپوک اور بزدل کہہ کر پکارتیں؟ نرم لہجے میں انھوں نے نفی میں سر ہلایا... ویسے بھی وہ جانتی تھیں کہ اب وہ وہ نہیں رکے گا... اس لیے اسے جانے دیا۔ ساجدہ نے یکدم اس کے ماتھے کو چوما اور اسے الوداع کہا.. اب وہ ارسلان صاحب کے گلے لگا.. اوکے ابو اپنا بے حد خیال رکھیے گا اور امی کا بھی۔ ارسلان صاحب کی کوشش کے باوجود آنسو کے قطرے اس کی پشت پر گرنے لگے تھے آخر تھے تو وہ ایک باپ ہی نا.. ابو... آپ بھی... میں جلد آ جاں گا ابو ایسے تو نہ کریں.. رورور دادوہ تو آنکھوں میں گرد چلی گئی تھی جبھی آنسو آگئے انھوں نے ہلکا سا مسکراتے کی کوشش کی مگر آنسو بہتے ہی چلے گئے... اور پھر وعدے، امیدیں دلا سے، تسلیاں دلائے وہ چلا گیا...

***** وہ صبح تک پشاور کیپ پہنچ چکا تھا۔ آج اسے خیبر ایجنسی لے لینے روانہ ہونا تھا۔ السلام علیکم سر۔ وہ جونہی اندر داخل ہوا ایک فوجی اہلکار نے اسے سیلوٹ کیا۔ وعلیک السلام وہ سلام کا جواب دے کر آگے بڑھا۔ ہاں شیرخان تیاری ہوگئی؟ اس نے اپنے ساتھ چلتے ہوئے شیرخان سے پوچھا۔ جی صاحب تیاری مکمل ہے بس آپ کا انتظار ہو رہا تھا "۔ اس نے

ہوئے۔ یہ... یہ اسفند کپڑے؟ ساجدہ بیگم پریشانی سے اس کے ہاتھ میں پکڑے پکڑوں کو دیکھ رہی تھیں "۔ مجھے جانا ہوگا امی... اس نے نگاہیں جھکائے جواب دیا "مگر... تم تو ماہ لے لینے آئے تھے اب تو دو ہی دن ہوئے ہیں اتنی جلدی؟" اب کی بار ارسلان صاحب گویا ہوئے۔ ہاں... مگر بابا خیبر ایجنسی میان کاروائی کے لیے جانا ہوگا۔ کک... کیا؟ ساجدہ بیگم کے ہاتھوں سے دودھ کا گلاس چھوٹا اور کچرے کچرے ہو گیا۔ نن... نہیں تم وہاں نہیں جاگے میان تمہیں وہاں نہیں جانے دوں گی... وہ روتے ہوئے وہیں صوفے پر ڈھے سی گئیں ".... امی.. امی... وہ لپکا میرا دل بہت گھبرار رہا ہے بیٹا نہ نہیں جانے دوں گی تمہیں وہاں۔ انھوں نے دیونچ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ ارسلان صاحب سمجھائیں نہ اسے زور کیس بنا اسے آپ تو جانتے ہیں وہاں کے حالات.. اب وہ روتے ہوئے ارسلان صاحب سے مخاطب تھیں "امی سنبھالیں خود کو۔ اسفند نے ہلکتی نگاہوں سے باپ کی طرف دیکھا.. ساجدہ یہ یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ سنبھالیں خود کو انھوں نے ساجدہ بیگم کے سر پر ہاتھ رکھا۔ لیکن ارسلان صاحب اسے کیسے نامت جائے... وہ.. وہ اچھ جگہ نہیں ہے وہ سسک رہی تھی۔ وہاں ہر روز کوئی نہ کوئی.... کچھ نہیں ہوگا امی ادھر دیکھیں؟ اس نے ماں کے چہرے کو اپنی جانب میڑا کتنے ہی لوگ ہیں امی کتنے ہی نوجوان جو وہاں ہماری اور آپ کی خاطر لڑ رہے ہیں، ہماری خاطر اپنی زندگی کی آخری شام بھی اس ویران و اجنبی سرزمین میں گزار دیتے ہیں، سال گزار جاتے ہیں مگر اپنے گھر والوں کے لیے تڑپتے رہتے ہیں... اور امی میرے ساتھ تو آپ کی دعائیں ہیں نا؟ آپ کی دعا ہو تو مجھے یہ آندھی بھی نہیں چھو سکتی۔ یقین ہے نا آپ کو اپنی مامتا پر؟ اپنی دعاں پر؟

امی ابو بے انتہا یاد آ رہے تھے۔ اس کا دل چاہا کہ سب کچھ چھوڑ کر واپس ان کی محبتوں کی چھایاں میں چلا جائے۔ اسفند نے پینٹ کی جیب سے موبائل فون نکالا اور گھر کال ملائی؟ ہیلو.. اماں ساجدہ بیگم کی آواز اس کی سماعتوں سے نکل آئی۔ اسفند.. اسفند.. کیسا اچھا تو؟ وہ بے چینی سے بولیں.. میں ٹھیک ہوں اماں... آپ کیسی ہیں؟ اور بابا کہاں ہیں کیسے ہیں؟ میں ٹھیک.. اور وہ نماز پڑھنے مسجد گئے ہیں... اماں... وہ پھر بولا بے چینی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔ اماں آج دل بہت گھبرا رہا ہے، آپ کی گود میں سر رکھنے کو دل چاہ رہا ہے، بابا سے اپنے ناز اٹھوانے کو دل کر رہا ہے۔۔۔ بہت یاد آ رہے ہو آپ سب اماں.. آنسو اس کی آنکھوں میں تیرنے لگے نہ جانے کیوں اماں منزل قریب ہے مگر دل چاہتا ہے سب کچھ چھوڑ کر تمہارے قدموں سے لپٹ جاں، تمہیں کہیں جانے نہ دوں پتا ہے اماں ایسا لگ رہا ہے تم سب مجھ سے بہت دور ہو رہے ہو، تمہارے ماتا بھرے جزیوں میں کھو جاں... جو جوں قدم آگے بڑھ رہا ہے گھٹن مزید بڑھتی جا رہی ہے۔۔۔ ایسا لگ رہا تم سب کو چھوڑ رہا ہوں دور ہوتا جا رہا ہوں تمہاری آغوش بابا کی محبت سے محروم ہوتا جا رہا ہوں... دل چاہتا ہے اماں واپس آ جاں مگر اماں میں بزدل نہیں کہلانا چاہتا... آنسو اس کے رخساروں سے بہ رہے تھے" ... کیا کیا ہو گیا ہے میرے بچے تم تو اتنے کمزور نہ تھے، تمہیں تو لڑنا ہے اپنی ماں کے لیے، بہنوں کے سر پر سائے کے لیے، ماں کی اچھڑتی گود کے لیے تم... تم کیسے کمزور پڑ سکتے ہو "۔۔۔ نا جانے ساجدہ بیگم کے اندر اتنا حوصلہ کہاں سے آیا تھا کہ وہ اسے حوصلہ دے رہی تھیں... بے چینی ان کی رگ رگ سے عیاں تھی دل تو چاہتا تھا کہ اسے واپس

تفصیل سے بتایا۔ اد کے پھر سب نوجوانوں کو میٹنگ کے لیے میرے کیمپن میں بلا اور خود دوائے کیمپن کی طرف بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد ہی تمام اہلکار کمرے میں موجود تھے... کپٹین اسفند نے نقشے کے ذریعے تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اس نے نقشے پر نشان لگاتے پوئے بتایا کہ یہ خیبر ایجنسی ہے اور اس کے ساتھ یہ دائرہ تیرہ۔۔۔ اور ہمیں آج ہی نکلنا ہوگا اور اندھیرے میں دادت تیرہ کی اس چوٹی پر پہنچنا ہوگا۔ اس نے نشان لگاتے ہوئے انہیں آگاہ کیا۔ مگر خیال رہے دائرہ تیرہ پر پہنچنا آسان نہیں ہے۔ یہاں معلومات کے مطابق ہر پندرہ منٹ کے فاصلے پر اک بارودی سرنگ کی آہنی ہے، اور آپ سب کو اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کو غیر فعال بنانا ہے۔ دہشت گرد زیادہ تر رجنال کے علاقے میں موجود ہیں اور اب دن بدن شہر کی جانب بڑھ رہے ہیں... وہ سانس لینے کو رکھا اور پھر بولا "پہاڑی پر دہشت گردوں کے اس مورچے تک ہم نے آج رات ہم نے سفر کرنا ہے اور سگ صفحہ ہستی سہ مٹانا ہے۔ رجنال کے علاقے میں فضائی حملوں سے انہیں نشانہ بنایا جا رہا ہے پاک افغان سرحد کے قریب واقع ہے... مگر اس بار ہمارا نشانہ رجنال نہیں بلکہ دائرہ تیرہ ہے۔ Any Question? is it Clear Guys? اس نے نقشہ نبیل پر رکھتے ہوئے کہا۔ Yes Sir سب ایک آواز میں بولے Okay you may go now... اس نے مسکرا کر کہا۔

***** شام چھ بجے وہ سب خیبر ایجنسی پہنچ چکے تھے 7 بجے اندھیرا ہونا تھا اور اسی دوران ان سب نے اپنی کارروائی مکمل کرنی تھی۔ تھوڑی دیر آرام کے لیے وہ سب لیٹ چکے تھے"۔۔۔ مگر آج صبح سے ہی اس کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔

ہے، مگر تم نہیں ہو میری ماں بابا دہاں نہیں ہیں، میان چلا چلا کر تم سب کو پکارتا ہوں، تم سب کو آوازیں دے رہا ہوں مگر کوئی نظر نہیں آتا تم سب ایسا لگتا ہے بہت دور جا چکے ہو۔ میں... میں دعا کرتا ہو روتا ہوں مگر تم لوگ نہیں ملتے... میں اس حسین دنیا سے واپس اپنی دنیا میں آنا چاہتا ہوں مگر آ نہیں سکتا۔ تم لوگوں سے بہت دور بہت دور ہو جاتا ہوں میں۔۔۔ جان اسفند! میں نہیں جانتا میں واپس لوٹ سکوں گا یا نہیں مگر پیاری میری ماں بہت خیال رکھنا، میری موت پر ہرگز نہ رو نہ نا زندہ رہا تو بہت جلد دلہن کے ردپ میں تم سے ملاقات کروں گا اگر مر گیا تو میرے ماں باپ کو حوصلہ دینا، وہ ٹوٹ جائیں گے بکھر جائیں گے انھیں سنبھال لینا انھیں بکھرنے نہ دینا، اور ہاں میرے پیچھے اپنی زندگی برباد نہ کرنا... اپنی نئی زندگی کی شروعات کر لینا.. اس نے قلم رکھ کر آ نصوصاف کیسے اور پھر لکھنے کا مگر میری دل کے ایک کونے میں ہمیشہ میری یاد بسائے رکھنا، مجھے مت بھولنا یہ سوچ کر ہی دم کھٹنے لگتا ہے کہ تم بھلا دو گی مجھے..... خواہش تھی تمہیں دلہن بنا ہوا دیکھوں، چاندنی راتوں میان تمہاری زلف کے سائے میں زندگی کی شام گزار دوں گی، آکر لوٹ آیا تو حلقہ ہی تمہیں اپنا بنا لوں گا اگر زندگی نے وفا نہ کی تو فی امان اللہ... اپنا بہت سا خیال رکھنا اپنے لیے نہیں تو میرے لیے بہت چاہتا ہوں تمہیں... اب چلتا ہوں ہمیں داد، تیرہ کی طرف نکلنا ہے اللہ نگہبان... مجھے تمہارے مہندی والے ہاتھ بہت پسند ہیں واپس آیا تو اپنے ہاتھوں سے تمہیں اپنے نام کی مہندی لگاؤں گا۔ ہا ہا اللہ نگہبان ****... اس نے خط فولڈ کیا اور اسے خیمے کے باہر کھڑے ولید کو دے دیا اس ہدایت کے ساتھ کہ اگر واپس نہ آیا تو گھر پہنچا دے...

بلا لیں... مگر وہ جانتی تھیں کہ آج اگر وہ بزدلی دکھا گیا تو ساری زندگی سراٹھا کر نہ جی سکے گا اور وہ اسے بزدل نہیں بننے دینا چاہ رہی تھیں۔ "میرے بچے یہ ہونٹ یہ بام و درقشہ ہیں تمہارے لیے تمہیں آنچل میان بھرنے کے لیے، تم بس جلدی سے غازی بن کر لوٹ آ میری آغوش سونی بے تم بن۔ تیری ماں کی گود تیرا باپ تیرے لیے تڑپتا ہے میرے بچے۔ مگر بزدلوں کی طرح نہیں تمہیں بہادروں کی طرح لوٹنا ہے۔" آ نسو آنکھوں سے ٹپ ٹپ کر رہے تھے مگر وہ اسے کمزور نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ اچھا اماں رکھتا ہوں دعاں میں یاد رکھیے گا۔۔۔ ابا کو ڈھیر سارا پیار اور سلام کیسے گا۔ اور فون رکھتے ہی مسز ارسلان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں...

***** فون رکھتے ہی اس نے ٹائم دیکھا 6:30 بج رہے تھے اس نے کاپی پنسل نکالی اور میری کے نام انگ خط لکھا۔ پیاری میری! مجھے پتا ہے میرے خیبر اچھنیسی جانے کا سنتے ہی تم بہت اداس ہو گئی ہو گی... مگر یوں اداس نہ ہوا کر د جان اسفند تم اداس ہوتی ہو زندگی دیران لگنے لگتی ہے۔ میری دل مر جھسا جاتا ہے... تم خوش ہوتی ہو تو میری زندگی میں خوشیوں کی بہار آ جاتی ہے... اماں اب تم کسی کو بھی اداس نہیں دیکھ سکتا میری زندگی کا اثاثہ ہی تم لوگ ہو... اس لیے ہمیشہ خوش رہنا پیاری تمہیں پتا ہے آج میری زندگی کا اک بہت بڑا امتحان ہے مگر دل ہے کہ بہت ڈوبا جا رہا ہمت کھوٹا جا رہا ہے نہ جانے کیوں قدم ڈنگار ہے ہیں۔ آج.. آج رات میں نے خواب دیکھا کہ اک حسین وادی جہاں ہر طرف رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے ہیں، دودھ کی نہریں بہ رہی ہیں، ایک کانچ سا خوبصورت گھر جس کا کبھی میں نے خواب دیکھا تھا۔ ایسی دنیا جہاں ہر چیز موجود

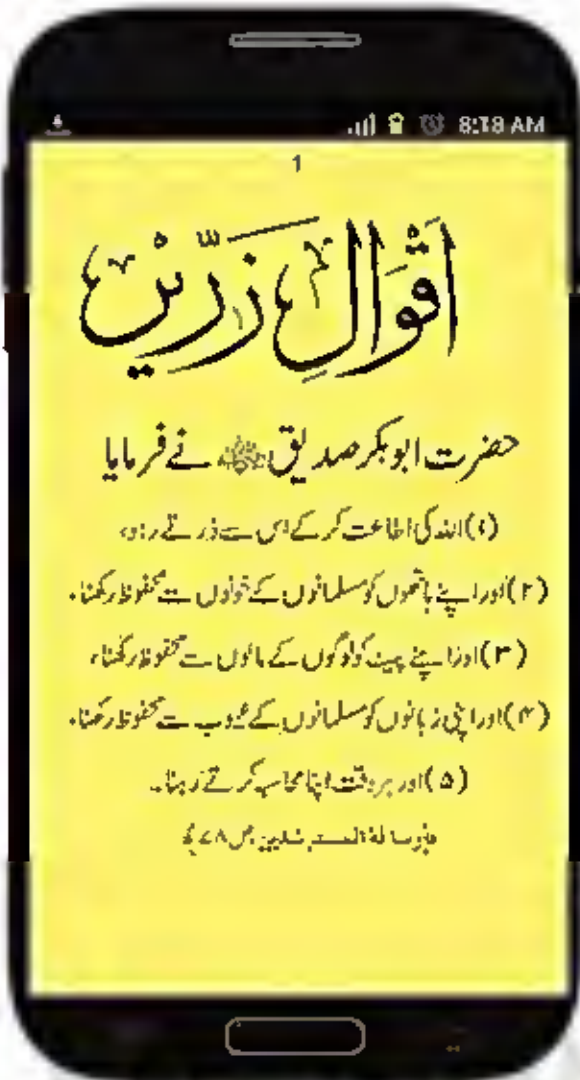
لگی ہے آپ زخمی ہیں .. کچھ نہیں ہوا شیر خان میں ٹھیک ہوں... اس نے کراہتے ہوئے شیر خان کو بولا .. میں آگے جاتا ہوں شیر خان یوں چھج کر پیچھے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں - وہ زمین سے کراہتا ہوا اٹھا اور دوڑتا ہوا آگے بڑھا سامنے بنے مورچوں پر بارود اور گولیوں سے دھاوا بول دیا - باقی اہلکاروں نے بھی اس کا ساتھ دیا دشمن کو ان کے یوں آگے آنے کی بالکل امید نہ تھی وہ بوکھلا گئے ان کے حملے کا سامنا نہ کر سکے - وہ دشمن کو زیر کر ہی رہا تھا کہ اچانک گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی اور گولیاں اس کے سینے کو چھلنی کر گئیں ... سر... شیر خان کی کی زوردار آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی - سینے سے خون کا فوادہ پھوٹا اور وہ دھڑام سے لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گر گیا - سر... سر... شیر خان چلا یا مگر تب وہ تنید کی وادیوں میں سوتا جا رہا تھا - مت جا بیٹے مجھے ڈر لگتا ہے، اسے ماں کا روتا ہوا چہرہ یاد آیا یا سلیم صاحب کی آنکھوں کے آنسو اسے یاد آنے لگا اور آخر میں میرب کارویا ہوا حسین سراپہ... آنسو اس کی پلکوں سے لڑھکے اور اس نے ہمیشہ کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں... سر کپٹین اسفند از نو مورسی کی آواز گونجی... اور ہم نے واڈن تیرہ پر پاکستانی جھنڈا لہرا دیا ہے... شیر خان پھوٹ پھوٹ کر رو دیا... میرے وطن میرے بس میں ہو تو تیری حفاظت کروں میں ایسے خزاں سے تجھ کو بچا کر رکھوں بہار تجھ پہ نثار کر دوں ***** کک کیا؟ ارسلان صاحب کی ورد سے بھری آواز ابھری فون ان کے ہاتھوں سے چھوٹا اور نیچے جا گرا - مگر وہ ساکت و جاہد وہیں کے وہیں کھڑے رہ گئے - کیا ہوا ارسلان صاحب؟ کس کا فون تھا؟ مسز ارسلان بے چینی سے گویا ہوئیں وہ... وہ... اسفند کیا ہوا اسفند کو؟ بولتے کیوں نہیں؟ وہ جنہیں میرا دل بیٹھا جا رہا ہے وہ

*Are You Ready Guyss? کپٹین اسفند نے بلند آواز میں سب کو پکارا Yes Sir... سب با آواز پکارے... اور سب نے چاند کی روشنی میں اپنے مشن کا آغاز کیا - وہ دیکھ رہے ہو صبح ہوتے ہی ہم کو اس پہاڑی تک پہنچنا ہے - کپٹین اسفند کی آواز گونجی اور سب نے ان کی راہنمائی میں اپنے مشن کا آغاز کیا - نعرہ تکبیر سب بلند آواز میں پکارے اور قدم آگے کو بڑھادے... دھیان سے سرنگوں سے بچ کر کسی نے آواز لگائی - انتہائی احتیاط سے وہ رائیفل، بیگ اور دیگر سامان کے ہمراہ پہاڑی کے وسط تک پہنچے - تقریباً 3 بجے وہ سانس لینے کو رکے - تھک گئے ہو؟ کپٹین اسفند نے پوچھا جی سر راستہ بہت کٹھن اور جھاڑی دار ہے اوپر سے چڑھائی - بلال احمد نے پھولے ہوئے سانس سے کہا - سر پیاس لگ رہی ہے؟ اب کے شیر خان بولا - میرے بیگ سے پانی کی بوتل نکال کر پی لو اور جلدی سے آگے بڑھو.. سب نے بیگ کندھے پر لگایا اور سب پھر پہاڑی کی جانب رواں دواں تھے - سر روشنی پھیل رہی ہے ہاں بس فاصلہ بھی کم ہی رہ گیا ہے تم سب اپنی پوزیشن سنبھالو - کپٹین اسفند نے سب کو ہدایت کی اور آگے بڑھے - ابھی وہ پہاڑی سے تین منٹ کی دوری پر تھے کہ ایک بارودی گولہ ان کے قریب آ کر پھٹا - سب زمیں پر لیٹ گئے اور جوابی کارروائی کرنے لگے - کپٹین اسفند نے آگے بڑھ مورچے میں کھڑے شخص کو مارنا چاہا کہ ایل تیز رفتار گولی آئی اور ان کے بازو کو چھلنی کرتے ہوئے گزر گئی - آہ... وہ زور سے کراہا اور بازو پر ہاتھ رکھ لیا سر آپ ٹھیک تو ہیں؟ شیر خان اپنی پوزیشن سے ہٹ کر رہ گیا ہوا اس کے قریب آیا - ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں شیر خان تم اپنی پوزیشن سنبھالو - نہیں سر آپ کو گولی

گئے وہ سسک سسک کر رہ رہی تھی۔ مجھے کبھی بھولنا مت " بھلا اپنی دھڑکن کو بھی کوہ بھولتا ہے۔ میں... میں... کیسے بھولوں گی پھر... وہ خط پڑھ کر چلا رہی تھی مگر کوئی اس کو تسل دینے والا نہیں تھا سب اپنا اپنا سوگ منا رہے تھے... لوٹ آؤ پلینز لوٹ آؤ یہ درو دیوار یہ دل یہ آنکھیں ترس گئی ہیں تمہیں دیکھنے کو... لوٹ آؤ بس اک بار آنسو اس کی گردن کو بھگور رہے تھے... مگر کوئی ان کو پونچھنے والا نہ تھا تیزی اک جھلک کے واسطے ہیں تشنہ یہ لب، بام و

ور

رو نے لگیں بولتے کیوں نہیں... ہمارا اسفند اب نہیں رہا... نہیں رہا ہمارا اسفند مر گیا ہے وہ... وہ... وہ... چہیے تھے ساجدہ بیگم سنتے ہی اپنے ہوش کھو بیٹھیں... جھوٹ بولتے ہیں آپ؟ کیسے کچھ نہیں ہوا ہمارے اسفند کو؟ بولیں؟ وہ مسٹر ارسلان کا گریبان پکڑے چیخ رہی تھیں... آنکھوں سے سیلاب کا ریلہا رہا تھا۔ چھین لیا آپ نے میرا بیٹا مار دیا آپ نے اسے کہا تھا مت جانے دیں اسے مگر آپ... آپ... نے اسے چھین لیا مجھ سے میرا لخت جگر چھین لیا... میری دنیا ویران کر دی " وہ ارسلان صاحب کا گلا پکڑے چیخے جا رہی تھی مگر ارسلان صاحب بے سود کھڑے تھے، اپنی جان کو کھنچنے لگے تھے... آپ... آپ... کو کیوں کہہ رہی ہوں میں نے مارا تو میں نے بے موت کے منہ میں نے بھیجا ہے اسے... کال کی تھی اس نے کہہ رہا تھا ناں دل کر رہا ہے واپس آ جاں مگر نہیں میں نے کہا بہادر ہوں کی طرح آنا میں نے مار دیا اسے وہ فریاد کر رہی تھیں آ رہا ہے بہادر بن کر کفن میں لپٹ کر وہ اب دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں... سن... نہیں یہ نہیں ہو سکتا دروازے پر کھڑی میرب یہ سب سن رہی تھی... آنسو آنکھوں سے رواں دے... سن نہیاں ہو سکتا... ایک زوردار چیخ بلند ہوئی اور وہ زمین پر ڈھے گئی... سارے گھر میں عالم سکوت کی فضا چھائی ہوئی تھی... ان کی زندگی کی پونجی لٹ چکی تھی وہ برباد ہو چکے تھے***** مہندی میں تم بہت خوبصورت لگتی ہو " اس کی آواز گونجی تمہیں خود اپنے نام کی مہندی لگاں گا۔ " آسفند دیکھو یہ یہ میں نے مہندی لگائی ہوئی ہے آنا آتے کیوں نہیں آنا دیکھو میرے ہاتھ مہندی میان کیسے لگ رہے ہیں؟ آتا مجھے وہ اس کا خط پڑھ کر چیخ رہی تھی - چلا رہی تھی تم میری زندگی ہو بہت پیار کرتا ہوں تم سے " اپنی زندگی کو ہی ویران کر کے چلے



حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا

- (۱) اللہ کی اطاعت کر کے اس سے ذرتے رہو۔
- (۲) اور اپنے ہاتھوں کو مسلمانوں کے خواہوں سے محفوظ رکھنا۔
- (۳) اور اپنے سینے کو لوگوں کے مالوں سے محفوظ رکھنا۔
- (۴) اور اپنی زبانوں کو مسلمانوں کے عیب سے محفوظ رکھنا۔
- (۵) اور ہر وقت اپنا محاسبہ کرتے رہنا۔

ماہنامہ سنی سیر، ستمبر 2016ء



برتن، بستر، صفائی ستھرائی سب صفری سنبھال لیتی، سیرت کے ساتھ ساتھ صورت سے بھی خوب نوازا تھا اسے رب نے۔ خاندان میں اس کی مثال دی جاتی تھی۔

لیکن نسرین نے آج اسے کسی کام کو ہاتھ لگانے نہیں دیا۔ سارا کام خود کرتی رہی۔ صبح سے رات ہو گئی تھی، اور نسرین کو جب موقع ملتا وہ صفری کو بری طرح پیٹنے اور کوسنے لگتی۔ صفری اپنے ہاتھوں سے بچا کرتی اور صفائی دینے لگتی۔

"امی میں نے کچھ نہیں کیا، امی وہ تو جبراً"

ابھی اس کی بات ادھوری ہی تھی کہ ایک اور زنانے دارتھپڑاس کی گال پر اپنا نشان چھوڑ چکا تھا۔

"شرم کر بے حیا، اب تو صفائیاں دے رہی ہے، پیدا ہوتے ہی مر کیوں نہیں گئی تو"

نسرین کی ساس کمرے میں داخل ہوئی، اسے تو اپنی بہو کو باتیں سنانے کا موقع ملا ہوا تھا۔۔۔

"پہلے دقتوں میں لوگ اسی ڈر سے اپنی بچیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، سارا قصور تیرا ہے نسرین تو تربیت نہ کر سکی"

نسرین کی ساس یہ کہتے ہوئے خود کو دکھاوے کے طور پر پیٹنے لگی۔ ساس کی باتوں اور اس کے عمل نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"امی! میں نے کچھ نہیں کیا، امی! وہ تو"۔۔۔

ابھی اس کی بات ادھوری ہی تھی کہ ایک اور زنانے دارتھپڑاس کی گال پر اپنا نشان چھوڑ چکا تھا۔ بیٹیوں کو پڑھانے کا ابھی اتنا رواج نہیں تھا، پانچ جماعتیں بھی بہت ہوتی تھیں گان میں اسکول بن چکا تھا مگر گان اور محلے کی کئی ماں کے برعکس نسرین نے اپنی بیٹیوں کو یہ کہہ کر اسکول نہ بھیجا کہ

"کیا کرنا ہے پڑھ لکھ کر، بس گھر داری سیکھ لیں یہ، جو آگے جا کے ان کے کام آئے گی۔"

لیکن بیٹیوں سے چھوٹے دو بیٹے اسکول جاتے تھے۔ دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے تھے اور دونوں چوتھی جماعت کے طالب علم تھے۔ بڑی بیٹی کبری کی شادی اسی کے تایا زادے سے ہو چکی تھی، اس کے تایا کے دو ہی بیٹے تھے امتیاز اور اعجاز۔ بڑا بیٹا امتیاز نسرین کا داماد تھا۔ نسرین کا گھر سادگی اور صفائی کی مثال تھا اور گھر میں رہنے والوں کے گھڑپن اور سلیقہ مندی کا گواہ بھی۔ لیکن اس بات کا سہرا صرف اس کی چھوٹی بیٹی صفری کو جانا تھا جو دن رات گھر کے کاموں میں شوق سے لگی رہتی۔ بیس سال کی تھی اور سارا گھر سنبھالا ہوا تھا۔ گھر کے کاموں کو لے کر صفری کی ماں بے فکر تھی۔ گھر کا جتنا بھی کام ہوتا۔ مہمانوں کے آنے پر کھانا بنانا،

صبح سے صغری اتار روئی تھی کہ اس کی بچی بندھ بندھ کر ٹوٹ چکی تھی، مگر آنسو تقم ہی نہیں رہے تھے۔ وہ اب زمین پر خاموشی سے بیٹھی ایک بازو چارپائی پر رکھے ایسے رو رہی تھی جیسے چارپائی پر اس کی زندگی مری پڑی ہو۔ اس کی قسمت کی لاش دھری ہو۔ نامعلوم کب نیند اس پر مہربان ہوئی۔ صبح سے اب تک یہ پہلا لمحہ تھا جو اس پر مہربان ہوا تھا۔ جس نے اسے اپنی آغوش میں لیا تھا، اہر تکلیف سے چناہ وی تھی۔

صغری کے باپ کا زیادہ تر وقت کھیتوں پر ہی گزرتا تھا۔ صبح تڑکے وہ لسی پی کر کھیتوں پر چلا جاتا اور دوپہر میں اس کا کھانا ماں یا کھیتوں پر جاتا پڑوسی پہنچاتا۔

بھائی سکول سے آتے تو سپارہ پڑھنے اور پھر کھینے چلے جاتے تھے۔ صغری گھر میں سب کی ضروریات کا خیال رکھتی تھی، مگر آج کسی کو اس کی کمی محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔ گھر والوں کو صرف اپنی ضروریات سے مطلب تھا۔ اور ان کی ضروریات اور ان کے سارے کام آج ماں کر رہی تھی۔ بس چھوٹے بھائی نے اس کے بارے میں پوچھا تو ماں نے جواب دیا۔

"وہ سو، مر رہی ہے اندر۔"

وہ یہ سن کر چھت پر سونے چلا گیا۔ رات تو سائین، ہونے جیسے تیسے کائی۔ صبح صندوق سے کپڑے نکالتے ہوئے ماں صغری سے مخاطب ہوئی:-

"منہ ہاتھ دھو، کے یہ کپڑے پہن لے، جانا ہے کہیں۔"

وہ بے تحاشا رونے کے سبب سو گھمی ہوئی آنکھوں سے ماں کو دیکھ رہی تھی جو کپڑے چارپائی پر پھینک کر اب جا چکی تھی۔ صغری کے لئے اتنا کافی تھا کہ ماں نے اس سے سیدھے منہ بات تو کی، ورنہ کل سے وہ اسے کوٹنے دے رہی تھی۔

"تجھے مر ہی جانا چاہیے تھا۔"

یہ کہتے ہوئے نسرین صغری کا گلہ دبانے لگی۔ ساس نے آگے بڑھ کر نسرین کو پیچھے ہٹایا اور حقارت سے صغری کے پیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی:

"بشیراں دائی سے مل کر آئی ہوں، نکال لیا ہے اس کا حل میں نے، صبح ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔ جبر و اور اس کی ماں سے بات کر کے دیکھتے ہیں۔"

اماں نسرین نے اپنی ساس سے ایک آس بھرے لہجے میں کہا:

"وہ تو ویسے بھی اس کا ہاتھ مانگ رہی تھی جبرو کے لئے۔"

اس کی ساس نے ایک لمبی آہ بھری اور اپنے سر کو لفی میں ہلاتے ہوئے بولی:-

"پاگل نہ بن، وہ تب اس کا رشتہ مانگ رہی تھی جب اس میں کوئی عیب نہیں تھا اور اب کوئی فرشتہ بھی آجائے تو اس سے شادی نہ کرے، اپتا ہے مجھے جبرو کا، وہ تو صاف مکر جائے گا، اس کی ماں یہ الزام بیٹے پر ہرگز برداشت نہیں کرے گی، نہ جانے کس کس کا نام جوڑے گی اس کلموہی کے ساتھ، نصیبیاں ماری، پھر سوچ کہ وہ کبری کا سسرال ہے اگر اس وجہ سے اس کا ہنستا گھرا جڑ گیا تو۔"

"لیکن اماں!"

نسرین نے کچھ کہنا چاہا تو اس کی ساس بول پڑی:-

"تو بس ویسا کر جیسا میں کہہ رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے ساس نسرین کو پکڑ کر کمرے سے باہر لے گئی اور جاتے ہوئے صغری سے کہا:-

"خبردار جو کمرے سے باہر قدم نکالا، کوئی تمہیں آواز بھی دے تو کمرے سے باہر مت آنا۔"

گھر کے چند ضروری کام نبھا کر وہ تینوں گھر سے نکلیں۔ نسیم نے دروازے کو تالا لگایا، اس کے ایک ہاتھ میں کالا شاپر اور دوسرے میں چابی تھی۔ وہ شاپر ساس کو پکڑاتے ہوئے بولی:-

"آپ اڈے کی طرف چلیں، میں یہ چابی کبری کو دے آں، بچے گھر پر تالا لگا ہوا دیکھیں گے تو سیدھا کبری کے گھر جائیں گے، اسے کہہ دوں گی کہ ہم شہر جا رہی ہیں، شام تک آ جائیں گی.."

اڈے سے ان تینوں نے دیگن پکڑی، پچیس منٹ بعد وہ ایک غیر سرکاری ڈاکٹر کے گھر کے باہر کھڑی تھیں۔ دادی نے دائی بشیراں کا حوالہ دیا۔ ڈاکٹر کے گھر پر کوئی پندرہ، بیس منٹ ماں، دادی اور ڈاکٹر کے درمیان سرگوشیوں میں گفتگو جاری رہی، وہ ان سے زرا فاصلے پر بیٹھی آسمان کو دیکھتی رہی۔ یہ ڈاکٹر کسی دائی کی پوتی تھی، جو شہر سے نرس کا کورس کر کے آئی تھی اور یہاں گاں کی غیر سرکاری لیڈی ڈاکٹر بنی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر اٹھی اور صفری سے کہنا:

"میرے ساتھ آ"

صفری ڈاکٹر کے آگے بچھو اور کبھی برابر چلتے ہوئے ایک کمرے میں پہنچی۔ جس کے ددرہ اڑے تھے ایک گھر کی طرف کھلتا تھا اور دوسرا باہر، ایک پگڈنڈی کی طرف جس کے ساتھ ایک گندہ نالہ بہتا تھا۔ جہاں سے اکثر و بیشتر قبے کے آوارہ جانوروں اور چیل کون کو رزق میسر آتا تھا۔

دو ابھی تک دروازے پر ہی کھڑی تھی۔ جیسے اس کی موت کا پروانہ لکھا جا رہا ہو۔ اتنے میں ڈاکٹر نے دیکھا اور کہا

"آ جاندر"

کمرے سے عجیب سی بدبو باہر آ رہی تھی۔ صفری واپس جانا چاہتی تھی مگر مڑ کر دیکھا تو اس کی ماں اور دادی کی نظریں انہی پر جمی

اس کا تایا زاد اعجاز جسے سب لوگ جبرو کے نام سے بلاتے تھے۔ اس کا نام تو سکول میں داخل تھا مگر پڑھائی سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ تفریح کے وقت ہی اکثر دیشتر سکول کی دیوار پھاٹنگ کر بھاگ جاتا۔ تیس سال کا ہو چکا تھا مگر اب تک میٹرک نہ کر سکا تھا۔ دن میں اس کا ٹھکانہ قبرستان ہوتا، جہاں وہ جاسن اور پیر کھاتا، نہر میں نہا کر دن ضائع کرتا۔ راتیں گاں سے باہر ایک ویران حویلی میں اوباش دوستوں کے ساتھ گزارتا۔

اس حویلی کے مکین ساری زمینیں ٹھیکے پر دے کر شہر میں رہائش اختیار کر گئے تھے۔ حویلی میں تاش اور جوئے سے لے کر سگریٹ اور پاڈر تک ان کو میسر ہوتا تھا۔ یہ سامان ان کو کون مہنایا کرتا۔ کسی کو خبر نہ تھی۔ والدین کو ان کے کارناموں کی خبر تھی مگر جوان بیٹوں پر ہاتھ اٹھانا مناسب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ وہ سمجھاتے رہتے تھے مگر سب بے سود۔

صفری کی بد نصیبی تب شروع ہوئی، جب کبری کی ساس اپنے بڑے بیٹے کے دیسے والے دن نسیم سے کہہ رہی تھی:-

"کبری کو تو میں لے آئی ہوں اور اگر اللہ نے چاہا تو صفری بھی میرے گھر کی ہو بنے گی، اپنے جبرو کے لئے اس سے اچھی لڑکی نہیں ملے گی مجھے۔"

بڑوں کی اس رضامندی نے ان دونوں کو مستقبل کے خواب دیکھنے کا بہانہ دے دیا۔ تائی کو کھانے کی پلیٹ پکڑتی ہوئی صفری یہ سن کر کچھ چھینب سی گئی۔ جبرو نے یہ بات سن لی تھی جو ان سے زرا فاصلے پر کھڑا تھا۔ سوئے نصیب کہ اچانک صفری کی نظر اس پر پڑی اور فوراً ہی جھک گئی، جبرو کے چہرے پر جو مسکراہٹ نمودار ہوئی وہ دراصل نظر بن کر صفری کو لگ گئی۔ اور پھر شادی کے مہینوں بعد دونوں سے ایسی حماقت سرزد ہوئی جس کی مزار جم ہے۔۔۔

کو ایک جگہ سے اٹھا کے کہیں دور لے جا کر پھینک دیتے ہیں۔ وہ بھی تو اب کہیں دور کسی اور دنیا میں تھی۔ زندگی اور موت کے بیچ _____ اسے گھریا دیا یا اس کا دل چاہا یہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے مگر وہ لاکھ کوشش کے باوجود بل تک نہ سکی، اتنی بے بسی اتنی لا چاری۔

وہ بس گھر جانا چاہتی تھی یہاں سے نکلنا چاہتی تھی مگر گول چکر اس پر بھاری پڑ رہے تھے اسے امی کا چہرہ یاد آیا۔ اسے کبریٰ یاد آئی۔ دادی کا چہرہ نظر میں آیا۔ ابا اپنے سپاٹ چہرے کے ساتھ دکھائی دئے۔ وہ سب کو بل رہی تھی۔ چھوٹا اپنے تیکھے نقوش کے ساتھ یاد آیا۔ اسے جبر دکی چہرے پر نمودار ہوتی ہوئی مسکراہٹ نظر آئی مگر کوئی اسے یہاں سے لے جانے کے لئے نہیں آیا۔ اب اس کی یادداشت نے چپ سا دھلی تھی۔ ہوش ٹھہر گیا تھا وہ بھنور وہ چکر اسے پاتال میں چھوڑ آیا تھا۔۔۔

اسے اپنے جسم سے کچھ ٹوٹا ہوا محسوس ہوا، جیسے کوئی اس کے جسم کا ٹکڑا نکلنا شروع کر رہا ہے، ریزہ ریزہ توڑ رہا ہے۔ نہ جانے کوئی اسے کتنی دیر نوچتا رہا اور کتنا توڑ کے لے گیا اور کتنا چھوڑ گیا۔۔۔۔

جب اس کا ہوش بحال ہوا جب اس نے اپنی سانسوں کی روانی کو محسوس کیا اور اسے ابھی اندھیرے سے اندھیرے میں آنکھیں کھولے چند ثانیے ہی گزرے تھے کہ روشنی کی ایک لکیر اندھیرے کمرے میں داخل ہوئی۔ ڈاکٹر نے باہر سے دروازہ کھولا۔ اندر آ کر اس کی نبض ٹٹولی اور اس کی قمیض اٹھا کے چیک کرنا چاہا تو صفری نے فوراً جتنی قوت جمع ہو سکی جھنکادے کر قمیض نیچے کر دی اور اس کے ماتھے پر ایک بل نمودار ہو گئے... ڈاکٹر نے عجیب انداز سے اسے دیکھا اور طنز کہا:

تھیں۔ اسے اپنا وجود بگھلاتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ ان نظروں سے بچنے کے لئے کمرے میں داخل ہو گئی۔ کچھ دیر کھڑی رہی اور غیر ارادی طور پر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ ایک بڑے سے پلاسٹک کے ڈبے میں کچھ آلات جراحی پڑے ہوئے تھے۔ جن کو وہ زندگی میں پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ وہ کبھی بیمار ہی نہیں ہوئی تھی۔ بچپن میں ایک دو بار اس کے جسم پر چھوٹے چھوٹے دانے ابھرے تھے، مگر اسے نہیں یاد کہ وہ کبھی ڈاکٹر کے پاس گئی ہو۔ کمرے کا اکلوتا بیڈ چارپائی کو ساتھ لئے پڑا تھا۔ جسے شاید ڈرپ سٹینڈ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ پاس کوڑے دان پڑا تھا۔

بدبو سے اسے متلی آنے لگی تو ڈاکٹر نے باہر کی طرف کھلنے والا دروازہ کھولا اور اسے پکڑ کر دروازے کے پاس لے گئی اور کہا:

”تیز تیز سانسیں لو۔“

باہر چیل کوئے اور دو چار جانور ایسے چکر کاٹ رہے تھے جیسے انھیں یقین ہو کہ آج ان کو نوالہ ملنے والا ہے۔ اس راستے سے لوگوں کا آنا جانا نہ ہونے کے برابر تھا۔ کچھ دیر میں جب

اس کی طبیعت سنبھلی تو ڈاکٹر نے دروازہ بند کرتے ہوئے اسے بیڈ پر لیٹنے کو کہا۔ میٹلی چادر پر بیٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، مگر مرنی کیا نہ کرتی، چارونا چاروہ جوتے اتار کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ کچھ دیر بعد اسے اپنے جسم میں سوئی چھینے کا احساس ہوا تو اس کی ہلکی سی آہ نکلی۔ پھر تو جیسے سارے وجود میں سونیاں چھبے لگی ہر چیز اسے گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ جیسے وہ کسی بھنور میں پھنس گئی ہو۔ اسے یاد آیا بچپن میں اس نے دیکھا تھا کہ گرمیوں میں ہوا کے گولے ایسے ہی گول گول تیز تیز گھوما کرتے تھے۔ اس کی سہیلیاں کہتی تھیں ان گولوں کے پاس نہیں جانا چاہیے یہ بندے

"صغریٰ کو نہلا دو ہمیں۔ گھر سے رنگ بدلا پانی جاتا دیکھ کر لوگ طرح طرح کے سوال پوچھیں گے۔"

صغریٰ کو نہر کے بیچ بیٹھا کر چلو بھر بھر کر اس کے سر پر ڈالنا شروع کیا۔ نہلانے والوں کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ نہلانے سے مریضہ صحت بگڑ بھی سکتی ہے۔ راستے میں دھوپ نے اس کے کپڑوں کو خشکی دی تو دونوں کے یہ الفاظ اگلے دکھائی پڑ رہے تھے۔

"اگر کسی نے کہا کہ شہر سے کیا لائی ہیں تو ہم کہیں گی کہ صغریٰ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اس لئے ہم کچھ خرید نہ سکیں۔۔۔"

گھر پہنچتے ہی دونوں نے صغریٰ کو چار پائی پر لٹا دیا۔ گاں کی عورتیں اس کا پتا کرنے آتیں تو ماں کہہ دیتی:

"کسی چیز کا سایہ ہے، ایسی بیماری جس کا علاج ہی نہیں، میں تو تھک گئی ہوں دوائیاں دے دے کر۔۔۔"

مگر گاں کی عورتیں اچھی طرح سمجھ چکی تھیں۔ بیٹھ پیچھے چہ گویاں کرتیں۔ منہ پڑتیں کھاتیں اور صغریٰ کی حالت پر افسوس کرتیں۔ گھر میں ہی ایسی دواں سے علاج اور گھر یلو ٹوٹکے صغریٰ پر آزمائے جاتے رہے۔ مگر ان بے سود کوششوں سے اس کی طبیعت دن بدن اور بگڑتی چلی گئی اور وہ اپنی زمینوں میں وہ بستر سے قبر میں جا لیٹی۔

☆.....☆.....☆.....☆

"اور کتنا سوگی، دوپہر کے تین بج رہے ہیں، باہر جاتہ ہماری امی اور دادی انتظار کر رہی ہیں"

وہ کچھ کہے بغیر اٹھی اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر کی طرف چل پڑی۔ ڈاکٹر نے آواز دی اور کہا:

"جو تا تو بہن لو"

اور پاں سے جوتا گھسیٹتے ہوئے لا کر اس کے برابر میں چھوڑ دیا۔ اس نے جوتا پہنا اور کمرے سے باہر نکلنے لگی مگر سورج کی تیز روشنی سے اس کا سر چکرانے لگا، وہ گرنے ہی والی تھی کہ ڈاکٹر نے بڑھ کر اسے تھام لیا۔۔۔

اسے ہر آتا دیکھ اس کی دادی اور ماں بھاگی چلی آئیں، تو ڈاکٹر نے صغریٰ کو ان کے کندھوں پر ڈال ڈیا، انہوں نے ایک انگلی آئینہ نگاہ ڈاکٹر پر ڈالی تو جو ابا ڈاکٹر انہیں مجبوراً ہلکی سی مسکراہٹ دے سکی اور ہاتھ دھونے چلی گئی۔۔۔ اس کی ماں نے کچھ بڑبڑاتے ہوئے شاپر سے سیاہ رنگ کی بڑی سی چادر نکال کر اسے لپیٹ دی، اس کی ساس عادتاً اپنے فلسفانہ انداز میں بولی "سیاہ رنگ تو ہے ہی ایسا جس کا کام ہی پردہ ڈالنا ہے۔"

چھپا لینا ہے اور ایک سفید رنگ ہے جس پر ایک بار دھبہ لگ جائے تو نشان چھوڑ کے ہی جاتا ہے۔ جو ابا صغریٰ کی ماں بھی خود کلامی کرتے ہوئے ساس کو سنانے لگی۔ سزا صرف صغریٰ کو بھگتنی پڑی۔ وہ ماں بنی جبکہ باپ بھی تو کوئی ہو گا مگر اس پر تو تقدیر نے پردہ ڈال دیا۔ موت کا پروانہ جو ڈاکٹر کے گھر سے لکھا جانا شروع ہوا تھا مکمل ہونے والا تھا۔ وہ جب وہ تینوں وکیلن سے اتر کر اپنے گاں کی چھوٹی نہر کے پاس پہنچیں، تو گھر دس منٹ دور رہ گیا تھا۔۔۔

نہر کو دیکھ دادی نے کہا:

افسانہ

افسانہ نگار

زارا رضوان



Email: khushboo.digest@gmail.com

Khushboo Online Digest 0300-7198339

ہو سکے۔ لیکن بار قلب کبھی ہلکا نہیں ہوتا بلکہ اسکو اٹھائے انسان ہلکان ہو جاتا ہے، تھک جاتا ہے مگر بوجھ کم نہیں ہوتا۔

بہت مصروف رہتی ہوں صبح سے شام ہونے تک۔ حسن نے چائے کا کپ نیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

چائے کا شکریہ.. بہت طلب ہو رہی تھی۔ مصروفیت کہاں۔ بس یونہی لکھ رہی تھی۔ ڈائری کو دراز میں رکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ یونہی صبح لیکن اچھا لکھتی ہو۔ چائے کا سپ لیتے ہو میکھا تو وہ ہنس پڑی۔

ہم شکریہ! لیکن اچھا لکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ بات تو تب بنے جب آپ اپنی بات سے کسی کو قائل کر سکیں۔ شاید آپ بھول رہی ہیں آپ میں قائل کرنے اور اپنی بات منوانے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہیں بیگم صاحبہ۔

ایمان خاموشی سے چائے پیتی رہی۔

ایک بات کہوں ایمان؟

جی۔ سوالیہ نظروں سے دیکھا

تم ایک اچھی رائٹر ہو، لفظوں سے کھیلنا اچھے سے جانتی ہے۔ تم

جانتی ہو کس طرح پڑھنے والے کو اپنی لکھائی کے سحر میں قید کرنا

ہے، کس جگہ کیا بات کہنی ہے جو ریڈرز کو ہمیشہ یاد رہے۔ لفظوں

میری کتاب زندگی کے صفحے پر ایک لفظ مل ہی تو ہے اتار و شن جسکی سپیدی میں سب تاریکی میں چلا جاتا

ہے، اتنا واضح جسکے آگے تمام حرف چھوٹے پڑ جاتے ہیں۔ روز صبح کتاب مل اپنی تمام تر روشنیوں کیساتھ کھلتی ہے۔ الساعات صبر

کنید آغا شدہ۔ جیسے جیسے دن ڈھلتا ہے سمرتوں کا دیا بجھنے لگتا ہے اور رات کو کتاب اس دن کے باب کیساتھ آنسو، دم توڑتی حسرتیں اور آس کیساتھ بند ہو جاتی ہے کبھی نہ کھلنے کیلئے لیکن کہتے ہیں۔۔۔

نہ کہ جہان در امیدتا سبب شدہ است۔

کوئی سراپا تھ لگے تو پتہ چلے، تھگی دل کی دھڑکن پھر سے ذرا چلے بہت تھک چکے ہیں، کوئی تو پوچھے اے صاحب! کہاں چلے

مل کے ریئے میں جلا کر چراغ ندم

اسکو ڈھونڈنے کی جستجو میں کر کے سب بیاباں چلے

ٹوٹ جائے نہ آس نگاہیں پھر نہ ہو جائیں

ہم اب مل اور عمل کے درمیاں چلے!!

جیسے جیسے قلم چل رہا تھا آنسو ڈائری میں جذب ہو رہے تھے۔ یہ

ڈائری ہی تو تھی جو ہمیشہ اسکے

آنسو اور شکلوں سے سیراب ہو نیکو بیقرار رہتی تاکہ دل کا بوجھ ہلکا

بات بہت آسان ہے اگر سمجھ لو تو آسانی ہوگی۔ دیکھو آپ ہر کسی کو اپنی بات سے اپنے دلائل سے قائل نہیں کر سکتے، اسکو مطمئن نہیں کر سکتے ہیں۔ ہر کسی کا اپنا پوائنٹ آف ویو ہے، سوچنے کا انداز الگ ہے، چیزوں کو سمجھنے اور ہینڈل کرنے کا طریقہ مختلف ہے۔ آپ اپنی بات کہیں، ماننا نہ ماننا اس پر ہے۔ آپ اپنی بات منوانے کیلئے زور نہیں لگا سکتیں۔

میں نے کسی کو کیا کہنا۔ میری طرح شاید میرے الفاظ بھی ادھورے ہیں، غیر موثر، غیر کامل، در ماندہ، آس و امید کی کشمکش میں جھولتے کچے پکے لفظ جو کب سے کن کے منتظر ہیں گردن گھما کر وہ سرگوشی کے انداز میں

بولی۔ لہجے میں شکست و ریخت اور چہرے میں پھیلی اداسی وہ دیکھ سکتا تھا۔

اللہ کے آگے الفاظ معنی نہیں رکھتے نیت معنی رکھتی ہے۔ جیسی نیت ہوگی ویسی مراد۔ بس تمہاری نیت اچھی اور

پر امید ہونی چاہیے۔ مایوسی گناہ ہے یہ تم مجھے سمجھاتی تھی جب میرا کام مندہ جا رہا تھا اور آج خود اس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔ اوہ کم آن ایمان۔

میں مایوس ہرگز نہیں۔ البتہ اداس ہو جاتی ہوں ایمان نے وضاحت دی۔ ایک بات کہوں، جی بولیں، کن فیکون پہ یقین ہے؟

اسکے بغیر ایمان مکمل ہے کیا؟۔ الناسال کیا۔ پھر تم ادھوری کیسے ہوئی؟۔ حسن نیا نگلی سے اسکی طرف اشارہ کیا تو واقعی لاجواب ہو گئی۔

دیکھو ایمان الفاظ ادھورے ہو سکتے ہیں بقول تمہارے در ماندہ، عاجز، خستہ اور غیر موثر وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یاد

رکھو انسان کبھی ادھورا نہیں ہو سکتا ایک نظر اسکو دیکھا جو اسی کی

کے انتخاب سے لیکر اسکے استعمال کیا وقات تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ کب کیا

کیا میری تعریف کرنی تھی۔ باٹ کاٹ کر بنتے ہوئے پوچھا۔ نہیں تمہیں یہ بتانا تھا اگر تم اپنے الفاظ سے اپنی باتوں سے کسی کو قائل نہیں کر سکتی بقول تمہارے تو۔۔ آہ آئی ایم سوری تب تم اچھی لکھاری نہیں بالکل نہیں ہو۔ تم فلاپ ہو:

کسی سے بات نہ منوانے کا مطلب میرا لکھنے سے ہرگز نہیں تھا حسن۔ ایمان سنجیدہ ہو گئی۔

مجھے سمجھ نہیں آتی میرے سامنے تو تم بات کلیئر کر نہیں سکتی ریڈرز کو کیسے گرویدہ کیا ہوا ہے؟

اصل زندگی میں اور کہانی میں فرق ہوتا ہے غلط کہانی اصل زندگی سے لئے گئے سبق پر مشتمل ہوتی ہے۔ نام،

جگہ اور کچھ الفاظ کی ہیر پھیر کر کے آپ اپنے مشاہدات اور کبھی تجربات کو قلمبند کرتے ہیں۔

دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ دونوں چائے پینے میں لگن تھے ایمان کسی سوچ میں گم، حسن اسکے چہرے کا

مشاہدہ کرنے میں مصروف۔ ایمان! اس موضوع پر آج میں آخری بار بات کرونگا۔ اگر بات تمہاری سمجھ میں آ جائے تو بہتر

ورنہ یہ خناس کوئی نہیں نکال سکتا کہ تم میں اپنی بات منوانے کی صلاحیت نہیں۔ حسن نے چائے کا خالی کپ ٹیبل میں رکھ کر دوبارہ

سلسلہ کلام جوڑا۔ میں سب کی بات نہیں کرتی حسن۔ لفظوں کا انتخاب ایسا ہو جاتا ہے کہ ایک کی بجائے سب کہہ جاتی ہوں۔

اس نے صفائی دینی چاہی لفظوں سے کھیلتی ہو اور لفظوں کے انتخاب میں پریشانی چہ معنی دارو؟

میں نہیں جانتی۔۔ وہ الجھ سی گئی۔

دیکھو ایمان تم پھر مایوسی کی باتیں کر رہی ہو اور کہتی ہو مایوس نہیں ہو۔۔۔ وقت سے پہلے کچھ نہیں ہوگا چاہے وقت گھنٹوں پر محیط ہو، ہفتوں، مہینوں یا پھر برسوں۔ جب اللہ نے کہنا ہے ہو جا تو سب ہو جائے گا سب یعنی سب۔ تب دنیا کی کوئی طاقت اسکو تم سے اور امی سے ملنے کیلئے نہیں روکے گی۔ اور رہی بات چاہت کی تو اسے پہلے کی طرح اسکے حال پر چھوڑ دو۔ آنا ہوا آ جائے گا ورنہ جہاں رہے آباد رہے۔ امی کا کیا؟۔ سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ بھی سمجھدار ہیں بس متا کے ہاتھوں مجبور ہیں تبھی تمہیں فائق سے رابطے میں رہنے کیلئے کہتی ہیں۔ ورنہ وہ

جانتی ہیں کن جھسیاؤں میں ہے وہ ہاں سو تو ہے تمہیں ان سے سیکھ لینی چاہیے زندگی پر سکون ہو جائے گی۔۔۔ حسن نے کبل سیدھا کرتے ہوئے کہا میں سمجھی نہیں:۔ اس نے ناسمجھی کے انداز میں دیکھا۔ تمہیں اتنا انتظار کہاں کرنا پڑا جتنا اس ماں نے کیا جو کتنے سال اپنی اولاد کی شکل دیکھنے کو ترس گئی لیکن کبھی

ناامیدی کی بات نہیں کہی، کبھی صبر کا پیمانہ لبریز نہیں ہوا اور نہ اللہ سے شکوہ کیا۔ آدھا اکاشن پیر ہے بس میں ہوتا تو ماں جی کیلئے کچھ کر سکتا۔ میں ذرا آرام کر لوں:۔ حسن لیٹ چکا تھا۔ ایمان باہر کے منظر میں گم ہو گئی۔ ماما باہر کوئی انکل آئیں ہیں آپکا پوچھ رہے ہیں:۔ آٹھ سالہ شزا نبیاں کو مطلع کیا جو کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ کتنی بار منع کیا بیابا کو۔ آپ دروازہ مت کھولا کریں۔۔۔ ایمان نے سختی سے شزا کو ڈانٹا جو ڈانٹنگ ٹیبل پر بیٹھی پانی پی رہی تھی۔ سوری ماما۔ دو بار ٹیل ہوئی آپ نہیں آئیں تو میں پوچھ لیا لیکن گیٹ نہیں کھولا اندر سے ہی پوچھا تھا۔

ایمان نیا جنسی کے منہ سے اپنا نام سنا تو اسے لگا سنا نا چھا گیا ہو۔ کانپتے ہاتھوں سے گیٹ کھولا تو ساکت نظروں سے سامنے

جانب متوجہ تھی۔ کم از کم جب تک یقین کامل ہے کہ اس پاک ذات کے کن کہنے سے سب ہو جائے گا اور جو ہوگا آپکی سوچ سے بالاتر اور آپکے حق میں بہت بہتر ہوگا:۔ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

وہ جب کن کہنا ہے پتہ بھی نہیں چلتا۔ سب ہو جاتا ہے جو مشکل ہوتا ہے وہ بھی جو ناممکن لگتا ہے وہ بھی جانتی ہوں۔ لیکن کبھی کبھی مایوسی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آتا۔ ایمان نے ہار مانتے ہوئے کہا نا امید نیست:۔ اسکے ہاتھوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا امی کو کب تک بہلاں۔ وہ ماں ہیں سب جانتی ہیں بار بار اسکو فون کرنے کا کہتی ہیں۔ پوچھتی ہیں کب آئے گا۔

اسکے بہانے پھر میرے عذر۔ تھک گئی ہوں اب تو:۔ تمہیں کیا پتہ وہ بہانے بنا رہا ہے۔ مجبوریاں انسان کو بہت مجبور کر دیتی ہیں ایمان۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتا بلکہ حالات اجازت نہیں دینے کچھ کرنے کی مگر یہ بات وہی سمجھتا ہے جو فیس کر رہا ہوتا ہے ناک وہ جسکو پریشانی و مجبوری بتائی جائے۔۔۔

ہاں وہ یہی کہتا ہے میری مجبوریاں ہیں لیکن مرد کیلئے تو کوئی مشکل نہیں ہوتی، کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔ مجبور

تو ہم عورتیں ہوتی ہیں۔ یہاں بات ساری چاہت کی ہے۔ یہ تم کہتی ہو۔ حقیقت میں مرد کو بہت سی چیزوں کو لیکر چلنا پڑتا ہے۔ کسی کے کہہ دینے سے کام ہو جائے تو کیا

ہی بات ہو۔ اسکو اپنی بیوی کو اپنی سونیل ماں کو قائل کرنا ہوگا تمہیں اور امی سے ملنے کیلئے۔ وقت لگتا ہے ہر کام

میں۔ سب ایس کتنا وقت حسن؟ کتنے سال گزر گئے۔۔۔ بات کاٹ کر بولی

اب یہ دروازہ کبھی بند نہیں ہوگا خواہ وہ دلوں کا ہو یا چار دیواری کا۔ وہ امی سے ادراہم سے ملنے آتا رہے گا
انشا اللہ۔ حسن نپہر امید ہو کر کہا تو اس نے انشا اللہ کہہ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

آج مجھے زندگی کا کلیہ سمجھ میں آ گیا کہ انسان ادھورا نہیں ہوتا ادھوری اسکی سوچ ہوتی ہے انسان تو نامکمل ہوتا ہے بنا رشتوں کے۔ اللہ نے انسان کو عقل و شعور اور علم سے نوازا ہے پھر وہ غیر کامل کیسے ہو سکتا ہے؟ بالکل اسی طرح کن فیکون پر یقین رکھے بنامل غیر کامل ہے، نامکمل اور ناپائیدار۔۔۔ آج مجھے مل اور عمل کا فرق بھی پتہ چل گیا۔ مل ایک امید ہے، توقع ہے جبکہ عمل ایکٹ ہے، ایک پلان ہے، ایک ترتیب ہے جو بغیر مل کے ممکن نہیں۔ اسکے درمیانی راستے کا نام کنفیوژن ہے جو انسان کو آگے بڑھنے اور مثبت سوچنے سے روکتا ہے۔

ہم اب مل اور عمل کے ہمراہ چلے!

آج ڈائری اسکے آنسوؤں سے نہیں اسکی بلکہ اسکے تہسم سے سیراب ہو رہی تھی۔ وہ گواہ تھی اس خوشی کی جو قلم سے لکھتے ہوئے پھوٹ رہی تھی، اس مسکراہٹ کی جو مسلسل اسکی آنکھوں اور ہونٹوں کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

کھڑے لمبے چوڑے مرد کو دیکھا۔ یکنخت تمام تر شدتوں سے اس سے لپٹ گئی۔
آپ آگئے بھائی؟ گھر کا کیسے پتہ چلا؟ مجھے بتایا کیوں نہیں میں امی کو بلواتی۔۔۔ ایک ہی پل میں کتنے سوال کر ڈالے۔
پتہ تم نے دیا تھا میرے دل پر نقش تھا۔ علاقے تک آ گیا پھر ایک دو لوگوں سے پوچھتا پوچھتا آ ہی گیا۔۔۔ مسکراتے ہوئے بولا تو ایمان نے بغور جائزہ لیا۔

ماموں۔۔۔ شزانے آواز لگائی اور آ کر فائق سے لپٹ گئی۔ ایمان اپنی ماں کو فون کرنے لگی تاکہ اسکو بھی یہ سر پرانز دے سکے۔

تینوں بیٹھے کتنی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ شکوے شکایتیں، دوری کا غم، ایپوں کے رویوں کی مار۔ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ ماں کے ہونٹوں کی مسکراہٹ دیکھ کر ایمان بار بار جی اٹھتی۔ کتنی خالص مسکراہٹ تھی، آنکھوں میں

محبت کے رنگ لئے وہ بیٹے سے باتوں میں مصروف، اطراف سے بے نیاز بیٹھی تھیں۔۔۔ کتنا طویل سفر کیا ہے اسکی ماں نے لیکن بیٹے سہیلنے کی امید کبھی نہ ٹوٹی۔

ایمان نے جلدی سے برتن دھو کر کچن سمیٹا اور وضو کرنے چلی گئی تاکہ شکرانے کے نفل ادا کر سکے۔

امی بہت خوش تھیں آج۔۔۔ حسن نے پوچھا

بہت۔۔۔ کتنے سال بعد بھائی کو دیکھا۔ امی نے بھی کتنے سال انتظار کیا کب وہ بڑا ہو اور ان سے ملے۔۔۔ کبھی کبھی لگتا تھا وہ نہیں ملے گا۔ لیکن اللہ کا شکر ہے اس نے ملنے کیلئے دروازہ کھول دیا۔ ایمان واقعی چمک رہی تھی اور حسن اسکے چہرے پر حقیقی مسکراہٹ دیکھ سکتا تھا جو آج تک نہ دکھی۔



موت پہ نہیں شاید جنازے پہ کہرام سا مچا ہوا تھا میت کو گھسیٹ
 کڑا ہینس میں ڈالا
 چار ہاتھ بچوں کی بیچ دیکھا، پاپا کو مت لے کے جائیں شوہر کے
 غم میں نڈھال وہ ڈھسے سیک
 محبت کی شادی تھی
 اچھا کیا میت کو ہم لے آئے ہمارا بھائی لاوارثوں کی طرح دفن
 ہوتا ہمیں کسی صورت گوارا نہیں تھا بہن کا مغرور لہجہ
 ماما! پاپا نے بتایا تھا دسمبر میں سردی ہوتی ہے پھر اتنی گرمی
 کیوں لگ رہی ہے مجھے، پیٹ پہ ہاتھ رکھے ایک خیف آواز ماں
 سے سوال کر رہی تھی

☆.....☆.....☆.....☆



ماہرہ اپنے چار سالہ بیٹے فرقان کے ساتھ بالکونی سے باہر کا نظار
 کر رہی تھی۔ جب اسے کچھ بچے نظر آئے جو رام نام پڑھتے ہیں کی
 گردان کر رہے تھے کہ اچانک کسی کی آواز گونئی
 تمہارا باپ مر گیا ہے کیا؟

یہ سن کر بچوں کو سانپ سوگھ گیا اور وہ خاموشی سے وہاں سے چلے
 گئے۔

مما: یہ کیا کہہ رہے تھے؟ ننھے فرقان نے سوال کیا
 کچھ نہیں بیٹا یہ بہت گندے بچے تھے یہ بہت بری بات کر رہے
 تھے چلو بس اب اندر چلتے ہیں

ٹن ٹن..... ٹن..... ماما پاپا آگئے پپا
 ایک منٹ رکھیں۔

ماما پاپا کی آرتی اتارتے ہیں دیکھیں ناپا کتنے اچھے لگ رہے
 ہیں۔

ماہرہ نے اپنی شرمندگی پر ہامشکل قابو پاتے ہوئے کہا
 دیکھا آپ نے یہ کتنا شریر ہو گیا ہے۔

☆.....☆.....☆.....☆



افضل کی دوسرے شادہ کی ضد حقیقت میں بدل گی نئی نویلی دلہن کے آنے سے نور کی حیثیت نوکروں سے بدتر ہوگی اور اب انتظار تھا تو

دوسری بیوی کی گود ہری ہونے کا گھر کے وارث کی خبر کا افشاں جو افضل کی دوسری بیوی تھی

وہ بھی پریشان تھی کچھ حالات سے واقف بھی شدت سے دعا کر رہی تھی اللہ سے

اولاد دے سزا
روز کی لڑائی اور افشاں کی ضد

سے ہار مانتے ہوئے افضل ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کرانے گیا دل میں شکر ادا کر رہا تھا افشاں کو ساتھ نہیں لیا ڈاکٹر کے کیے

گئے انکشاف نے اسے سوچنے پہ مجبور کر دیا جس عورت کو ساری زندگی بانجھ کہا سو کن لے آیا اپنی

حکمرانی کرتا رہا تزیل کرتا رہا
اور وہ خدا کیا تھا نامرد؟

☆.....☆.....☆.....☆

تم بانجھ ہو اولاد پیدا کرہ نہیں سکتی تین سال گذر گئے ہماری شادی کو کوئی پیر فقیر ڈاکٹر نہیں چھوڑا تم کیوں مان نہیں لیتی بانجھ ہو تم بانجھ۔۔

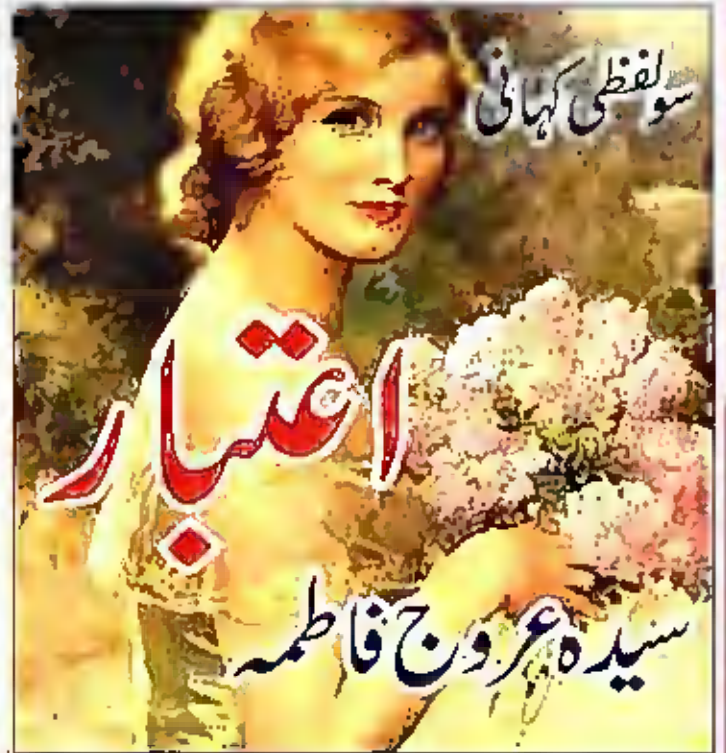
افضل غصے سے نوز پے برس رہا تھا اور نور کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھی مدہم آواز میں بولی افضل آپ میری بات مان لیں ایک بار اپنا چیک اپ کروالیں بکواس بند کرو اپنی شرافت سے بول رہا ہوں اجازت

دے دو دوسری شادی کی ورنہ۔۔۔

افضل اور نور دونوں ہی سفید پوش گھرانے سے تعلق رکھتے تھے نور گھر والوں کی پسند تھی من چاہی بہو تھی ابھی تک افضل ان کے کنٹرول میں تھا شادی کے دن مہینوں سال میں گذرے تو تمام گھر والوں کے ماتھوں پہ تیوریاں نظر آنے لگی

نور کی گود خالی ہے درگاہ، پیر و فقیر ڈاکٹر سب سے علاج کروا لیا مگر سب بے سود رہا





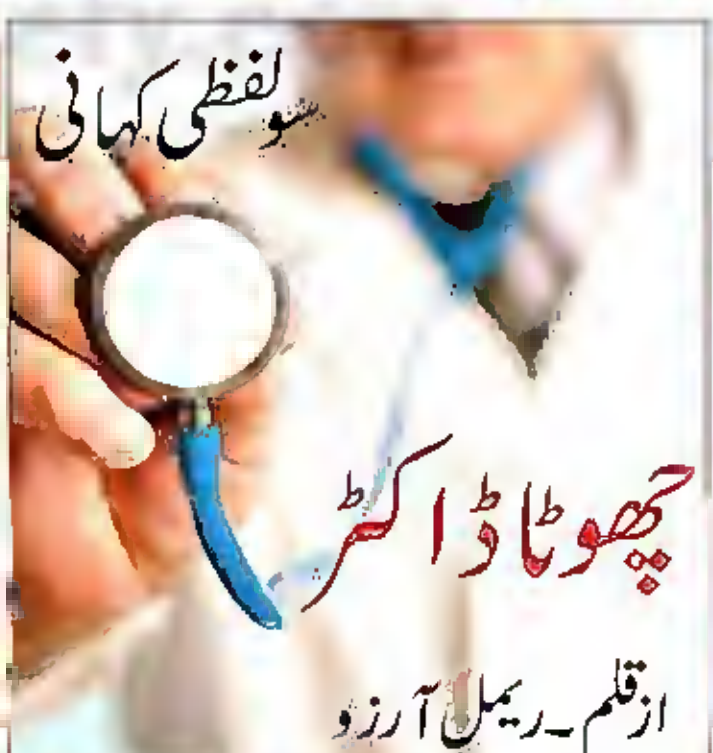
دسمبر کی منہ بستی منہ درجہ حرارت کے سبب عروج پہ تھی سورج
 بھی شاید پہاڑوں سے ناراض تھا
 کیپٹن احمد پانی کی تلاش میں فوجی چونکی سے کافی دور آچکا تھا
 اچانک دشمن کیمپ اس کی نظر دل میں آیا احمد محتاط انداز میں لمبا
 چکر کاٹتے ہوئے کیمپ کے پچھواڑے میں پہنچ گیا
 اسلحے اور بارود کی کھپ دیکھ کر احمد حسب الوطنی کے
 جذبے سے سرشار کیمپ کو تباہ کرنے کے لئے میدان میں کود پڑا
 دشمن کیمپ بیخبری میں تباہ ہوا اور ایک حسب الوطن کا جسد خاکی
 برفانی پہاڑیوں پہ کہہ رہا تھا
 "الوداع دسمبر"

عائشہ تمہیں اعتبار ہے نا مجھ پر تو بائیں بے فکر ہو بیگم
 صاحبہ میں تمہارا اعتبار کبھی نہیں توڑوں گا۔ صدف یہ کہنے کے بعد
 کسی ضروری کام کے سلسلے میں باہر چلا گیا۔
 صدف تم نے دو بجے کا وعدہ کیا تھا کب سے تمہارا انتظار کر رہی
 ہوں۔ کورٹ میں ہوں وکیل صاحب آگئے ہیں دو لہے
 صاحب!

آج صدف صرف اپنا موبائل ہی گھر نہیں چھوڑ گیا تھا بلکہ وہ اس
 اعتبار کو بھی توڑ گیا تھا جو عائشہ اس پر آنکھیں بند کر کے کرتی
 تھی۔ عورت آخر کس پر اعتبار کرے۔

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆



"اماں میں کیا ہتاں سہیں۔"

یہ لوگ بڑا تنگ کرتے ہیں بیٹھے

تین مہینے میں ہی اولاد کا طعنہ بھی دینے لگے۔

"رفعت بیگم اپنی بیٹی کے لفظوں میں چھپے کرب کو اپنے اندر اترتا

محسوس کر رہی تھیں۔"

اچھا میرا بچہ نہ رو اللہ رحم کرے گا۔ "وہ پانی لینے کی غرض

سے بچن کی جانب بڑھیں

جہاں گھر کی نوکرانیاں آپس میں باتیں کر رہی تھیں "یاد ہے

صغریٰ! بی بی جی نے چھوٹی بہو کو بھی ایسے ہی ستایا تھا۔"

"قدم ٹھہر گئے۔ لب سل گئے۔ وقت پلٹ چکا تھا۔ آج

بہو کی جگہ بیٹی کھڑی تھی۔"

☆.....☆.....☆.....☆

"ڈاکٹر بن کر وہ گاں کے لوگوں کی خدمت کر رہا تھا اور غریبوں کا مفت علاج۔ "ڈاکٹر صاحب ابا جی چنگے بھلے ہو گئے ہیں" وہ مریض کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا جب نوری نے خوشخبری سنائی۔ "یہ تو بہت اچھی بات ہے میری دوا اثر کر گئی" ڈاکٹر مسکرایا۔

"نہ ڈاکٹر صاحب آپ کی دوا سے نہیں"

نوری ہنسی۔

"پھر؟"

ڈاکٹر حیران ہوا۔

"ہم ابا کو شہر لے کر گئے جہاں بڑے ڈاکٹر نے ابا کا بڑا ہی اچھا

علاج کیا۔۔۔ ڈاکٹر صاحب وہ بڑا ڈاکٹر بڑا ہی اچھا تھا جی "چھوٹا

ڈاکٹر مسکرا کر رہ گیا۔"

☆.....☆.....☆

معلومات

* قرآن مجید میں آسمان کا ذکر 123 بار آیا ہے
* زمین پر پہلا درخت کھجور کا پیدا کیا گیا
* بغیر پانی بیٹے چوہا، اونٹ سے زیادہ دنوں تک زندہ رہ سکتا ہے
* نر چھسکسی کو نہیں کاٹتا صرف مادہ چھسکاتی ہے
* ہائیل وہ شخص تھے جس کے ماں باپ تو تھے لیکن ناکوئی دادا تھے
ناکوئی نانا

رضیہ فیاض - صادق آباد

* پاکستان کا پہلا اسکہ 1948 کو ایجاد ہوا
* فلسطین کو پیغمبروں کی سرزمین کہتے ہیں
* ہالینڈ کو پھولوں کا ملک کہتے ہیں
* سوٹر کار 1768 میں ایجاد ہوئی

* تھائی لینڈ کے ایک چڑیا گھر میں ننھا ہاتھی سائیکل چلانا سیکھ چکا
ہے اور وہ اپنے کرتوں سے سیاحوں کو خوب محفوظ کرتا ہے اور اس
سے چڑیا گھر کی آمدن میں بھی خاصا اضافہ ہوا ہے

رانا ہادی - سعودی عرب

* دنیا میں جب سے زیادہ ایجادات تھامس ایڈیسن نے کیں
تھامس ایڈیسن نے کیں جن کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے
"انار"

* انار کھانا 40 روز تک شیطان کو غمگین کرتا ہے

* انار کھانے سے دوسوں کا نفسیاتی مرض دور ہوتا ہے

"زعفران"

* زعفران کے استعمال سے ہاضمہ ٹھیک ہوتا ہے اور بھوک بڑھتی
ہے * زعفران جوڑوں کے درد اور پیشگی بیماریوں کے لئے مفید ہے
فاطمہ عبدالخالق - فیصل آباد

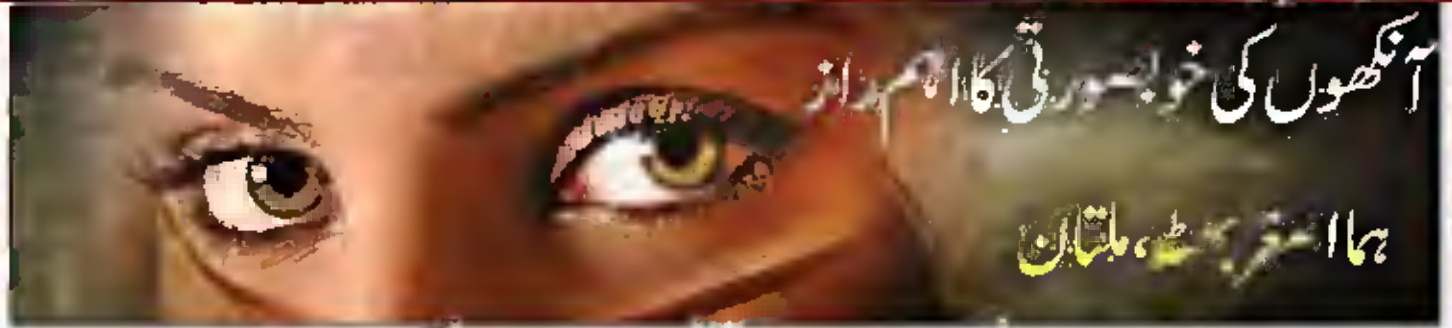
☆.....☆.....☆.....☆



شانزے پھوپھو کے ساتھ بازار شاہینٹ کے بعد
بضد تھی کہ اسے چارٹ کہانی ہے۔ پھوپھو صحت و بھلائی کی نہایت
پابند تھیں۔ آرڈر دیتے ہی انہوں نے پرس کنگھالا اور ایک عدد
چھج برآمدی۔ ساتھ بیٹھی لڑکی نید کیکہ کر ہنس دبا۔ مگر پھوپھو کے
چہرے کی ہوائیاں اڑی دیکھ کر شانزے گویا ہوا "کیا بات ہے
پھوپھو پریشان ہیں۔؟"
"ہاں گلاس گھر رہ گیا۔" جس پر شانزے نے تمسخر انداز میں کہا
"اب آپ کیا کریں گی۔۔؟"
پھوپھو نے شانزے کو گھورا اور جگ اٹھا کر منہ کے ساتھ لگا لیا۔
اردگرد سے کھیانی ہنسی کی آوازیں گونجنے لگیں۔

☆.....☆.....☆.....☆

سعودی عرب ایسا ملک ہے جہاں کوئی پھوپھو نہیں ہے



آنکھوں کی خوبصورتی کا اہم دراز

ہمارے مریض، ملتان

کریں۔ اس سے آئی انجیلیشن کا خدشہ لگا رہتا ہے۔ گھر کی بڑی بوڑھی عورتیں نیم لہسن کا کا جل تیار کرنے کا فن جانتی ہیں۔ بہتر رہے گا کہ بڑی اور معمر عورتوں سے کا جل بنا لیں۔ نیم کے پھولوں سے تیار کردہ کا جل آنکھوں کی صحت کیلئے بہتر مانا جاتا ہے۔ زچہ اور بچہ دونوں کو یہی کا جل تجویز کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کا جل سازی کے طریقہ سے واقف نہیں ہیں تو یہ منصوبہ ترک کر دیں۔ بازار سے معیاری کا جل خرید کر اسے استعمال کریں۔ بدلتے موسموں کی بدولت جہاں زندگی میں کئی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں وہیں جلد پر بھی بہت سے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بات اگر موسم گرما اور برسات کی ہو تو یہ موسم تو ایسے بھی خواتین کیلئے خاصا مشکل ہوتا ہے۔ جس اور تیز گرمی کی وجہ سے جلد کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سورج کی تیز شعاعوں سے نہ صرف رنگت سیاہ پڑ جاتی ہے بلکہ چہرے کی شادابی ختم ہو جاتی ہے۔ خواتین تھوڑی سی کوشش کریں تو نہایت خوش اسلوبی سے اس مرحلے سے گزر سکتی ہیں اور گرمیوں کے موسم میں بھی خوبصورت اور بارونق چہرے کی مالک بن سکتی ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں اپنی جلد کو نکھارنے اور تازہ رکھنے کیلئے پانی زیادہ سے زیادہ پیئیں۔ اپنے چہرے کی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔ دن میں کم از کم چار مرتبہ منہ دھوئیں۔ اگر ہو سکے تو نیم کے بتوں کو پانی میں ابال لیں۔ اس سے چہرہ دھوئیں اس طرح چہرے کی صفائی کے ساتھ ساتھ مہاسوں میں بھی کمی آ سکتی ہے۔ اپنے چہرے کو دھوپ کی تیز شعاعوں سے محفوظ رکھیں۔

کا جل ہر زمانے میں مقبول رہا ہے۔ عرصہ دراز سے خواتین کا جل کا استعمال کرتی رہتی ہیں۔ قدیم تہذیب میں بھی اس کے استعمال کا ذکر موجود ہے۔ 70 کی دہائی کی فلموں میں بالی ووڈ کی ہیروئینیں کا جل کے ساتھ دیکھی گئی ہیں۔ کا جل آنکھوں کی خوبصورتی میں اضافہ کا کام کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی کے دل میں بسنے کیلئے آنکھوں کا خوبصورت ہونا بہت ضروری ہے۔ کا جل آنکھوں کی خوبصورتی میں اضافہ اور اس کو پُرکشش بنانے میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کا جل آنکھوں کو رعنائی بخشتا ہے اور اسے جاذب النظر بھی بناتا ہے۔ آئی میک اپ میں کا جل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کا جل کی باریک لکیر نہ صرف خوبصورت آنکھوں کو نمایاں کرتی ہے بلکہ یہ آپ کے چہرے کو چمک اور رونق بھی بخشتی ہے۔ کا جل کا استعمال مختلف امراض کے علاج میں بھی کیا جاتا ہے۔ کا جل لگانے سے آنکھیں نرم تاثر دیں گی بلکہ چہرہ بھی خوشنما دکھائی دینے لگے گا۔ کا جل لگانے سے قبل آنکھوں کو ٹھنڈے پانی سے دھولیں تاکہ پلکوں اور آنکھوں کے اطراف گرد صاف ہو جائے۔ آنکھوں کے اطراف جلد خشک ہے تو آپ موٹیوچر ائزنگ لوشن لگائیں یا اس لوشن کا آنکھوں کے اطراف ہلکا مساج کریں۔ اس کے خلاف آپ کی جلد روغنی ہے تو آپ اس شکایت کو دور کرنے کیلئے پاؤر بھی استعمال کر سکتی ہیں۔ بازار میں کا جل کے مختلف برانڈز دستیاب ہیں مگر معیاری کا جل ہی خریدیں یا پھر گھر میں کا جل بنائیں۔ غیر معیاری اور مستحکم کا جل قطعی استعمال نہ

Life is nothing without LOVE . . .

کالم

از قلم: شازیہ کریم

محبت

قرب نہیں ملتا۔ پھر اللہ پاک ہر چاہ سے، ہر آہ سے نجات دے دیتا ہے۔ فقط نظر میں رہتا ہے تو صرف اور صرف محبوب کی رضا، اس کی خوشنودی۔ یہ آج کل کی محبت، محبت نہیں ہے۔ یہ محبت کے نام پر ظلم ہے اور ہر ظالم پر اللہ الودود کی لعنت ہوتی ہے۔ رب کی رضا سے جدا نفس ہمیشہ ظلم ہی کرواتا ہے۔ غلام بن کر نفس ہمیں، ہمارے ہی ہاتھوں ذلیل و خوار کرواتا ہے۔ ہمارا خود ہم پر ظلم ہی تو ہوتا ہے یہ کہ ہم خود ہماری خیر کا دشمن بنا دیتا ہے۔

سوچ لے اے انسان محبت میں ظلم رب کو پسند نہیں۔ مہرباں ہو کر رحم کر کے رب کے ہو جایا خواہشات بیمار نفس کے جو کہ سراسر تمہارا خود پر اپنی جان پر ظلم ہی تو ہے۔ جو محبت سیدھی راہ سے بھٹکا کر آپ کو اپنے رب سے دور کر دے، شیطان کے بتائے راستے پر چل کر جھوٹی خدائی پر لے آئے یہ محبت نہیں محبت کے نام پر کیے جانے والا نفس کا تم پر ظلم ہے، شیطان کی چال ہے۔

استغفر اللہ۔۔ کیا محبت کرنے والے نہیں آگاہ شیطان کے وار سے؟ اس کی چالوں سے؟ شیطان محبت کے لبادے میں اپنا فرض نبھار رہا ہے اور محبت کے نام پر ظلم کر رہا ہے۔ جان لو اللہ الودود محبت کرتا ہے، محبت کو پسند کرتا ہے اور محبت کے نام پر ظلم کرنے والوں کو کبھی بھی معاف نہیں کرتا۔ جو رب سے توڑے، دور کرے وہ محبت نہیں اے انسان۔۔

دفا دالے خود سپردگی والے ہوتے ہیں، صبر کرنے والے ہوتے ہیں، وہ جلد باز ظلم کرنے والے نہیں ہوتے۔ وہ محبت کے نام پر ظلم نہیں کرتے، مگر دفریب نہیں کرتے۔ ظالم نفس وانا ظلم کرواتا ہے، محبت نہیں۔ محبت تو ایک خوبصورت عطا ہے حسین رب کی۔ محبت ہوس اور بکر و فریب سے پاک ہوتی ہے۔ محبت تو شکر کے، وفا کے اور اپنے رب کے قرب کا ذریعہ ہے۔ ہاں دیکھا گیا ہے

بیمار ظالم نفس محبت کے نام پر ظلم کرواتا ہے لیکن یہ محبت نہ ہوئی خود اپنے لئے اپنی ذات پر ظلم ہوا۔

محبت تو رب سے جوڑتی ہے، امید سے جوڑتی ہے، جبر نہیں کرواتا۔ جبر کرنے والے صبر نہیں کرتے اور صبر نہ کرنے والے خود سپردگی نہیں دیتے۔ محبت کرنے والے شیطان بیمار نفس کے جال میں نہیں آتے وہ صرف ایک کے ہوتے ہیں۔ جو ایک کا ہو جاتا ہے سب اسکا ہو جاتا ہے وہ محبوب سے راضی بارضار ہتا ہے شکوے شکایتوں سے آزاد دل عاجزی و انکساری سے شکر کا کلمہ پڑھتا ہے۔ دل کو جھکانا پڑتا ہے۔ دل جھک جانے کے لئے اخلاص و سادگی و عاجزی کا ہونا ضروری ہے۔ مگر دفریب سے پاک دل چاہیے ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں اخلاص اور اچھی نیت سے زیادہ کوئی عمل مقبولیت نہیں رکھتا۔ ایسے ہی محبت و



تحریر خضر حیات مولن

شیخ رضی الدین اوپل 7 مئی 1964 کو فیصل آباد میں پیدا ہوئے
میشرک 1980 میں فیڈرل پبلک سکول ملتان سے اور گریجویٹیشن
1992 میں کی۔ شاعری کا آغاز 1978 میں کیا ان کی شخصیت
کی کئی جہات ہیں وہ شاعر، ادیب محقق ہونے کے ساتھ ساتھ
گزشتہ 35 برسوں سے صحافت سے بھی منسلک ہیں اور سربراہ،
اے پی پی اردو سروس ملتان، سابق سربراہ شعبہ تحقیق ویب ٹی
وی، سابق میگزین ایڈیٹر روزنامہ جنگ ملتان، سابق ڈپٹی نیوز
ایڈیٹر روزنامہ جنگ ملتان اور سابق ڈپٹی نیوز ایڈیٹر روزنامہ نوائے
وقت بھی ہیں ان کے ادبی اٹالے میں تقریباً سوا درجن کے لگ
بھگ کتب ہیں جن میں سے چند ایک کے نام۔ وابستگان ملتان،
الگ، آدھاج، تمہیں دل میں بسانا ہے، جتنا دھڑکا ہوں تیرے
سینے میں۔ ان کے فن اور شخصیت پر زکریا یونیورسٹی ملتان اور خواتین
یونیورسٹی ملتان میں تحقیقی مقالے بھی تحریر کئے جا چکے ہیں
رضی الدین رضی ادبی دنیا میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔
ہم ایسے لشکری اس جنگ میں ہتھیار کیوں ڈالیں
کہ ایسا کام تو اپنے سپہ سالار کرتے ہیں

☆☆☆☆

محبت تو رب سے جوڑتی ہے۔ تاریکی سے نکال کر روشنی میں لاتی
ہے۔ موت میں زندگی دیتی ہے، سکون دیتی ہے۔ شیطان تو گمراہ
کر رہا ہے تا قیامت وہ یہی کرتا رہے گا۔ محبت کے نام پر یہ ہم
نے سمجھنا ہے کہ محبت تو صفت ہے اس پاک ذات کی جو عالم و
ارواح کا سفر طے کرواتی ہے، رب سے ملواتی ہے۔ محبت کے ہر
پردے میں اللہ ہے، اسکی تلاش ہے اور یہ جذبہ اتنا خالص ہے کہ
جس دل میں ڈالتا ہے اسے اپنا بنا لیتا ہے۔ وہ اسے اپنی چاہ اپنی
تلاش کا احساس عیاں کرواتا ہے کہ مجاز کی محبت درپردہ آزمائش
ہے اور راستہ ہے اس رب تعالیٰ تک پہنچنے کا۔ وہ مجاز کی محبت اس
کی بے وفائی کے ذریعے سے انسان کو اپنی محبت اپنے ہونے کا
احساس کرواتا ہے پھر تم آنکھوں میں اشکوں کی روانی پیدا کر کے
پاک کر کے دل اور آنکھوں کو اپنی محبت کی جلا بخشا ہے۔ پھر دنیا
کی ہر آلائش سے پاک کر دیتا ہے۔ اسے اپنی چاہ سونپ دیتا ہے،
روتی آنکھوں میں توزس قزح کے حسین رنگ بھرتا ہے کیونکہ اللہ
محبت کو پسند کرتا ہے۔

جیسے اندھیرے میں تارے جگمگاتے ہیں۔ محبت بھی مرگی میں
زندگی دیتی ہے۔ جس دل میں محبت ہو وہ ارض و سماں کی وسعت
جتنا اعلیٰ ظرف، صابر اور عاجز ہوتا ہے۔ وہ ظالم نفس سے نکل آتا
ہے اور اللہ کا ہو جاتا ہے اور جو اللہ کا ہو جاتا ہے وہ اپنے سچے رب
جیسا سچا ہو جاتا ہے۔ مکر و فریب نہیں کرتا محبت کے نام پر جو
آجکل ہر محبت میں ہوتا ہے۔ یہ محبت نہیں ہے اسے انسان یہ
شیطان کا تم پر تمہارے نفس کا ظلم ہے تو بہ معاذ اللہ محبت یہ نہیں
سکھاتی محبت تو صبر عاجزی و انکساری سکھاتی ہے، رب سے ملاتی
ہے، ہر مکر، ہر جال سے بے نیاز ہوتی ہے۔

☆☆☆☆

جب تک ہم خود انصاف نہیں کریں گے

تحریر: مسز جہتمسید خاکوانی



Email: khushbooonline@gmail.com Khushboo Online Digest 0300-7198339

کہ عالی وقار سن سکتے ہو تو سن لو جب کوئی جاگیردار کسی غریب مزارع کی بیٹی کو اٹھا کے لے جاتا ہے تو اس ظلم پہ آسمان بھی روتا ہے لیکن میں اس سے پوچھتی ہوں ظالم جاگیردار کبھی خود لڑکی اٹھانے نہیں جاتا اس کے ساتھ اس کے کارندے ہوتے ہیں یا لڑکی اٹھانے صرف کارندے جاتے ہیں جو ایک جاگیردار کے ایما پر اپنے ہی جیسے کسی غریب کی بیٹی کو اٹھا کے جاگیردار کے عشرت نگدے میں پہنچاتے ہیں وہ کارندے تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں وہ اس ظلم سے انکار نہیں کرتے کیوں؟

ایک ظالم چوہدری کسی غریب کا شکار پرکتے چھڑو وارہا ہوتا ہے وہ یہ کہتے خود نہیں چھوڑتا اس کے پالنے ملازم چھوڑتے ہیں وہ خود بھی غریب ہوتے ہیں تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں وہ چوہدری کو اس ظلم سے باز نہیں رکھتے بلکہ قہقہے لگاتے ہیں کیوں؟

ایک محلے کے اندر ایک جعلی دودھ بنانے والی فیکٹری لگتی ہے محلے کے کچھ لوگ اس میں ملازمت بھی حاصل کر لیتے ہیں وہ اپنے ہاتھوں سے بیڑہریلا دودھ بناتے ہیں جو قوم کے معصوم بچوں کے حلق سے اتارا جاتا ہے وہ جانتے بھی ہیں اور تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں لیکن وہ اس ایک مالک کو اس گھناؤنے جرم سے باز نہیں رکھتے کیوں؟

اگر ہر انسان خود کو دوسرے کی جگہ پر رکھ کر سوچے تو اس سے کبھی بے انصافی نہ ہو ہم سب کا المیہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کو تو الزام دینے میں جلدی کرتے ہیں لیکن اپنا قصور قبول نہیں کرتے یہ ہماری کمزوری ہے یا مجبوری یا خود غرضی یا معاشرے کا جبر لیکن ہم کبھی بھی اس وقت تک معاشرتی رویوں کو تبدیل نہیں کر سکتے جب تک ہم سب اپنے اپنے کردار ادا نہ کریں جو بحیثیت انسان ہم پر واجب ہوتے ہیں یہ ٹھیک ہے کہ حق کی راہ بڑی کٹھن ہوتی ہے اس پر چلنا آسان نہیں لیکن جب لوگ چلتے رہتے ہیں تو کاروان بنا رہتا ہے تب منزل ملتی ہے ورنہ یہ جذباتی تقریریں، اصلاحی تحریریں، فنی طور پر واہ واہ تو کرا سکتی ہیں ان سے معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں۔

یا پھر ہم کسی ایک آدمی کے پیچھے لگ جاتے ہیں کبھی اسکی بے جے کار کرتے ہیں اس کو سر پہ بٹھا لیتے ہیں لیکن اس خاکی پتلے سے ذرا سی غلطی ہو اسے زمین پہ دے ماریں گے تعریفوں کے پھول گالیوں کے پتھر بن جاتے ہیں کہ وہ بے چارہ یہ پتھر سبہ سبہ کر یا تو خود بھی پتھر بن جاتا ہے یا آگے چلنے سے تو بہ کر لیتا ہے اس لیے ہمیں آج تک اچھی قیادت نصیب نہیں ہوئی کیونکہ ہم کسی کو اچھا رہنے ہی کب دیتے ہیں ذرا سوچے ایک لڑکی تقریر کر رہی تھی

اور تنخواہ وصولنا ہوتا ہے وہ جانتے ہیں ہم اپنی نئی نسل کو تباہ کر رہے ہیں لیکن وہ اپنی روش نہیں بدلتے کیوں؟
ڈاکٹر کو اپنے پیٹے سے عشق ہوتا ہے وہ انسانیت کی خدمت کا درس لے کر اس فیلڈ میں آتا ہے لیکن جب وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ انسانیت کو فائدہ پہنچا سکے وہ اپنا فائدہ سوچنے لگتا ہے اپنا کلینک اپنا ہسپتال کھڑا کرنا لمبی فینسیس بڑونا، گھنٹوں مریضوں کو انتظار کرنا، ان کی آہوں چیخوں سے صرف نظر کرنا اس کا وظیرہ بن جاتا ہے وہ کبھی یہ نہیں سوچتا کہ اگر میں ہفتے کا صرف ایک دن غریب مریضوں کے لیے وقف کر دوں ان سے فیس نہ لوں اس کا اجر اللہ دے گا لیکن وہ ایسا نہیں کرتا کیوں؟

ہسپتال مریضوں سے بھرے ہوتے ہیں اس کے مقابلے میں ڈاکٹر کم ہوتے ہیں نائٹ ڈیوٹیوں نے انہیں بے حال کیا ہوتا ہے بڑے ڈاکٹروں کی عدم موجودگی انہیں کنفیوز کر دیتی ہے کئی مریض ان سے سنبھلتے نہیں جن کی جان چلی جاتی ہے لیکن مریضوں کے لواحقین یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس ڈاکٹر کو ان سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی اس ڈاکٹر کا گریبان پکڑ لیتے ہیں اس پر تشدد کرتے ہیں توڑ پھوڑ کرتے ہیں، کیوں؟ ایک وکیل یہ جانتا ہے کہ اس کے پاس آنے والا سائل اس کی ذمہ داری ہے وہ اس سے لمبی فینسیس بڑورتا ہے اور لمبی لمبی پیشیاں ڈلواتا ہے وہ جانتا ہے یہ سائل اپنا مال مویشی بیچ کر یا گھر گروی رکھ کر یا سو پے رقم اٹھا کر اس کی فیس بھر رہا ہے لیکن وہ اس پر ترس نہیں کھاتا کیوں؟ ایک حج جو انصاف کی کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے وہ عرش کے سائے میں ہوتا ہے اس پر بڑی ذمہ داری ہوتی ہے لیکن وہ کسی صاحب اقتدار کی تڑی پر یا کسی بدمعاش کے خوف سے یا دزنی لفافہ وصول کر کے انصاف کا خون کر دیتا ہے اس کو اللہ کا خوف نہیں آتا کیوں؟ ایک دکاندار یا کاروباری تاجر جو گرا ہینا نثار ہو تو

ایک ادارے میں کرپشن ہو رہی ہے سینکڑوں ملازم دیکھ رہے ہیں یہاں غلط کام ہو رہا ہے لیکن وہ تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود اس ترم کی راہ نہیں روکتے کیوں؟
جعلی اور بوگس ووٹوں کی وجہ سے ایک سچا آدمی اپنی سیٹ سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ ضمانت ضبط کروا بیٹھتا ہے صرف اس لیے کہ اس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے اس کے پاس غنڈے بدمعاش نہیں ہوتے اور ایک کرپٹ، لٹیرا، بدمعاش وہی سیٹ آسانی سے جیت لیتا ہے حلقے کے لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس میں دھاندلی ہوئی ہے خاموش رہتے ہیں سچ کے ساتھ کھڑے نہیں ہوتے کیوں؟

ایکشن کمیشن قوم کے ٹیکسوں پر پلنے والا ایک ادارہ ہے وہ جانتا ہے ایکشن میں کس نے دھاندلی کی کس نے اٹھائے چھپائے کون نا جائز دباؤ ڈال رہا ہے وہ یہ سب جان کر بھی اس دھاندلی کا حصہ بن جاتا ہے کیوں؟ عوام کے ووٹوں سے بنی پارلیمنٹ جس میں بیٹھے سب وزیر مشیر ارکان اسمبلی عوام کے خون پسینے کی کمائی پر عیش کر رہے ہوتے ہیں فری بجلی، فری گیس، فری گاڑیاں، فری بیئر دل فری علاج معالجہ فری کھابے، مفت کے فارن ٹور دورہ کبھی یہ نہیں دیکھتے کہ حکومت نے ان سے ڈیبٹ، بجوا کے جوہل پاس کروایا ہے، وہ ہے کیا کہیں اس میں غریب عوام کو رگڑا تو نہیں لگایا گیا کہیں ملکی سلامتی کو داؤ پر تو نہیں لگایا گیا وہ بل کی کاپی پڑھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے کیوں؟

سکولوں میں پڑھانے والے اساتذہ جو خود نان کو ایفانڈ ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہم صرف تنخواہیں وصول کرنے آتے ہیں کیونکہ بچے یا تو ٹیوشن پڑھتے ہیں یا ماں باپ کو سرکھپانا پڑتا ہے ان کا کام صرف ہوم درک دینا، آئے روز طرح طرح کے فنڈز لینا

ہیں جو مسجدوں کو امن کی بجائے سازشوں کا گہوارہ بنا دیتے ہیں جو معصوم بچوں کو اپنے اپنے مسلک کا پیر و کار بنا کر دین کو متنازعہ کر دیتے ہیں وہ دین جس کے لیے اللہ کے رسول نے اپنے آخری خطبے میں کہا تھا دین کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی نہیں بھٹکے گئے لیکن وہ بھٹک گئے ہیں کیوں؟ ایک ہمارے قلم کے جادوگر ہیں جن کو اللہ نے قلم کی قسم کھا کر ان کے ہاتھ میں قلم تمھایا ہے وہ آج سب سے زیادہ برائیوں میں لتھڑے ہوئے ہیں عیش و عشرت کے لیے اپنے منصب سے گر گئے ہیں وہ کہتے ہیں اگر کرپٹ سیاستدان ختم ہو گئے تو ہماری روزی روٹی کا کیا ہوگا اگر کوئی ایماندار لیڈر آ گیا تو وہ سب سے پہلے ہمیں جیلوں میں ڈالے گا اپنے قلم سے معاشرتی برائیوں کے خلاف جہاد کرنے والے صرف لفافوں اور پلازوں میں بٹ گئے ہیں کیوں؟ جب میں ان سب سے مایوس ہوتی ہوں تب مجھے صرف ایک ہی ادارہ باقی بچا نظر آتا ہے وہ ہے پاک فوج، جس کی کوئی ذات نہیں، جس کا کوئی مسلک نہیں، جو اپنے ملک کی حفاظت کے لیے جانیں قربان کرتی ہے جو اپنی تنخواہ بڑھانے کے لیے کبھی سڑکوں پہ نہیں آتے، جو ہر لمحہ ملک و قوم کی حفاظت کے لیے چوکس رہتے ہیں جو اپنی قوت، اپنی استعداد یہ سوچ کر بڑھاتے ہیں کہ دشمن کا مقابلہ کر سکیں نہ کہ تنخواہ بڑھائیں جو ملک اور ملک سے باہر اپنے وطن کے سفیر ہوتے ہیں جن کے سینے پر صرف ان کا نام لیکھا ہوتا ہے عہدہ نہیں وہ سپاہی مقبول حسین ہو یا آرمی چیف راجیل شریف جو پاکستان زندہ باد کہنے کے لیے جان لٹا دیتے ہیں اور مردہ باد نہ کہنے کے لیے زبان کٹوا دیتے ہیں!

☆.....☆.....☆.....☆

اللہ کے نبی کے ساتھ کھڑا ہوگا لیکن وہ جانتے بوجھتے غلط مال بیچتا ہے دو نمبریاں کرتا ہے ٹیکس بچاتا ہے فراز کرتا ہے اس کو اپنے مرتبے کا پاس نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے نبی کے ساتھ کس طرح کھڑا ہوگا کیوں؟ معاشرے میں حرام حلال کی تقسیم کے ذمہ دار لوگوں کو مری ہوئی مرغیاں، بیمار جانوروں کے گوشت، حتیٰ کے کتے اور گدھے تک کھلا رہے ہیں ان کو ان کا ضمیر ملامت نہیں کرتا کیوں؟ ہمارے حکمران جو خدا کا سایہ کھلاتے ہیں ان ساری برائیوں کے ذمہ دار ہیں یہ کوئی جواب نہیں ہے کہ فلاں نے ایسا کیا تو ہم کیوں نہ کریں جو اگر چاہیں تو ہر برائی کو اپنے قلم کی ایک نوک جنبش سے ٹھیک کر سکتے ہیں وہ اپنے عہدے پر ملک و قوم کی بھلائی کا حلف اٹھا کر براہمان ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے ہی بنائے قانون سے کھلوڑ کرتے ہیں عوام کا استحصال کرتے ہیں قومی خزانے کا بے دردی سے استعمال کرتے ہیں اپنی جاننا دیں بناتے ہیں قوم کو بھوک ننگ اور قرضوں میں جکڑ دیتے ہیں قوم کی حفاظت کرنے والوں کو صرف اپنی حفاظت پر مہمور کر دیتے ہیں جس عوام کی کمائی خرچ کرتے ہیں ان کے قریب جانا گوارہ نہیں کرتے صرف ووٹ مانگتے وقت شکل دکھاتے ہیں ان کو اس فعل پر کوئی شرمندگی نہیں ہوتی کیوں؟ پولیس کا ہے فرض مدد آئی لیکن وہ لوگوں کی چھتیں ٹاپتی چادر اور چادر پواری کا تقدس پامال کرتی نظر آتی ہے جعلی مقابلوں میں لوگوں کو پار کرنا ملزموں کو مجرم بنانا ان کے ہاتھ ہاتھ کا کھیل ہے اپنے اس شرمناک کردار پر انہیں کوئی شرمندگی نہیں ہوتی کیوں؟ ہمارے علمائے دین جن پر امت کی رہنمائی کا فریضہ عائد ہوتا ہے وہ اس کام کو چھوڑ کر صرف پلائوں اور پرمٹوں کے پیچھے بھاگتے نظر آتے ہیں اپنے گھر میں ہر وزارت کا مزہ چھلکنا چاہتے ہیں جو لفافہ لیکر فتوے بیچتے ہیں جو احترام آدمیت کا درس دینے کی بجائے فساد اور فحش پھیلاتے

سندیسے

امائیدہ سرور اور عائشہ

مہینہ گزرا

السلام علیکم !

ٹائٹل کو مزید پرکشش بنایا جائے . کچھ سلسلے اور متعارف کروائے جائیں . مارکیٹ میں اسے جلد از جلد لایا جائے . شازیہ کریم کی تحریر " اللہ اور بندے کا تعلق " بہت اچھی لگی . امرینہ سہیل کو ان کی سولفنی کہانی " بھوک " کے لیے ڈیہروں داد . سحرش علی نقوی کی تحریر میں معاشرے کی حقیقت بیان کی گئی ہے . لوگ صورت دیکھتے ہیں سیرت نہیں . ان کی تحریر بہت اچھی تھی . شائلہ زاہد کی تحریر خوب تھی . عریشہ سہیل نے کشمیر پر بہت اچھی تحریر لکھی . فاطمہ عبدالخالق کی تحریر ہمیشہ ہی بہترین ہوتی ہے . کبری نوید کی تحریر زبردست تھی . پردیسی نہ آئے " تحریر سنے کے لیے کبری نوید کو میری طرف سے بہت بہت داد . بہت اچھا لگتی ہیں . خضر حیات مون کی تحریر ڈاکٹر نجمہ کے متعلق زبردست تھی . سحرش (انی کی سولفنی کہانی بہت پسند آئی . ریمانور رضوان کی تحریر " محبت ہوئی مہربان " زبردست تھی . سعادت حسن منٹو کی تحریر " طلاق " عمدہ انتخاب تھا . زویا حسن کی تحریر خوب تھی . آبرو قبیلہ اقبال کی شاعری بہت اچھی تھی . مزید کوشش کر کے آپ اپنی شاعری میں کافی حد تک کھار پیدا کر سکتی ہیں . کبری نوید کی شاعری بھی قابل تعریف ہے . محمد ہاشم میوسیالکوٹی کی شاعری بہت عمدہ ہے . ان صاحب کو میری طرف سے خوب داد . امجد اسلام امجد اور پروین شاکر کی شاعری کا انتخاب زبردست تھا . ملائکہ خاں ، پارس میمن ، فرح بھٹو ، فاخرہ انجم ، شامہ افتخ اور انعم ریاض کی شاعری قابل تعریف ہے .

خوشبو جیسے ہی ملا ، پڑھ ڈالا ہر تحریر معیاری اور اعلیٰ تھی عقیدہ کہانی پڑھ کر لوگوں کی سوچ پر فسون ہوا ، امون کنول اور شازیہ کریم نے بہت خوبصورت انداز میں محرم الحرام کی اہمیت کو قلم زد کیا اللہ اور بندے کا تعلق ایک یادگار تحریر رہی .. بھوک اور سانولی معاشرے کی موجودہ البیہ کی نشاندہی کرتی تحریریں تھیں . حیا کی سزا ، بلا عنوان ، غلطی اور بونٹی چوڑیاں پڑھ کر دل کانپ اٹھا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے کشمیر پہ لکھی بنا تھا تحریر بلاشبہ وادی کے دل و دیوار سوگ میں ڈوبے ہوئے ہیں . اکت سز سہانا بالکل پسند نہیں آتی .. عورت کا گھر ، کونسا پردیسی نہ آئے ، سوہنی دھرتی اور درد اچھی کہانیاں تھیں نجمہ شاہین کے بارے میں جان کر اچھا لگا .. دھبہ ، پر سیا ، بھرم اور ہاتھ میرے خالی ہیں بہت زیادہ خوبصورت کہانیاں تھیں .. یادیں اچھا تبصرہ تھا شاعری تمام تر اچھی اور معیاری تھی .. بالوں کے بارے میں پڑھا مگر ہمارے بال خوبصورت تو پہلے ہی ہیں کوشش کی دریا کو کوزے میں بند کر کے تبصرہ لکھوں . جازت دیجئے فی امان اللہ فاطمہ عبدالخالق مدیرہ فاطمہ عبدالخالق آپ کا انداز بیان پسند آیا انشاء اللہ آپ کے محبتوں بھرے پیغام سب لکھنے والوں تک پہنچ گئے ہیں لکھتی رہا کریں .

آداب و تسلیمات !

سب سے پہلے میں خوشبو ڈائجسٹ کے منظر عام پر آنے پر ان کی ٹیم اور ان کے رامنٹرز کو مبارکباد پیش کرتا ہوں .. اگلے شمارے کے

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف
ایڈ فرس لنکس
ایک کلک سے ڈاؤن لوڈ
ڈاؤن لوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلو ڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مکمل ریجنج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

<http://twitter.com/paksociety1>

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Message

Get Notifications
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

See First
See new posts at the top of News Feed

Default
See posts as usual

Unfollow

اسلام و علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خوشبو آن لائن ڈائجسٹ جیسے ہی ڈائلوڈ کیا ایک سرسری سا جائزہ لینے کا ارادہ تھا کہ فرصت میں ضرور پڑھوں گی لیکن جیسے ہی ڈائجسٹ دیکھا بہت اچھا لگا جس کی پہلی وجہ بہت خوبصورت ڈیزائننگ تھی۔ اب آتی ہوں ذرا شاعری اور تحریروں کی طرف۔ تو جناب سب سے پہلے شائلہ زاہد کی تحریر حیا کی سزا پڑھی اور معاشرے کے اس بھیا تک روپ پہ بہت دل خفا ہوا۔ حیا کی ایسی بھیا تک سزا کہاں کا انصاف ہے۔

معزرت کے ساتھ بھرم کا ٹائل (تصویر بالکل پسند نہیں آیا۔ سحرش علی نقوی اور ریمانور رضوان کی تحاریر بھی اچھی لگیں۔ سحرش رانی آپ کی مختصر سی تحریر سوہنی دھرتی نے دل جیت لیا، مختصر تحریر خوبصورت پیغام۔

اقصی سحر اور کبری نوید کی تحاریر پڑھتے ہی آنکھیں بھیک گئیں بہت اچھی تحاریر اور اچھا پیغام اگر کوئی سمجھے تو۔ خدا را اپنے ماں باپ کی قدر کریں ان کے لیے باعث فخر بنیں۔ بچپن میں وہ آپ کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں تو ان کہ بڑھاپے میں اب آپ کی باری ہے کہ ان کی خواہشات کا خیال رکھیں اور یہ بات بھی ہم سے پنہاں نہیں کہ ان کی ہر خواہش بھی ہماری ہر خوشی سے وابستہ ہے۔ اپنے والدین کو وقت دیں۔ زندگی کی دو ڈو ڈھوپ میں اتنا مصروف نہ ہوں کہ سوائے بچھتاؤں کے کچھ کما نہ سکیں۔ چونکہ اقصی سحر اور کبری نوید کی تحاریر میں ماں کے بارے میں بتایا گیا تو ماں کے لیے ایک شعر عرض کروں گی جو کہ مجھے بہت پسند ہے یہ ایسا قرض ہے جو میں ادا کر ہی نہیں سکتی میں جب تک گھر نہ پہنچوں ماں میری سجدے میں رہتی ہے اب آتی ہوں شاعری کی طرف۔

حادیہ چوہدری کا کام بہت پسند آیا۔ ہما طاہر، اشک، گل رانا، نائمہ غزل، اقصی سحر، اروشا خاں، آمنہ ولید، عشوارانا، شمینہ سید، فوزیہ احسان، شمینہ کنول، سمیرا ستار اور عابدہ سبین آپ بھی محنت جاری رکھیں۔ آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ آخر میں میری ایک چھوٹی سی ریکویسٹ ہے کہ اگلے شمارے میں بہاولپور کے معروف شاعر استاذ اظہر فراغ صاحب کی کسی ایک غزل کو شمارے کی زینت بنایا جائے۔ میری شاعری پر بھی ضرور تبصرہ کیجیے گا۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

اسامہ زاہروی ڈسکہ سیالکوٹ مدیرہ..... خوشبو ڈائجسٹ میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں السلام علیکم! سب سے پہلے میں خوشبو ڈائجسٹ کو اس کے پہلے شمارے پہ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ انتظار تھوڑا طویل ہو گیا تھا مگر آج بالآخر ختم ہو ہی گیا۔ خوشبو کا پہلا قدم آج ادب کی دنیا میں پڑ ہی گیا۔ بہت خوشی ہوئی۔ عریشہ سہیل نے لنک سینڈ کیا تو میں نے فوراً ہی ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھنا شروع کر دیا۔ سب سے اچھی چیز جو مجھے لگی وہ تھی کپوزنگ اور بیک گراؤنڈ کلر۔ بہت اچھا کام کیا گیا۔ فاطمہ عبدالخالق کی تحریر بہت خوبصورت تھی۔ عظمیٰ علی صاحبہ نے بھی خوب رنگ جمایا۔ عریشہ سہیل نے کشمیر پہ اچھی قلم نگاری کی۔ خضر صاحب نے بھی خوبصورت الفاظ سے بہترین آغاز کیا۔ فوضیہ احسن رانا صاحبہ نے بھی اپنی تحریر سے دل جیت لیا۔ زویا احسن نے بھی اچھی تربیت دی۔

شاعری میں عریشہ سہیل، شہباز اکبر، آسیہ مظہر اور اقرعابد نے خوب شاعری کی۔ قارئین اور نگاروں کے لیے نیک خواہشات۔

سلمان بشیر

مدیرہ..... خوشبو ڈائجسٹ میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں



سانس کی بیماریاں کئے لئے

ایک چھوٹی پیاز کا رس اور بڑی الائچی کو
توڑے پر بھون کر اس کے دانے نہار منہ
کھالیں، سانس کی بیماری کے لئے
انتہائی مفید ہے!

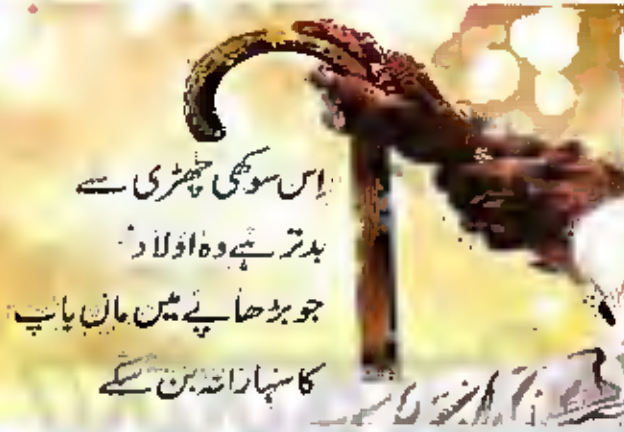
KF@DS@

by Zubaida Tariq

گرہوں کی پتھری کا گھر بلوغت!

ہر ادویہ کی تازہ گڑی کو اسکی ڈنڈی سمیت
گراؤنڈر میں اچھی طرح پس لیں،
پھر اس کو چھان کر کسی بوتل میں محفوظ کر لیں،
پانی اتنا ملائیں کہ چھاننے کے بعد
ایک گلاس بھر جائے!
ہر صبح ایک گلاس نہار منہ پی لیں!
انشاء اللہ 15 سے 20 دن میں وہ پتھری
نوٹ کر نکل جائے گی!

KF@DS@



اس سوکھی چھتری سے
بدتر ہے وہ اولاد
جو بڑھاپے میں ماں باپ
کا سہارا بن سکے

سب سے پہلے اپنی شاعری دیکھی۔ ایڈیٹنگ کی کچھ غلطیاں تھی
لیکن پھر بھی بری نہیں لگیں کیونکہ ڈائجسٹ کی محنت اور خوبصورت
ایڈیٹنگ کے بعد شکوہ کرنا انصاف نہیں تھا۔ خیر ارشد دیا جیم
اسامہ زاہروی سیدہ عراج فاطمہ اور کبری نوید کے اشعار پسند
آئے۔ طفیل بھٹی اور نائمہ غزل کی شاعری بہت پسند آئی۔
دعا ہے کہ اللہ پاک آپ خوشبو ڈائجسٹ ٹیم کو اور تمام قارئین کو
کامیابیاں اور کامرانیاں نصیب عطا فرمائے۔ آمین

جزاک اللہ منجانب: آبرو نبیلہ اقبال

مدیرہ..... خوشبو ڈائجسٹ میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں

السلام علیکم

تبرہ

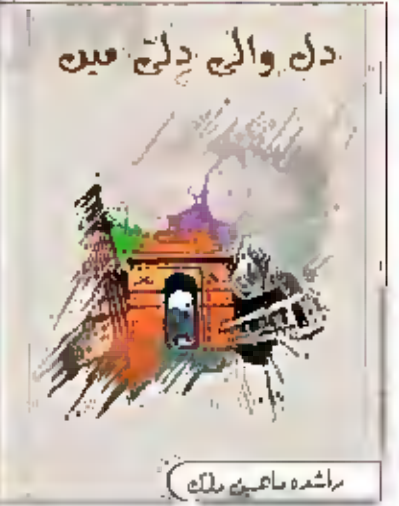
پر دیکھی نہ آئے از قلم کبری نوید

میں نے پہلی دفعہ آپ کی کوئی تحریر پڑھی ہے اور آپ کے انداز
تحریر نے مجھے بہت متاثر کیا۔ یوں تو اس موضوع پہ بہت سے
لکھاری قلم اٹھا چکے ہیں لیکن آپ نے ماں کے مقام کو جس منفرد
انداز سے بیان کیا ہے اس پہ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ آپ
کی کہانی سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنی خواہشات پس پشت
ڈال کر والدین کی خواہشات اور خوشیوں کو ترجیح دینی چاہیے ورنہ
پچھتاوا ہی ہمارا مقدر بنتا ہے۔ اس سے بڑی بد قسمتی انسان کی کیا
ہوگی کہ اس کے دیے ہوئے دکھ کی وجہ سے اس کی ماں دنیا سے
چلی جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمارے والدین کا فرمانبردار اور ان کی قدر
کرنے والا بنائے۔ آمین

عزیزہ سہیل

مدیرہ..... خوشبو ڈائجسٹ میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں



سانولے سانولے لوگ تھے..... پلیٹ فارم پر کمزور و ناتواں لوگوں کا بے پناہ روش تھا جن میں عورتیں بھی شامل تھیں..... بے شمار لوگوں کو برے حالوں میں بیٹھا ہوا دیکھا..... امرتسر اسٹیشن کی حالت دگرگوں تھی

فرغانہ کے مغل فرماں روا ظہیر الدین بابر نے اپنی طاقت کے بل پر ہندوستان فتح کیا..... اور اس کی اولاد نے تین سو سال سے زیادہ ہندوستان پر حکومت کرنے کے بعد ایک



عظیم سلطنت نااہلی اور عیاشیوں کی نذر کر دی علامہ اقبال نے کیا خوب کہا کہ آجھ کو بتاں میں تقدیر امم کیا ہے.....؟ شمشیر سناں اول طاس در باب آخر۔

مجھ سے ہوتا ہی نہیں ترک شوق سفر سو میں کرتی ہی نہیں دل کو جنوں سے خالی

معروف شاعرہ پروفیسر راشدہ ماہین کا خوبصورت سفر نامہ جوان کے ہندوستان کے سفر اور نگہنوشاعرے میں شرکت کی دلچسپ داستان ہے جس میں جا بجا ان کی غزلوں نے خوب رونق لگائی ہوئی ہے میر وغالب کے شہر میں جا کر وہ خود کو اسی دور میں محسوس کرتی رہیں اور اس حوالے سے کچھ تاریخی واقعات کا ذکر بھی سفر نامہ میں موجود ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں..... قاری بھی خود کو گویا ساتھ ساتھ سفر میں محسوس کرتا ہے کہ وہی کیفیات اس پہ بھی طاری ہوتی جاتی ہیں جو راشدہ نے وہاں لمحہ بہ لمحہ محسوس کیا اور پھر ان محسوسات کو اپنے خوبصورت الفاظ کے قالب میں ڈھال کے ہمارے حوالے کیا کہ ہم ان خوبصورت واقعات، مناظر، کیفیات کو پڑھتے ہوئے محسوس کر سکتے ہیں راشدہ ماہین کے سفر نامے سے کچھ اقتباسات

میں انڈیا کے بارے میں فلمیں دیکھ دیکھ کر ایک ذہن بنائے ہوئے تھی کہ وہاں ہر طرف کترینہ کیف، کرینہ کپوری الہڑ ماڈرن سی لڑکیاں اور سلمان خان، عامر خان اور شاہ رخ نظر آئیں گے..... مگر یہاں ایسا کچھ بھی نہ تھا..... ہر طرف

فرین میں سوار ہوئی تو مجھے نواب واجد علی شاہ متخلص بہ اختر کی
بحیثیت پاجولائ قیدی کلکتہ
روانگی کی یاد آئی کہ بے
ساختہ مجھے ان کا یہ شعر
آ گیا جو انہوں نے لکھن
سے رخصت ہونے پر کہا
تھا"

درد دیوار پہ

حسرت کی نظر کرتے ہیں



ابھی ہم مغلوں کو پر شکوہ عظمت رفتہ کی یادگار لال قلعہ دہلی
میں ہی تھے کہ آنا "فانا" تیز
آندھی چلی
اور بارش کے تیز چھینٹے پڑنے لگے
..... بہت گرمی
تھی..... بارش سے موسم
خوشگوار ہو گیا..... لال قلعہ کے
سرخ پتھر بارش سے دھل کر چمکنے
لگے..... پتھر دیکھ کر مجھے

سرت ہوئی.....

کہ ہندوستان میں اب بھی مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی یادگار فرین
چمک دمک رہی ہیں

"جب میں لکھن کی فضا میں تقریباً "بیس ہزار
سامعین کے سامنے غزل سرا تھی تو میں سوچ رہی
تھی.. کہ اسی فضا میں... میر..... غالب..... ناسخ
..... آتش نے اشعار پڑھے ہوں گے..... اور امیر
مینائی نے اپنا یہ مشہور زمانہ شعر پڑھا ہوگا۔

قریب ہے یار روز محشر

چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر

جو چپ رہے گی زبان خنجر

لبو پکارے گا آتشیں کا

اس شعر کو جنس محمود سرسید کے فرزند نے اپنے ایک فیصلہ میں
بطور سند لکھا تھا حوالہ تاریخ ادب اردو صفحہ تین صد چونسٹھ مصنف
رام بابو سکسینہ مطبع مسشی نو لکھنور لکھن

"جب میں پانچ بجے شام لکھن سے دلی جانے والی

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں
"دلی سے لکھن جاتے ہوئے صدائے میر کی بازگشت
نسانی دیتی رہی اور میں حیرت کدے میں غوطہ زن رہی
کنج حیرت سے چلے دشت زیاں تک لائے
کون لاسکتا ہے ہم دل کو جہاں تک لائے
"جب سائیکل رکشہ پر سوار ہوئی اور رکشہ دلی کی
سڑک پر روانہ ہوا..... تو مجھے غالب کا عہد یاد
آیا..... جب انہی رزاستوں پر غالب تاخ جھام اور ہوادار
میں بیٹھ کر لال قلعہ جاتا ہوگا یہ خیال آیا تو مجھے ان کا یہ شعر یاد
آ گیا

زنا رہا باندھ سبھ صد دانہ توڑ ڈال

رہرو چلے سے راہ کو ہموار دیکھ کر

تام جھام اور ہوادار، پاکی جیسی اوپر سے کھلی سواری تھی جسے چار
کہارا اٹھا کر چلتے تھے میں سوچ رہی تھی کہ نہ جانے وہ کون سی جگہ
ہوگی جہاں لکھنوں میں میر تقی میر اور مرزا رفیع سودا کی ادبی معرکہ
آرائیاں ہوئی ہوں گی اور یہیں اسی لکھنوں میں سید انشا اللہ خان

شعر پر میر نے گلے میں پھولوں کا مہکتا ہوا ہر ڈالا جاتا۔ جب میں نے کتابچہ اٹھایا اور ورق گردانی کرنے لگی تو موبائل بک شاپ والا بولا، آخری نسخہ رہ گیا ہے حضرت داغ دہلوی کے متعلق معلومات کا خزانہ ہے، لیکن صرف بازوق خواتین و حضرات کے لیے لفظ بازوق پہ میرے کان کھڑے ہو گئے اور میں اس کی جانب دیکھ کر بولی اور، بے ذوق لوگوں کے لئے اس کی کیا اہمیت ہے، تو اس نے دلی کی نگسالی اردو زبان میں کیا خوب جواب دیا..... وہ بولا، بے ذوق اٹھا کر اس کی ورق گردانی نہیں کرتے سچ ہے اپنا وطن اپنا ہی ہوتا ہے..... نہ کوئی ڈرنہ، نہ ہی کسی قسم کا

انشاء اور شیخ غلام ہمدانی کا بھی ادبی اکھاڑا آباد ہوتا ہوگا موجودہ مقامی حکومت نے لکھنؤ کی ترقی اور خوش حالی کو بحال کیا ہے اور اب لکھنؤ اور اس کے مضافات کو شمالی ہند کا خوبصورت ترین شہر سمجھا جاتا ہے اور ثقافت کا مرکز ہونے کی وجہ سے یہ شہر دبستان دہلی کا حریف ہے اردو کے نام ور شاعر میر تقی میر کی آخری آرام گاہ یہیں ہے..... علم و فضل کا مرکز ہے اور تعلیم نسواں کے لئے یہاں غیر معمولی سہولتیں موجود ہیں اور آج میں نے شاعری کا وہ جہان دیکھ لیا جسے میر تقی میر، غالب، ناسخ اور جانے کتنے شعرا دیکھ چکے تھے لکھنؤ سرزمین شعرا ہے اور آج



خوف..... جالانکہ ہندوستان میں مجھے بہت عزت و احترام ملا..... مگر اپنا تو اپنا ہی ہوتا ہے نا۔۔۔ ا۔۔۔ جو سکھ چو بارے نہ بخارے ان کے سفر نامے سے کچھ شعری انتخاب بات کرتی ہوں مگر بات کہاں ہوتی ہے وہ نہ چاہیں تو بھلا نعت کہاں ہوتی ہے بات کرتی ہوں مگر بات کہاں ہوتی ہے وہ نہ چاہیں تو بھلا نعت کہاں ہوتی ہے

میرے شعر بھی اسی فضا میں بکھر رہے تھے جمیل اصغر نے تازہ غزل سنائی اپنی ہی خطاں کا جب خیال ہوتا ہے اپنے کو ہی اپنے پر خود مال ہوتا ہے ہر گناہ پھل بن کر ڈھل رہا ہے سینے میں اہل دل کی ہستی میں یہ کمال ہوتا ہے یہاں مجھے داد دینے کا ایک نیا اور منفرد انداز نظر آیا کہ جب بھی میرا شعر پسند کیا جاتا تو داد و تحسین کے علاوہ ہر پسندیدہ

نکلی ہوں کہ کچھ دشت نوروی کی ہوا لوں
میں عشق کی بارش میں نہانے نہیں آئی
راشدہ ماہین ملک کے اس سفر نامے بارے حسام حرا صاحب لکھتے
ہیں، رب کائنات کی کی شکرگزاری، انسان کی بندگی محنت، بے بسی
لاچاری، شاعروں کے قصے، مغلیہ سلطنت کے حصے بخروں کی
داستانیں عیش کی رنگین کہانیاں، شہزادیوں کی سسکتی جوانیاں، لطف
و کرم کی بارشیں، محاسبات میں پلتی سازشیں، تنہائی میں دوستی راتیں،
تاریخی مغالطے اختلافی باتیں یہ سب مل کر اس مختصر سے سفر نامے کو
بہت دقیق اور قابل مطالعہ بنا دیتے ہیں

راشدہ ماہین ملک کا یہ سفر نامہ اردو ادب میں نمایاں حیثیت کا
حامل ہے اس سفر نامے میں انہوں نے اردو ادب کے مشاہیر



بارے بہترین معلومات پیش کی ہیں جس سے نئے لکھاری جوان
مشاہیر بارے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے معلومات
کا بیش بہا خزانہ موجود ہے۔ دعا ہے کہ راشدہ کامیابیوں کے یہ سفر
یونہی طے کرتی رہیں اور شعر و ادب کے خزانے میں اضافہ ہوتا رہے
آمین --- ☆.....☆.....☆.....☆

بارش نور محمد میں نہائی ہوئی ہوں
مجھ کو معلوم نہیں رات کہاں ہوتی ہے



اتنا کچھ باغ میں تصویر کیا ہے پھولوں نے
جو بھی آیا اسے تصویر کیا پھولوں نے
مری ہر سانس میں رکھا گیا جادو اس کا
پھر بھی روشن نہیں ہوتا کوئی پہلو اس کا
پہلے تو سب پہ خامشی طاری کروں گی میں
پھر اس کے بعد بات تمہاری کروں گی میں

منظر میں رنگ بھر کے وہ تھلی چلی گئی
آنکھوں سے یوں گزر کے وہ تھلی چلی گئی

صاحب میں ترے ناز اٹھانے نہیں آئی
بس دیکھنے آئی ہوں منانے نہیں آئی
آئی ہوں ترے شہر کی گلیوں میں بھٹکنے
لیکن کبوتی آواز لگانے نہیں آئی

میری نظر میں

تیسرہ نگار محمد ہاشم

ناول کہیں دیپ چلے جس دل



مکالمہ نگاری کیساتھ ایک بہت ہی سبق آموز تحریر۔۔۔
 "بھلا ڈھانچے ایک جیسے بنانے سے سب انسان کیسے ایک جیسے
 ہو گئے سبکی عقلیں اور شکلیں اس نے مختلف بنائی ہیں
 تو پھر کسی کو فرمانبردار اور کسی کو نافرمان کسی کو ایماندار اور کسی کو بے
 ایمان بنایا ہے یہ تو سب دنیا داری کی باتیں ہیں اگر وہ سب کو امیر
 بنا دیتا تو غریبوں کے دکھ کون سمجھتا سبکو خوبصورت بنا دیتا تو
 خوبصورتی کئی قدر کرنے والا کون ہوتا؟
 بیٹا و دادا شاہ جواتی بڑی دنیا کا کارخانہ چلا رہا ہے اسکی عقل ہم
 سب سے بڑھ کر ہے اور وہ جیسے بھی اسے ہمارے کپڑوں حلیوں
 اور شکلوں کی پرواہ نہیں اسے تو ہمارے دن چچا بیکس پاک صاف
 دھلے ہوئے ایمان کی دولت سے بھرے ہوئے دل"
 خدیجہ بیگم اور شمیمہ کے کرداروں کے ذریعہ مصنفہ نے یہ سبق بہت
 خوبصورتی سے اپنے قارئین تک پہنچایا ہے
 ایک گھر کو بسانے اور اجاڑنے میں عورت کا کردار سب سے
 زیادہ اہم ہوتا ہے اپنی صحبتوں اور قربانیوں سے وہ ایک مکان کو گھر
 بھی بنا سکتی ہے اور اپنے حسد اور کم عقلی کی وجہ سے اپنے ساتھ ساتھ
 ایک ہنستے بستے خوشحال گھرانے کا تڑکا تڑکا بکھیر سکتی ہے
 "انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ نہیں جو ایمان لاتے ہیں

"کبھی کبھی انسان بنا سوچے سمجھے کوئی نیکی کر دیتا ہے اور خود ہی
 اسے بھول جاتا ہے مگر خدا کبھی نہیں بھولتا وہ تو انسان کے چھوٹے
 سے چھوٹے عمل کو بھی اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے اور پھر اس عمل کو
 کبھی جزا اور کبھی سزا کی سپورٹ میں انسان کی طرف واپس لوٹاتا
 ہے" دنیا میں انسان کی زندگی اچھے و برے اعمال کا تانہ بانہ ہے
 ایک انسان جہاں بہت سے اچھے اعمال کرتا ہے وہاں اس سے
 جانے ان جانے میں بہت سے برے اعمال بھی سرزد ہوتے ہیں
 قیصرہ حیات کے ناول "کہیں دیپ چلے کہیں دل" میں بھی
 اعمال کے اسی فلسفے کو فوکس کیا گیا ہے
 دنیا مکافات عمل ہے انسان کا ہر بڑا اور چھوٹا عمل اسکے لینے جزایا
 سزا بن کر اسکے سامنے ضرور آتا ہے
 جو لوگ دنیا میں جتنی زیادہ تکالیف ایمان و صبر کیساتھ برداشت
 کرتے ہیں قدرت انکے درجات اتنے ہی بلند کرتی ہے
 اور جو لوگ دوسروں کے لینے جتنی اذیت و تکالیف کا باعث بنتے
 ہیں وہ کسی نہ کسی ان دیکھی آگ میں جلتے رہتے ہیں
 لوگ ظلم کرتے ہوئے بھول جاتے ہیں کہ وہ بھی انسان ہیں
 اور انکی اوقات ان پر تب کھلتی ہے جب وہ اپنے رب کی پکڑ میں
 آتے ہیں بہت زبردست تہمید، پلاٹ و کرداروں منظر نگاری و



تنزیلہ ریاض کا زیر تبصرہ ناول عہد الست مصنفہ کا پہلا طویل اور شاہکار ناول ہے...

عہد الست اپنے منفرد نام کی طرح منفرد اور عمدہ ناول ہے۔ وطن کی محبت سے لبریز، ایمان کو تازہ کرتا ناول عہد الست... وہ عہد جو ہمارے رب نے ہم سے لیا رب کی ربوبیت کے اقرار کا عہد... یہ عہد اللہ نے ہمیں ودیعت کر کے ہماری فطرت میں رکھ دیا اور انسان اپنی دین فطرت سے منہ نہیں موڑ سکتا۔

زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پہ اپنے اصل کی طرف ضرور لوٹتا ہے چاہے شیطان جتنا بھی زور لگالے بندے کو اپنے رب سے جدا نہیں کر سکتا... عہد الست محبت کی نمائندگی کرتا ناول، وہ محبت جو اللہ کو اپنے بندے سے، بندے کو اپنے رب سے اور دین اسلام سے، ماں کو اپنے بچے سے، انسان کی اپنی ذات سے، ایک انسان کی دوسرے انسان سے اور ایک محب الوطن پاکستانی کی سب سے خپلے سے محبت کی کہانی ہے "یہ عہد الست کی کہانی ہے..."

"عہد الست کا مطلب کیا

"لا الہ الا اللہ..... اور پاکستان کا مطلب کیا "لا الہ الا اللہ"

کردار نگاری بام عروج پہ رہی ".... نور محمد" انتہائی معصوم، ذہین اور ہیرا بیٹا جو قسمت والوں کو مالتا ہے لیکن والد کی بیچا ختی بے اعتباری نے اس بچے کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا

اور نیک عمل کرتے ہیں ایمان اور نیک عمل جب یکجا ہوتے ہیں تو دنیا میں ایسے لوگوں کے لئے دیپ ہی جلتے ہیں اور جو ایسے لوگوں کی ناقدری کرتے ہیں انکے دل ہمیشہ جلتے رہتے ہیں "کچھ لوگ ہوتے ہیں جو سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی آنکھیں بند کر لیتے ہیں، جکو اللہ سچا اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے لیکن وہ اس سے نظریں چرا لیتے ہیں سچ ہے محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے اسکو سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑتی اور اسکی آنکھیں تب کھلتی ہیں جب وہ کسی بہت بڑے نقصان سے دوچار ہو جاتا ہے۔

لیکن کچھ لوگ ہوتے ہیں جو ٹھوکر کھا کر سنبھلتے ہیں جو سچے دل سے توبہ کر کے اپنے ایک اچھے عمل سے انسانیت کی معراج کو پالیتے ہیں اور اپنے رب کے حضور سرخرو ہو جاتے ہیں

اس ناول میں اعمال کے فلسفے کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے بہت ہی زبردست ہلکی پھلکی بے ساختہ انداز میں لکھی گئی تحریر مصنفہ نے تمام کرداروں کو بہت خوبصورتی سے نبھایا اور ہر کردار کے ذریعے کوئی نا کوئی پیغام دیا گیا ہے اللہ کرے زور قلم اور زیادہ آمین

☆.....☆.....☆.....☆

(تبصرے کیلئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے)

ادارہ

☆.....☆.....☆

ناول کے اختتام ایک نئے رخ اور تاثر کے ساتھ ساتھ فکر کا پہلو بھی پیدا کرتا ہے
بل گرانٹ یعنی نور محمد نے کانفرنس کے ذریعے ن سوچ اور عزم
پیدا کرتا ہے اور 14 اگست پہ بچوں کا ڈرامہ جذبہ ایمانی اور
جذبہ حب الوطنی کو اجاگر کرتا ناول کی جان تھا...
ناول کا اختتام ان شہری حروف سے ہوتا ہے...

"اے گوشت کے لوٹھڑے

خاک و آب کے امتزاج تو مجھے بتا

کیا واقعی انسان ایک حقیقت ہے؟..."

کہانی کی بہت بے مثال اور انداز تحریر کمال کہیں کوئی جھول نظر
نہیں آیا، قاری کہانی کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور دلچسپی کا یہ عالم
کہ طبیعت پر کہیں بار محسوس نہیں کرتا۔

کہانی پہ مضبوط گرفت قاری کو باندھ کے رکھتی ہے

اس ناول کا ایک ایک لفظ انمول موتی سے کم نہیں... ان موتیوں

کی چمک دمک صدیوں تک قائم رہنے والی ہے...

اور یہ شاہکار ناول پاکستان کی آنے والی نسل کو سنوارنے میں
اہم کردار ادا کرے گا.. ان شاء اللہ

☆.....☆.....☆.....☆

جہاں پھر ماں باپ کی رسائی ممکن نہ ہو سکی ...
"شہروز" شہرت کے حصول کے لیے اپنی شناخت مذہب اور
اپنے وطن کے معتبر حوالے کی بھی پرواہ نہ کرنے والا کردار ...
لیکن احساس ہونے پہ شہروز بڑی خوبصورتی سے طے کرتا ہے
گمراہی سے ہدایت کی طرف سفر ... کیونکہ مذہب اس وطن کا
حوالہ ہے اور یہ وطن آپ کا حوالہ ہے

. آپ کسی ایک چیز کو بھی دوسری سے جدا نہیں کر سکتے" عمر"

شہروز کا بہترین دوست جو نور محمد کی بہن امائمہ کا شوہر بھی ہے ...

ایک اچھا، حساس انسان اور شوہر ... حق اور سچ کا ساتھ دینے

والا ظلم کے خلاف آواز اٹھانے والا انسان ...

"سلمان حیدر" اپنے ضمیر کی آواز سننے والا محبت الوطن صحافی ...

"بل گرانٹ" نے اکملیت کی تلاش میں سرگردان بل گرانٹ

سے نور محمد کا لازال سفر زینہ بہ زینہ طے کیا اور آخر کار ان تھکن

منازل طے کرتا اکملیت تک پہنچ گیا جو صرف دین اسلام میں

ہے کیونکہ ہماری فطرت اور روح اس وقت تک مضطرب رہتی ہے

جب تک ہم غیر فطری ذرائع سے تسکین حاصل کرتے بلکان

رہتے ہیں لیکن سکون راحت اور دل کا قرار اپنے عہد کی طرف

لوٹنے میں ہے، عہد الست روح کی تسکین کا سفر ہے ...

تہہ در تہہ خوب صورتی سے لپٹی کہانی ایک ایک پرت کر کے کھلتی

چلی جاتی ہے...

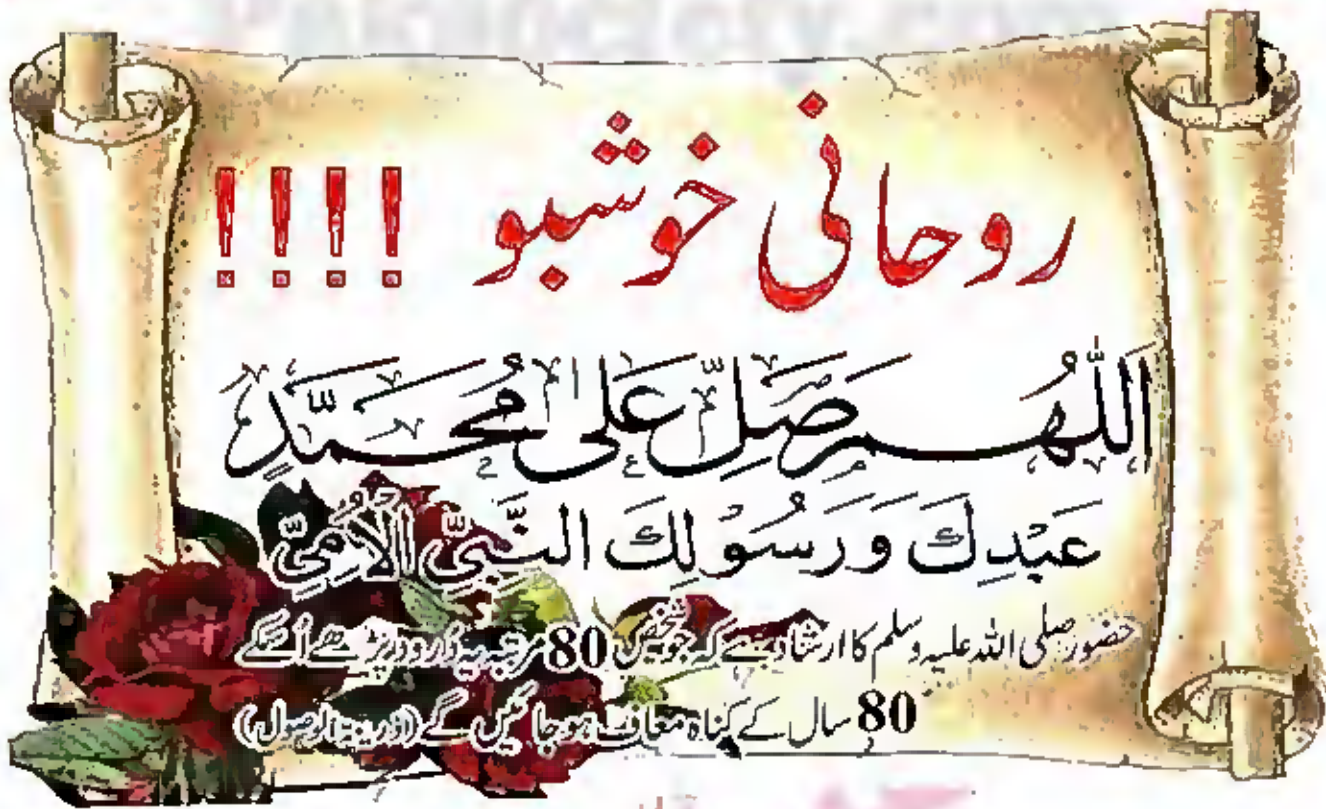
"عہد الست" پاکستان کی ہر ماں کو پڑھنا چاہیے...

"ماں مجسم عہد الست ہے"

وہ مجسم دس ہے یعنی اگر وہ دین (اکائی) (دو دنیا) صفر (کے

متوازن رستے پر ہے تو ہی اس کا بچہ "بہترین" ہے

عورت کمزور ہو سکتی ہے لیکن ماں تو مضبوط ہوتی ہے...



سو جو وہ دور کا سب سے بڑا مسئلہ روزگار ہے روزگار کا نام لانا یا روزی میں برکت نہ ہونا ہر گھر کا مسئلہ ہے لہذا آج روحانی خوشبو میں بہترین روزگار اور رزق میں برکت کے کچھ مستند اور مختصر وظائف بتائیں جا رہے ہیں جنکو پابندی سے پڑھنا نہایت آسان ہے نماز کی پابندی اور صدق دل سے کسی ایک وظیفے پر بھی عمل کر سکتے ہیں...

www.paksociety.com

* ہر نماز کے بعد 20 بار سورہ اخلاص

* ہر نماز کے بعد 100 بار 'یا لطیف' اور 100 بار روزہ شریف

* نماز فجر کے بعد 300 بار 'بسم اللہ' شریف اور 300 بار روزہ پاک

* فجر کی نماز کے بعد گھر کے چاروں کونوں پر دس بار "یا زاق" پڑھ کر دم کریں

180 * بار یا سمیع ہر نماز کے بعد

* جب بھی گھر میں داخل ہوں سیدھا قدم رکھ کر بسم اللہ پڑھ کر داخل ہوں۔ گھر والوں کو سلام کریں ایک بار روزہ شریف

ایک بار سورہ اخلاص پڑھ لیا کریں۔ غیب سے روزی نصیب ہوگا...

WORLD RECORD

دنیا کے سب سے چھوٹے جوڑے نے شادی ریحالی، ورلڈ ریکارڈ بنا ڈالا

کرتے ہوئے کہا کہ ابتدا میں جب میں نے پالو سے بات کرنا شروع کی تو وہ واقعی بہت گھبرایا ہوا تھا اور اس کے پاس بولنے کیلئے بہت ہی گھٹیا الفاظ تھے۔ دوسری جانب پالو کا کہنا ہے کہ وہ سمجھ رہی تھی کہ میں عشق بازی کر رہا ہوں لیکن میں تو صرف ایک



اچھے شخص کی طرح پیش آنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کا کہنا ہے کہ میں بہت ہی خوش قسمت ہوں۔



ان دونوں کی شادی لندن میں ہوئی اور اس بارے میں ان کا کہنا ہے کہ ہمارے رشتے کے بارے میں سب سے اچھی بات ہمارا قریبی تعلق اور صحبت ہے جو ہم ایک دوسرے کیلئے رکھتے ہیں۔

☆.....☆.....☆.....☆



برازیلیا) مائیک ڈیک (دنیا میں ہر روز لاکھوں شادیاں تو ہوتی ہیں لیکن کوئی ورلڈ ریکارڈ کا حصہ نہیں بنتی تاہم برازیل کے پالو گبریل داسلوا بیروس اور کیٹوشیا لائی ہوشینو نے ایک دوسرے کا ہم سفر بننے کے ساتھ ہی گینسر بک آف ورلڈ ریکارڈ میں اپنا نام بھی درج کروالیا ہے۔



اس جوڑے کے پاس اب دنیا کا سب سے چھوٹا جوڑا ہونے کا ریکارڈ ہے کیونکہ دونوں کا مشترکہ قد صرف 71.2 انچ بنتا ہے۔ یہ جوڑا 10 سال قبل ایک دوسرے کے ساتھ ملا اور اس تمام عرصے میں عام جوڑوں کی طرح ان کی زندگیوں میں بھی بے شمار اتار چڑھا آئے۔ کیٹوشیا نے غیر ملکی خبر رساں ادارے سے گفتگو



تھا کہ ان کے دو روپے کے موزے اس ملک کو بنگے پڑ سکتے ہیں، ان کے دو روپے قوم کیلئے بنگے ثابت ہو سکتے ہیں۔ قائد اعظم جب تک گورنر جنرل رہے کابینہ کے اجلاسوں میں نہ چائے پیش کی گئی اور نہ ہی کافی کیونکہ آپ کا حکم تھا کہ جس نے پینی ہو وہ گھر سے پی کر آئے قوم کا پیسہ وزیریوں اور مشیروں کے لئے نہیں۔

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم اور قائد کے دور میں ساتھی نواب زادہ لیاقت علی خان نے کہا تھا کہ "قائد اعظم ہرگز بیدہ ترین ہستیوں میں سے تھے جو کبھی کبھی پیدا ہوتی ہیں، مجھے یقین ہے کہ تاریخ ان کا شمار عظیم ترین ہستیوں میں کرے گی"۔ اسی طرح ایک بار علامہ اقبال کی بیماری کے دوران جواہر لال نہرو ان کی عیادت کو آئے اور ان گفتگو نہرو نے حضرت علامہ سے کہا "حضرت آپ اسلامیان ہند کے مسلمہ اور مقتدر لیڈر ہیں کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ اسلامیان ہند کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔" تو

گورنر جنرل ہاؤس کے لئے ساڑھے 38 روپے کا سامان خریدا گیا، گورنر جنرل نے حساب منگوا یا معلوم ہوا کچھ چیزیں آپ کی بہن نے اپنی ضرورت کی منگوائی تھیں اور کچھ آپ کی اپنی ذاتی استعمال کی چیزیں تھی۔ گورنر جنرل صاحب نے حکم فرمایا کہ یہ رقم ان کے ذاتی اکاؤنٹ سے کاٹی جائے۔ باقی چیزیں گورنر جنرل ہاؤس کیلئے تھیں آپ نے فرمایا ٹھیک ہے یہ رقم قومی خزانے سے ادا کر دی جائے اور آئندہ احتیاط برتی جائے کہ قوم کا پیسہ مجھ پر یا میرے رشتے داروں پر نہ خرچہ جائے۔ یہ گورنر جنرل بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح تھے اور ان کی بہن فاطمہ جناح۔ ایک بار قائد اعظم کیلئے موزے خریدے گئے جب قائد اعظم نے قیمت دریافت کی تو معلوم ہوا صرف دو روپے جس پر قائد اعظم نے یہ کہہ کر موزے واپس کر دیے کہ ایک غریب ملک کے سربراہ کو اتنا عیاش نہیں ہونا چاہیے۔ یہ سچ میں ایک غریب ملک کے سربراہ تھے جن کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ دو روپے کا مہنگا موزہ پہنے۔ یہ ہمارا ماضی تھا شاندار اور جاندار ماضی کہ جس میں سربراہ مملکت کو احساس تھا کہ وہ ایک غریب ملک و قوم کا سربراہ ہے، جس میں سربراہ مملکت کو معلوم

تحریک آزادی پاکستان کی عزم سے وکالت کرتے رہے مگر قائد اعظم کو لاحق موذی بیماری ٹی بی بھی ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھی مگر آپ کی زندگی کے آخری دس سال، جن میں آپ کو بڑھتی ہوئی عمر اور گرتی ہوئی صحت کے پیش نظر مکمل آرام کی ضرورت

تھی، نہایت ہنگامہ خیز تھے۔ قیام پاکستان کے بعد نومولود مملکت کے مسائل ایسے نہ تھے جن کو قائد اعظم نظر انداز کر دیتے یا دوسروں پر چھوڑ دیتے، چنانچہ آپ نے ان مسائل کی جانب بھرپور توجہ دی اور اندرونی اور بیرونی طویل سفر کئے اور مہاجرین کے مسائل معاوم کئے اور ان کے تدارک کیلئے اقدامات اٹھائے، پاکستان کی داخلہ اور خارجہ پالیسی کا تعین، معیشت کا فروغ، تعلیمی نظام اور دفاع اور اس پر عمل درآمد یقینی بنانا۔ 1948ء بانی پاکستان کا آخری اور پاکستان کا پہلا سال

تھا، 25 مئی 1948ء کو آپ ڈاکٹروں کے مشورہ پر کوئٹہ گئے، تاکہ وہاں ہر قسم کی فکر سے آزاد ہو کر مکمل آرام کر سکیں، مگر کوئٹہ میں بھی مصروفیتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ 29 جون کو آپ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کرنے کے لیے کراچی آئے اور پھر کام میں لگ گئے مگر قائد کی صحت مزید گر گئی۔ ڈاکٹروں کے



حضرت علامہ نے فرمایا، "جوہر لال! ہماری کشتی کا ناخدا صرف مسٹر محمد علی جناح ہے میں تو اس کی فوج کا ایک اونٹنی سپاہی ہوں۔" جناح آف پاکستان کے مصنف پروفیسر اسٹینلے یونیورسٹی آف کیلیفورنیا امریکہ اپنے کتاب کے دیباچے میں لکھتے

ہیں کہ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو تاریخ کا دھارا بدل دیتے ہیں اور ایسے لوگ تو اور بھی کم ہوتے ہیں جو دنیا کا نقشہ بدل کر دیتے ہیں اور ایسا تو کوئی کوئی ہوتا ہے جو ایک نئی مملکت قائم کر دے۔ محمد علی جناح ایک ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے بیک وقت تینوں کارنامے کر دکھائے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب ہندوستان کے مسلمان اپنی بقا اور سلامتی کی جانب سے بڑی حد تک مایوس ہو چکے تھے قائد اعظم محمد علی جناح نے تدبیر، فراست، غیر متزلزل عزم، سیاسی بصیرت اور بے مثل

قائدانہ صفات سے کام لے کر مسلمانوں کو متحد کیا اور سات سال کی مختصر مدت میں مطالبہ پاکستان کی ایسی پر زور وکالت کی کہ دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا 14 اگست 1947ء کو پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھر کر سامنے آیا۔ آزادی پاکستان کی تحریک کے دوران قائد اعظم محمد علی جناح نے اپنی بیماری کو بالائے طاق رکھ دیا اور

اچھی نہیں ہے، اس کے بعد ڈاکٹروں کے درمیان ایک کانفرنس ہوئی انہوں نے صورتحال کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد

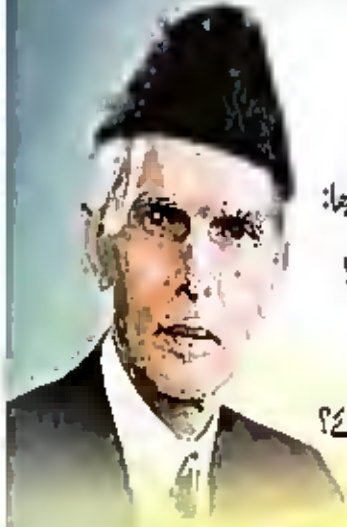
فیصلہ کیا کہ اب قائد کو فوراً کراچی منتقل کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ کوئٹہ کی بلندی ان کے کمزور دل کے لیے مناسب نہ تھی، گورنر جنرل کے وائی کنگ طیارے کو فوری طور پر کوئٹہ پہنچنے کا حکم دے دیا گیا اور 11 ستمبر کو دو گھنٹے کی پرواز کے بعد قائد اعظم کا طیارہ ماری پور ایئر پورٹ پر اترا اور گورنر جنرل کے ملٹری سیکرٹری کرنل جیفری ناؤز نے ان کا استقبال کیا قائد

کو ایک سٹریچر پر لٹا کر ایک ایسوی لینس میں لے جایا گیا یہ انہیں گورنر جنرل ہاؤس لے جانے کے لیے پہلے سے وہاں موجود تھی فاطمہ جناح اور سسٹر ذہنم ان کے ساتھ ایسوی لینس میں بیٹھے تھے۔ ایسوی لینس بہت ست روہی سے چل رہی تھی فاطمہ جناح لکھتی ہیں ابھی چار میل کا سفر ہی طے کیا تھا کہ ایسوی لینس اس طرح ہچکیاں لیں جیسے اسے سانس لینے میں مشکل درپیش ہو رہی ہو اور پھر وہ اچانک رک گئی کوئی پانچ منٹ بعد میں ایسوی لینس سے باہر آئی تو مجھے بتایا گیا کہ ایسوی لینس کا پٹرول ختم ہو گیا اگرچہ ڈرائیور نے انجن سے الجھنا شروع کر دیا تھا لیکن انجن نے نہ

مشورے پر 7 جولائی کو آپ دوبارہ کوئٹہ روانہ ہو گئے، مگر آپ کی علالت اتنی سنگین صورت اختیار کر گئی تھی کہ ڈاکٹروں نے فوری

طور پر زیارت منتقل کر دیا، جو کوئٹہ کے مقابلے میں نسبتاً سرد مقام ہے۔ جون 1948 میں قائد اعظم کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی تھی، قیام پاکستان کی پہلی سالگرہ قریب تھی، لیکن قائد اعظم اپنی بیماری کے سبب سالگرہ کی تقریبات میں شرکت سے معذور تھے۔ اس موقع پر آپ نے قوم کے نام ایک پیغام میں فرمایا، "پاکستان کا قیام ایک ایسی

یہ تھے ہمارے لیڈر



پاکستان کی پہلی کانینڈ کا اجلاس تھا اس اجلاس میں قائد اعظم بھی موجود تھے۔ اسے ڈی ای گن حسین نے قائد اعظم سے پوچھا: سر، اجلاس میں چائے پیش کی جائے یا کافی؟ قائد اعظم نے چونک کر سر اٹھایا اور فرمایا یہ لوگ گھروں سے چائے، کافی پی کر نہیں آئے؟ اسے ڈی ای گنبرا گیا۔

قائد نے فرمایا: جس وزیر نے چائے، کافی پینی ہے وہ گھر سے پی کے آئے، یا پھر گھر واپس جا کر پیے، تو ہم کا پینے قوم کے لئے ہے، وزیروں کے لئے نہیں"

حقیقت ہے، جس کی دنیا کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہ دنیا کی ایک عظیم ترین مسلمان ریاست ہے۔ اس کو سال بہ سال ایک نمایاں کردار ادا کرنا ہے اور ہم جیسے جیسے آگے بڑھتے جائیں گے، ہمیں ایمان داری، مستعدی اور بے غرضی کے ساتھ پاکستان کی خدمت کرنا ہوگی۔"

عظیم ستمبر کو ڈاکٹر الہی بخش نے گھمبیر لہجہ میں فاطمہ جناح کو بتایا "قائد اعظم کو ہیرتج ہو گیا ہے اور میں بہت پریشان ہوں ہمیں انہیں کراچی لے جانا چاہیے کوئٹہ کی بلندی ان کے لیے

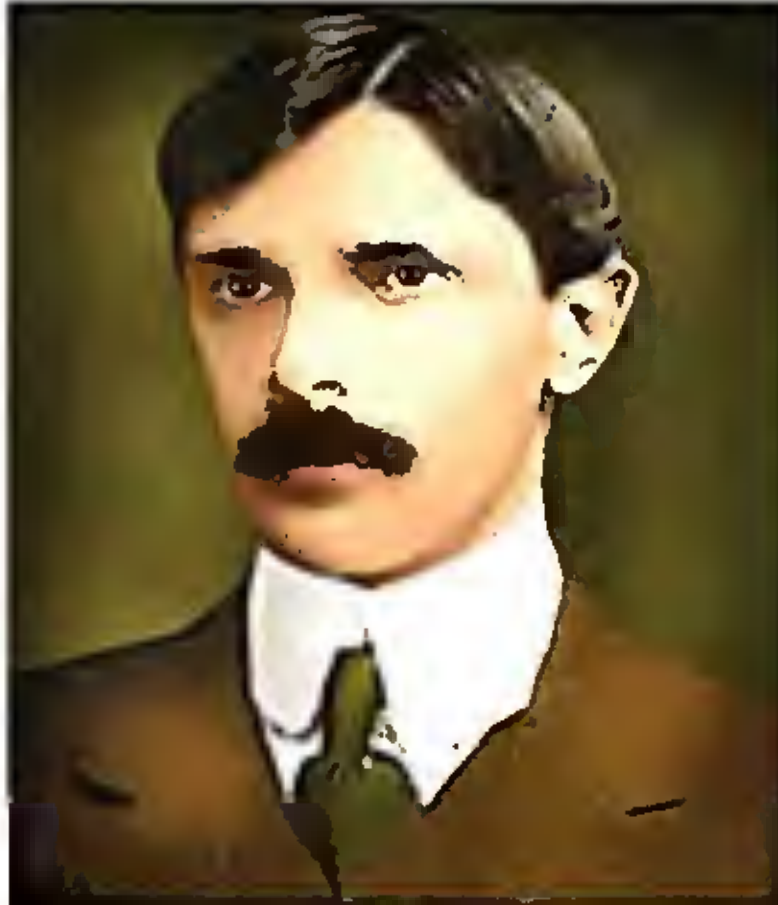
پاکستان، عزم کا پیکر ہمیشہ کے لیے اللہ کی رحمت میں پہنچ گیا۔ قائد اعظم کی رحلت کی خبر آن کی آن میں پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ نومولود مملکت اور پوری قوم اس غظیم سانحے اور حادثے پر رنجیدہ اور افسردہ تھی اور جلد ہی لوگ دیوانہ وار گورنر جنرل ہاؤس کی طرف بڑھنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں افراد گورنر ہاؤس کے اطراف جمع ہو گئے یہ خبر پورے پاکستان کی عوام کے لیے بڑی دل دوز تھی۔ آپ اندازہ کیجیے کہ

قائد اعظم جنھوں نے دو روپے کے موزے سرکاری خرچ پر نہ خریدے کیونکہ ان کے بقول حکمران کو اتنا عیاش نہیں ہونا چاہیے کہ وہ دو روپے کے اتنے مہنگے موزے خریدے آج اسی ملک کا صدر لاکھوں روپے غیر ملکی دوروں پر ٹپ میں رہے جاتا ہے۔ آج ایک ایک دورے پر عوام کا کروڑوں روپے خرچ آتا ہے ان دوروں پر اپنے من پسند لوگوں اور رشتے داروں کو لیجا یا جاتا ہے۔ پچھلے کچھ

برسوں میں تقریباً 1500 افراد کو مختلف غیر ملکی دوروں پر لیجا یا گیا ان سب لوگوں نے سرکاری خرچ اور غریب عوام کے پیسے پر عیاشی کی۔ ☆.....☆.....☆.....☆

شارٹ ہونا تھا نہ ہوا میں پھرا ایسویٹس میں داخل ہوئی تو قائد نے آہستہ سے ہاتھ کو حرکت دی اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا میں نے جھک کر آہستگی سے کہا "ایسویٹس کا انجن خراب ہو گیا ہے تب خدا خدا کر کے ایک گھنٹے کے بعد ایک اور ایسویٹس آئی اور قائد اعظم کو سٹر پیجر کے ذریعے نئی ایسویٹس میں منتقل کیا گیا اور یوں آخر کار قائد اعظم پھر گورنر جنرل ہاؤس کی طرف روانہ ہوئے۔ گورنر جنرل ہاؤس پہنچنے پر قائد اعظم کا ڈاکٹروں نے ان کا

معائنہ کیا اور بے الفاظ میں کہا "فضائی سفر کے لیے ہی ان کی حالت کیا کم خراب تھی کہ ایسویٹس کا یہ تکلیف دہ واقعہ بھی پیش آ گیا۔ رات تقریباً ساڑھے نو بجے قائد اعظم کی طبیعت اچانک بگڑ گئی، کرنل الہی بخش، ڈاکٹر ریاض علی شاہ اور ڈاکٹر مستزی فوری طور پر گورنر جنرل ہاؤس پہنچ گئے، اس وقت قائد اعظم پر بے



ہوشی طاری تھی۔ نبض کی رفتار بھی غیر مسلسل تھی، ڈاکٹروں نے معائنہ کرنے کے بعد انجکشن لگایا، مگر حالت بگڑتی چلی گئی۔ رات دس بج کر 25 منٹ پر فخر ملک و قوم، بطل جلیل، بانی

پروں سے ڈھانپ لیا۔۔۔

اس وقت دو لوگوں کو محبت جیسے جذبے خوشبو محسوس ہوئی۔ ایک نادیدہ رضوی احساس ہوتے ہی ماہم پر غصے سے چلائی۔۔۔۔۔

اور دوسری ٹمن اجدور کھڑی ماہم کو دیکھ کر رک سی گئی۔۔۔ وہ

محسوس کر سکتی تھی آسمانوں سے محبت کا اترنا۔۔۔ ایک انجانا سا

جذبہ جو کسی کسی دل کو تحفہ ملتا۔۔۔۔۔ بہت ہی نایاب

جذبہ۔۔۔۔۔ اس سے پہلے کہ ٹمن ماہم کی آنکھوں میں کھو کر رہ

جاتی سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھی اور ماہم کو کھینچتے ہوئے وہاں سے

دور لے گئی۔۔۔۔۔ پر ماہم سر جھکائے ایک ہی کیفیت میں گم لگ

رہی تھی۔۔۔۔۔

اپنے ماتھے پہ جالو ہر ایک پتھر کی ضرب۔۔۔۔۔

عشق کر بیٹھے ہو تو لازم ہے سزا پاو گے۔۔۔۔۔

ٹمن سوچ رہی تھی کہ کس طرح ماہم ایک خاموشی شرمیلی سی لڑکی

ہے اور بہت ہی دوسروں کی کیر کرنے والی۔۔۔۔۔ جب کہ احمد رضا

ایک ذہین مگر فلرٹی۔۔۔۔۔ امیر مگر خود غرض اور بہت باتونی اور

دوسروں کو ڈی گریڈ کرنے والا لڑکا ہے۔۔۔۔۔ بہت سی

لڑکیاں دیوانی تھیں احمد رضا کی۔۔۔۔۔ اور احمد بھی اس بات کا

بھر پور فائدہ اٹھاتا۔۔۔۔۔ یہ الگ بات ہے نادیدہ سب کو

لمٹس میں رکھنے کی کوشش میں رہتی۔۔۔۔۔

پھر اسے یاد آیا کہ ایک دن ماہم نے ایک کتاب ایٹو کروائی

لا بیری سے پر جب ماہم کو پتا چلا احمد وہی بک ڈھونڈ رہا ہے تو

ماہم خاموشی سے وہ کتاب سامنے ٹیبل پر رکھ کے آگے جبکہ

اگلے دن اسکی پریزیشن تھی۔۔۔۔۔ اسی طرح ٹمن کو چھوٹی چھوٹی

باتیں یاد آرہیں تھیں۔۔۔۔۔ جیسے کہ ایک بار کینٹین میں ماہم چائے

کا آرڈر دے کر کوئی کتاب لینے چلی گئی۔ اور جب چائے آئی

تو ٹمن کوک لینے کینٹین کی طرف گئی۔۔۔۔۔ جب واپس مڑی تو اپنی

میز پر احمد رضا کو چہرے پر شرارت سموئے ماہم کا چائے کا کپ

پیتے ہوئے دیکھ کر چونک گئی۔۔۔۔۔ اور پھر اسنے ماہم کو آتے

ہوئے دیکھا۔۔۔۔۔ جس نے احمد کو نظر انداز کرتے ہوئے چائے

کا بل پے کیا۔ یہی باتیں تھیں جن کی بنا پر وہ ماہم کو پاگل کہتی

تھی۔۔۔۔۔ پھر وہ سوچنے لگی کہ ماہم کیسے پہلی نظر میں ہی خود کو ہار

بیٹھی۔۔۔۔۔؟؟؟؟؟؟ ہاں شاید اسی کو تو محبت کہتے ہیں۔ یہ آسانی

تحفہ ہر کسی کو تو نہیں ملتا۔۔۔۔۔ اسے پتا نہیں کیوں کبھی ماہم

سے جیلسی فیل ہونے لگتی۔۔۔۔۔ پھر اچانک اسکے ذہن میں ایک

بات آئی وہ ماہم اور احمد کے حوالے سے تمام باتیں قلمبند کرتی

رہتی۔۔۔۔۔ کبھی سوچتی کہ احمد کو سب بتا دے ماہم کے متعلق پھر خود

ہی اپنے خیال کی نفی کر دیتی کہ کہیں احمد ماہم کے پاکیزہ جذبوں

سے کھیل نہ جائے۔۔۔۔۔ اسے تماشا نہ بنا دے۔۔۔۔۔ وہ چاہتی تھی

کہ محبت کی یہ کہانی اچھے انجام کو پہنچے۔۔۔۔۔

وہ اصل کچھ دنوں سے ماہم یونیورسٹی نہیں آ رہی تھی ایک تو فائنل کی

بھی ڈیٹ شیٹ مل چکی تھی۔۔۔۔۔ اور دوسرا ماہم کے نہ آنے سے

ٹمن کی کہانی بھی وہاں ہی رکی ہوئی تھی۔۔۔۔۔

ٹمن کی نظر سامنے جاتے ہوئے لڑکے پر پڑی ہاں یہ تو احمد ہے جو

بلکل بدلا ہوا لگ رہا تھا۔۔۔۔۔ ست روی سے قدم اٹھاتا ہوا مین

گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔۔۔۔۔ ایسے میں رہیجہ ٹمن کے پاس

آ بیٹھی اور پوچھا۔۔۔۔۔ کیا تم جانتی ہو ماہم یونیورسٹی کیوں نہیں

آ رہی۔۔۔۔۔؟

ٹمن نے نفی میں سر ہلایا تو کہنے لگی کہ میں بتاتی

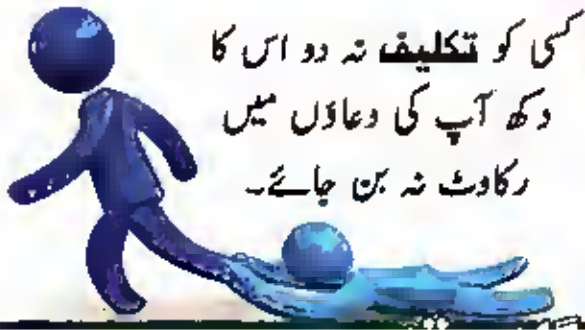
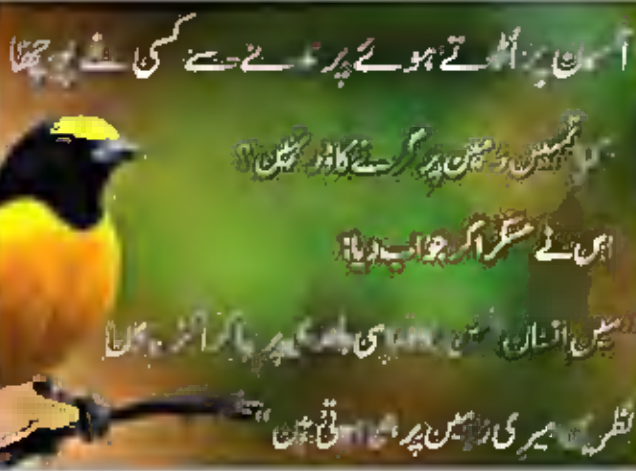
ہوں۔۔۔۔۔ اسکی شادی ہوگئی ہے اور شاید اب

اسے مزید پڑھنے کی پرمیشن نہیں ملی۔۔۔۔۔

حقیقت



پیسہ انسان کو
اوپر لے جا سکتا ہے
لیکن انسان پیسہ اوپر
نہیں لے جا سکتا۔



کسی کو تکلیف نہ دو اس کا
دکھ آپ کی دعاؤں میں
رکاوٹ نہ بن جائے۔

شمن سا کڈ رہ گئی۔۔۔۔۔
پتا نہیں رہیہ کب وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔۔۔۔۔
شمن ایسے ہی اپنی گود میں رکھے فولڈر میں پڑے اپنے اوراق دیکھ
رہی تھی۔۔۔۔۔ جس پر بے لوث اور پاکیزہ
خاموش محبت پر لکھے گئے لفظ موتیوں کی مانند جگمگا رہے تھے۔۔۔۔۔
اسکے ذہن میں الجھا الجھا سا احمد آیا اور ماہم کے خوابوں نے تو
یکدم یاغفار کر دی۔۔۔۔۔

کتنا بے خبر نکلا احمد اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ ایک ایسی شخصیت
کو کھو دیا جو اسکی ہوتے ہوئے بھی اسکو نمل سکی۔۔۔۔۔
محبت کی کہانی سنا ابھی شروع بھی نہیں ہوئی
تھی۔۔۔۔۔ تو یہ ایکدم بسے کیا ہو
گیا۔۔۔۔۔؟؟؟؟

شمن کی آنکھوں سے مقدس پانی کے چند قطرے اسکی گود میں
رکھے ہوئے صفحات پر گرے۔۔۔۔۔
شمن نے کہانی کے آخر میں یہ الفاظ لکھے
"شائد مخلص، خاموش اور بی لوث محبتوں کی کہانیاں اکثر ادھوری
رہ جاتی ہیں۔۔۔۔۔"
اور صفحات کو طے کر کے فولڈر میں رکھ لیا۔۔۔۔۔

جب تمہیں لگے کہ دن میں تمہارا سایہ اور
رات میں میرا کنا یہ تمہارے ساتھ نہیں تو سمجھ لینا
کہیں دور دور تمہاری پناہ میں نہیں تنہا ہے
میرا دل ہے!



Edit By KK

انسان میں جناح کا وارث
مصنف: محمود ظفر اقبال پاشی



میں تم سے دور ہو گئی ہوں
 بہت مجبور ہو گئی ہوں
 گلے آ کر لگو تم
 دسمبر لوٹ آیا ہے

کسبیری نوید... لاہور

نظم

ہم تحفے میں گھڑیاں تو دے دیتے ہیں
 اک دو بے کو وقت نہیں دے پاتے ہیں
 آنکھیں بلیک اینڈ وائٹ ہیں تو پھر ان میں
 رنگ برنگے خواب کہاں سے آتے ہیں؟
 خوابوں کی مٹی سے بنے دو کوزوں میں
 دو دریا ہیں..... اور اکٹھے بہتے ہیں
 چھوڑو! جا! کون کہاں کی شہزادی
 شہزادی کے ہاتھ میں چھالے ہوتے ہیں؟
 "درد" کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا
 ہم بیکار حروف الٹتے رہتے ہیں

فریحہ نتوی

کہاں ہو تم چلے آ
 دسمبر لوٹ آیا ہے
 مہکتی سرد ہواں کا
 یہ موسم لوٹ آیا ہے
 تیرا وہ مجھ کو دیکھنا
 پہروں مجھی کو سوچنا
 آ کر پھر دو پہر اسب
 دسمبر لوٹ آیا ہے
 یہ سب سے ہی ہیں راتیں
 تمہاری ہیں سبھی آئیں
 کہ پھر خود میں سما لو تم
 دسمبر لوٹ آیا ہے
 موسم نے کی ہے اک سازش
 کہ برسی خوب ہے بارش
 تو پھر تم بھی تو آنا
 دسمبر لوٹ آیا ہے

چاہتے تو صدیوں روتے ہیں

میں کس طرح بنان؟؟؟

میرے وطن میں اب جو حالت ہو رہے ہیں
میں کس طرح بتا گیا عذاب ہو رہے ہیں

پہلے نہیں تھا ایسا میرا وطن اے لوگو
اب ظلم ہی ہر سو بے حساب ہو رہے ہیں
مائیں تڑپ رہی ہیں بچے بلک رہے ہیں
سلیہ نہیں ہے سر پر نیلام ہو رہے ہیں

ان بہنوں پہ کیا ہے گزری کوئی تو ان سے پوچھے
جن کے بھائیوں کے قتل سرعام ہو رہے ہیں

جن نوجوانوں کو بننا تھا اس قوم کا مقدر
اب ان کی لاشوں سے قبرستان آباد ہو رہے ہیں

جن کے سہاگ اجڑے ان کا نہ حال پوچھو
ان کی ویران آنکھوں میں جو سوال ہو رہے ہیں

کوئی تو آ کر کہہ دے یہ خواب تھا اے لوگو
اس خواب کو بھلا دو کہ گل شلاب ہو رہے ہیں

شاعرہ: آبرو عبید اقبال (راولپنڈی)

ڈاکٹر نجمہ شامین کھوسو

چاہت تو صدیوں روتی ہے

ہجر کا چولا بہن کے اکثر
وصل کے خواب لئے آنکھوں میں

تعبیروں کی اک مت رنگی
مالا روز پر روتی ہے یہ

بلک بلک کر روتی ہے یہ
ہاتھ میں خالی کاسہ لے کر

موسم گل کو پت جھڑ کر کے
دشت جنوں میں بادل کر کے

اور خرد کو پاگل کر کے
ویراں ویراں بانجھ دلوں میں

وصل کے بیج بھی یہ بوتی ہے
درد سے درد کو جب دھوتی ہے

پھر خود بھی صدیوں روتی ہے
آج تک یہ سمجھ نہ آیا

رونا ہی جب لیکھ ہے اس کا
کیوں پھر خواب پر روتی ہے یہ؟

بلک بلک کر روتی ہے یہ

☆.....☆.....☆

الفت میں تجارت کی میں قائل بھی نہیں ہوں
 سو تیرے سوا اور پہ ماں بھی نہیں ہوں
 زنجیرِ محبت ہوں میں چپ چاپ رہوں گی
 پاؤں سے بندھی کوئی میں پائل بھی نہیں ہوں
 جو سنگِ گراں مجھ پہ پڑے، موم ہوتے ہیں
 یہ تیرا کرم ہے کہ میں گھائل بھی نہیں ہوں
 در در پہ تم کو بھٹکانا نہیں آتا
 کاسہ جو اٹھائے میں وہ ساں بھی نہیں ہوں
 تحریر نہیں ہوں جسے آسانی سے پڑھ لو
 جذبوں کو چھپانے کی میں قائل بھی نہیں ہوں
 ٹھینہ کنول شہر ڈسکہ

☆.....☆.....☆

زمانہ چلن نہیں بدلتا وہ سبے جس ہے، وہ ظالم ہے
 دینے بہت الزام مگر تم نے کیا کیا یہ بھی کہو
 نہ فکر کی، نہ ادا اپنا فرض کیا، کیا تو بس شکہ
 نسلِ آدم ہے تجھ کو پتہ تیرا مرہم ہے اک سجدہ
 سوچا کبھی نہ وقت پہ کیا نہ ادا تو نے قضا کیا
 جھک ذرا کہ ملے شفا اس درد سے جو مول لیا
 خوشی سمیع

☆.....☆.....☆

دل میں تصویر تری آنکھ میں آثار ترے
 زخم ہاتھوں میں لیے پھرتے ہیں بیمار ترے
 اسے شبِ رنج و الم دیکھ ذرا رحم تو کر
 آہ کس کرب میں رہتے ہیں عرادار ترے
 زعم ہے تجھ کو اگر اپنے قبیلے پہ تو سن
 میرے قدموں میں گرے تھے کبھی سردار ترے
 آج بازار میں لائی گئی جب تیری شبیہ
 بھاگتے دوڑتے آ پہنچے حیدرآباد ترے
 سامنے کیوں تری عصمت پہ اٹھی ہے انگلی
 کیوں یہ چرپے ہیں مسلسل بس دیوار ترے
 ان کے دکھ درد کا تجھ سے بھی مداوا نہ ہوا
 اپنی حالت پہ جو ہنستے رہے فنکار ترے
 مجھ سے پھر چھلتے ہوئے ایر الم نے یہ کہا
 آج کی شام پلٹ آئیں گے عمخوار ترے
 جانے کیا رنگِ رباب اب انہیں دے گی دنیا
 کس قدر درد سے لہریز ہیں اشعار ترے

فوزیہ رباب گوانڈیا

☆.....☆.....☆

غزل

خاموش ہوں میں لب پہ شکایت تو نہیں ہے
 فریاد کروں یہ مری عادت تو نہیں ہے
 جو موجِ غم و درد اٹھی ہے مرے دل میں
 ہنگامہ تو بیشک ہے، قیامت تو نہیں ہے
 شاید مجھے مل جائے مرے درد کا درماں
 امید سہی نہیں کی حالت تو نہیں ہے
 فرصت میں مجھے یاد بھی کر لیجیے ایک دن
 یہ عرض، محبت کی علامت تو نہیں ہے
 مل جائے سرِ راہ کسی موڑ پہ کوئی
 اک حادثہ بیشک ہے رفاقت تو نہیں ہے
 انصاف جسے حق کا طرفدار کہا جائے
 اس ملک میں قائم وہ عدالت تو نہیں ہے
 کیوں گھر سے نکلتے ہو میڈرتے ہیں یہاں لوگ؟
 اس شہر میں قانونِ حفاظت تو نہیں ہے
 اللہ رضا پر تری راضی ہی رہوں گی
 جو شکوہ زباں پر یہ جہارت تو نہیں ہے
 آباد رہا دل میں وہی ایک سبیلہ
 اب غیر کو آنے کی اجازت تو نہیں ہے

سبیلہ انعام صدیقی کراچی پاکستان

ریت کا پھیلا سمندر ، دور تک
 آنکھ میں تھا ایک منظر ، دور تک
 رات کی خاموشی وہ وہ گزر
 خود کو دیکھا اس میں کھو کر ، دور تک
 بعد اس کے میرے دل کے ساتھ ساتھ
 بھیگا بھیگا سا تھا منظر ، دور تک
 چل رہی تھی خواب میں شاید کہیں
 ہاتھ میں اک ہاتھ لے کر ، دور تک
 خوب ہے یہ اہتمامِ جشن بھی
 شہر میں بکھرے ہیں پتھر ، دور تک
 ڈاکٹر شمع افروز کراچی

جس طرح قید کوئی گھر میں پرندہ رکھے
 اس طرح دل میں مجھے میرا میسا رکھے
 تجھ سے رسم آ ہی سہی ملنا ملانا رکھے
 ایسے تنہائی سے کب تک کوئی رشتہ رکھے
 جس کی لہروں سے قبیلہ مرا دشمن ٹھہرا
 اب وہی آبِ رواں مجھ کو ہی پیسا رکھے
 اس کا آئینہ مری ذات میں آباد ہے یوں
 جس طرح گھر میں کوئی اپنے درندہ رکھے
 زندگی بھر ہی دلایا ہے مجھے خوابوں نے
 اب کوئی عکس نہ آنکھوں میں خدارا رکھے
 بس فقیری ہی تو بقیس مرا مسلک تھی
 میں تو بیٹھی رہی کشکول میں دنیا رکھے
 بقیس خان میانوالی پاکستان

اپنی آنکھوں میں روشنی رکھنا
اس کے اندر دکھاءِ دلوں کی میں
چاند سے اپنی دوستی رکھنا
پھول مرجھا بھی سکتے ہیں عاشی
اپنے جذبوں میں تازگی رکھنا

عاشہ جنتی بہاولپور
☆.....☆.....☆

آگہی
میری پرواز اونچی ہے
پہاڑوں پر
پہاڑوں پر
کہیں تو آسمانوں پر

فضائے بے کراں کی وسعتوں میں ہے میری منزل
بہت ہی ماورا ہیں اس جہاں سے ذہن کے ہالے
زمانوں پر لگا رکھے ہیں میں نے سوچ کے تالے
حد و دلا مکالمے کو جتنی ہے میرے نالوں سے
کہ میں نے پالیا ادراک کو سارے حوالوں سے

نیل احمد کراچی

☆.....☆.....☆

غزل

کرے گا یاد ہمیں؟؟ دور ہم اگر جائیں
اس اشتیاق میں جی چاہتا ہے مر جائیں
یہ کہہ رہا تھا ہمیں ڈوبتا ہوا سورج
سفر تمام ہوا اپنے اپنے گھر جائیں
طلوع شمس کی کرنوں نے یہ پیام دیا
اجالے بانٹتے جائیں جدھر جدھر جائیں
دکھاتے ہیں تیرے جو ہمیں آئینہ کبھی اس میں
خود اپنے عین خود دیکھیں اگر تو ڈر جائیں
نہ پار لگنے کی حسرت نہ ڈوبتے جانے کا غم
خیال یار کے دریا میں جیت اتر جائیں
یہ گھاہی تو مری زندگی ہیں میرے طیب
خیال رکھ یہ مرے زخم ہی نہ بھر جائیں
شاہدہ مجید لاہور پاکستان

ہاتھ پر ہاتھ جب کبھی رکھنا
عمر بھر مجھ سے دوستی رکھنا
وہ خموشی پسند کرتا ہے
گفتگو اپنی سرسری رکھنا
جب مجھے دیکھنے کی خواہش ہو
اپنی نظروں میں سادگی رکھنا
وصل بس کچھ دنوں کا ہوتا ہے
قربتوں میں ذرا کمی رکھنا
ان پراغوں کا کیا بھروسہ ہے

غزل

میری اچھائی دکھائی نہیں دینے والی
میں زمانیکو صفائی نہیں دینے والی

مخطلوں میں نہیں کرتی میں سخن کا چرچا
میں وہاں تم کو سنائی نہیں دینے والی

میرے احساس کو سمجھیگا نہیں دنیا زاد
روح تک اس کو رسائی نہیں دینے والی

مجھ سے مت مانگ محبت کے اثاثے میرے
پس کسی کو یہ کمانی نہیں دینے والی

اس بہانے مری نسبت بھی رہے گی تجھ سے
بھر سے خود کو رہائی نہیں دینے والی

میں بھی ہو جاں گی تحلیل کبھی مٹی میں
پھر کبھی تجھ کو دکھائی نہیں دینے والی

اریہدراؤ گجرات پاکستان

☆.....☆.....☆

غزل

نئے خیال کے لفظوں کی شاعری بنکر
میں اسکے ہاتھ سے نکلی ہوں اب نہ بنکر

مری حیات کا مقصد بدل دیا اس نے
نکل پڑی ہوں فسانے سے زندگی بنکر

یہ بے قراری نئے کھولتی ہے در مجھ پر
قرا ر لوٹ رہا ہے وہ آگہی بن کر

دکھا رہا ہے اندھیرے میں روشنی مجھ کو
ترے فراق کا ہر لمحہ چاندنی بن کر

ٹپک رہا ہے مری آنکھ سے لہو کی طرح
لبوں پہ کھیل رہا ہے وہ نشانی بن کر

ستم خزاں کا ہمیں ڈر ہے سبہ نہ پائیں گے
وفا کی آس جگا پھر سے عاشقی بن کر

کبھی تو لوٹ کے آپھر سے میرے آہنگن میں
اتر جا روح میں پھر میری تازگی بن کر

حیا غزل کراچی

اسے آشکار کر کے دیکھ
میں فقط تیرے لمس کو بنائی مخلوق نہیں ہوں
میں تیری دل لگی نہیں

میں تیرا اناٹا ہوں
میں تیرا نصف تیری روح کا آہن ہوں
میں تیرے تکامل کی لازوال پہچان ہوں
تو پہچان مجھے میں بھی انسان ہوں
میں فقط ہوس نہیں

تیری لذت آشنائی نہیں
تو کہ ابھی مجھ سے آشنائی نہیں؟؟؟
میں تو تیرے ہونے کا ساماں ہوں!!!...
میں تیری ہی ہستی کا جلوہ نما ہوں...
میں اظہار کروں خود کا؟؟؟؟

تو دیکھ خود کو ذرا
تو ظہور ہے میری قدرت کا
تجھ سے "انسان" کی نمود میری ہی کو کہ کی خلقت ہے
کرے گا پامال مجھ کو
تو رہے گا خاک تو بھی
میں الگ تجھ سے نہ ہوں
میں تیری ہی پسلی کا خم سا ہوں.....

زہرا علوی چکوال پاکستان

☆.....☆.....☆

نظم

تیرے ہونٹ بہت حسین ہیں
کم گل دلالہ سے نہیں
تیرے دیکھتے رخسار
تیری گہری کالی نغزالی آ نہیں
تیرا کہیں بدن
کسی مندر میں رکھی

درگاں کی مورت سا ہے
تیرا لہجہ کوئل کی کوک سا
بیٹھا اتنا کے شہد آ گیں
تیری کمر میں کمان سا خم
پھر کیوں خود کو چھپا رکھتی ہو
اتنا کس لیے سنبھال رکھتی ہو؟؟؟

سنو

میں حسین ہوں معلوم مجھے
میں بچی سنورتی بھی رہتی ہوں
مگر میں اس جسم سے آگے اک روح بھی تو

ہوں

میں نرم ہونٹوں سے جو لفظ بنتی ہوں
کبھی ان میں بھی کھو کے دیکھ

میرے جسم سے آگے میرے ہونے میں جو لذت

ہے

نہ تمہیں ضرورت ہے نہ مجھے
 محبت امریل کی بن کر
 میری سانسوں سے لپٹی جا رہی
 مجھے اندر سے مار رہی ہے
 دیمک کی طرح چاٹ رہی
 ہاں تمہاری محبت مجھے مار رہی ہے
 مجھے ختم کر رہی ہے۔۔۔

شاعرہ..... فرح انجاز

اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی

شاعرہ سحرش علی نقوی

اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی
 تم ڈھونڈو گے مجھے ہر نگر
 ہو گے تنہا ہر موڑ پر
 تمہیں یاد بہت میں آؤں گی
 اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی
 تمہیں یاد آئیں گی میری یادیں
 کبھی ہنا دیں گی میری باتیں
 تمہیں محبت سے جیت جاؤں گی
 اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی
 تم مانگو گے مجھے ہر سحر

جب تم میرے پاس ہوتے ہو تو
 وقت تھم سا جاتا ہے
 میں میں نہیں رہتی میں تم بن جاتی ہوں
 تمہارے رنگ میں رنگ جاتی ہوں
 کیسی انا کیسی زود
 مگر محبت میں بھی ایک پاکیزگی برقرار رہتی ہے
 شرم و حیا درمیاں حامل رہتی ہے
 کھل کر بھی تم پر کھلتی نہیں
 درمیاں سے خاموشی مگر جاتی نہیں
 صرف تمہیں سنے کی چاہ میں لب ہی لیتی ہوں
 مگر تم بھی تو خاموش ہو جاتے ہو
 کچھ کہتے نہیں
 اداسیت آنکھوں سے جھلکتی ہے
 زبان چپ رہتی ہے
 ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہیں
 پھر بھی دلی تمنا ہے کہ
 یہ سفر ختم نہ ہو
 کیونکہ دل سننا ہے
 دل کی زباں
 جسے لفظوں میں بیان کرنے کی

دل پہ غم برستے ہیں

تیرا نام لب پہ ہو
دل میں ساز بجاتے ہیں

مرد موسموں سے بھی
شعلے سے لپکتے ہیں

دل کا کیا کریں جاناں
زخم روز رستے ہیں

پھول راہِ سرفشت میں
تجھ کو دیکھ کیسے جانتے ہیں

دل میں بننے والے لوگ
کب کفن پہناتے ہیں

شمینہ کنول

تڑپو گے میرے لیے ہر پہر
تمہارے دل میں اتر جاؤں گی
اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی
کبھی یاد آئے گی میری ادا
کبھی یاد آئے گی میری وفا
کچھ پل میں بچھڑ جاؤں گی
اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی
کبھی کھنوا جاؤ گے میری یاد میں
کبھی الجھ جاؤ گے کسی بات پہ
میں لوٹ کر پھر نہ آؤں گی
اک دن میں بہت دور چلی جاؤں گی

☆.....☆.....☆.....☆

پھول راگھ لگتے ہیں
یار جب بچھڑتے ہیں

آپ سنگ ہوتے ہیں
کام سب سنورتے ہیں

جال سمیٹ لو آکر
دیکھو ہم بکھرتے ہیں

لحے مسکراتے ہیں

میں جاں کا ہے
 نفرت بھرے جہاں کا ہے
 محبت تو اک صحیفہ ہے
 ہر دل پہ نہیں اترتا ہے
 جس بشر پہ اس کا قبضہ ہو
 ان کا ہی یہ وظیفہ ہے
 ان کو ہی بس یہ چنتا ہے
 رحوں سے جن کا رشتہ ہے
 شاعرہ، طیبہ عنصر

محبت زندگی کے فیصلوں
 سے لڑ نہیں سکتی
 مقدر میں جو کرب سہنا ہو
 وہ بل نہیں سکتی
 کوئی حاصل
 تو کوئی لا حاصل

یہ خاردار رستہ بڑا کر بنا کر ہوتا ہے
 کبھی خواہشوں کو تھپک تھپک سلانا ہوتا ہے تو
 کبھی دکھ چھپا کے ہنسا اور ہنسانا ہوتا ہے زندگی کے
 فیصلوں میں کوئی اپنا
 کوئی بہت پیارا ہوتا ہے
 ہاں
 یہ مانتی ہوں
 سب جانتی بھی ہوں

سنو جاناں
 محبت اک صحیفہ ہے
 یہ ہر پل کا وظیفہ ہے
 یہ اک دانے کی سیج ہے
 وضو اس میں بھی واجب ہے
 ہوس سے پاک رکھنے کو
 طہارت اس میں لازم ہے
 کہ رحوں کے ملائے کو
 فقط اتنا ضروری ہے
 نفس کو نہ درمیاں رکھو
 مجلس عشق جب جا
 نیت کے صاف رکھنے کو
 آنکھوں کو با وضو رکھو
 پانی نہیں مٹر تو
 آنسو سے نم رکھنا ہے
 محبت ہے
 یہ تو واجب ہے
 اس کی قضا نہیں ہوتی
 غلطی سے چھوٹ جائے، گر
 سزا بھی کم نہیں ہوتی
 کفارہ عمر بھر کا ہے، خطرہ اس۔

بادلوں کی اوٹ سے
چاند جھانکنے کو
اک گھڑی جو سامنے
رک سکے تو روک لوں
شفا ایمان

مجھے کیوں ایسا لگتا ہے
کہ وہ بس میرے جیسا ہے
نہ میرے نام کو جانے
نہ دیکھا ہے کبھی مجھ کو
مگر پھر بھی میرا دل ہے
کچھ بھی مانتا نہیں
کچھ بھی جانتا نہیں
میں سوں تو وہ خوابوں میں
مجھے اکثر نظر آتے
میں جاگوں تو وہ یاد آتے
وہ میرے دل میں رہتا ہے
مجھے کیوں ایسا لگتا ہے
کہ وہ بس میرے جیسا ہے

شفا ایمان

☆.....☆.....☆

پر کیا کروں اس سنجوگ کا
اس دل کے دامن میں
یہی خواہش پہنچتی ہے
محبت ہو مسافر میری
اس احساس سے مجھ کو خدا یا سرشار کر دے
میرے دل کی دیران شاخ کو آباد کر دے
میرے دامن میں فقط میری محبت دے دے

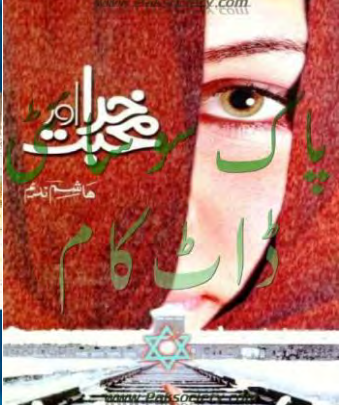
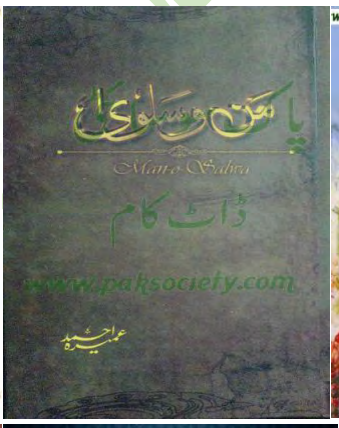
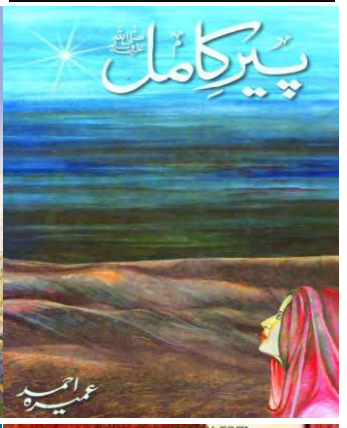
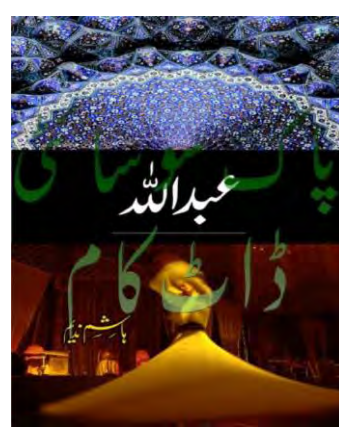
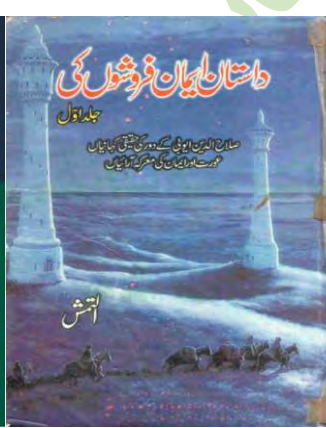
فقط محبت!!!!!!.....

مسکان سمرین

☆.....☆.....☆.....☆

لمحات ہوں خاموش سے
بادلوں کی اوٹ سے
چاند جھانکنے کو
اک گھڑی جو سامنے
رک سکے تو روک لوں
جانے کیوں دل بھی آج
خند پہ ہے اڑا ہوا
نیند جا رہی ہے
خمار چھارہا ہے
سانس مہک رہی ہے
پلین آ رہا ہے
جی چاورہا ہے کہ
لمحات ہوں خاموش سے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



محبت

بقلم مسکان سمیرا

محبت زندگی کے فیصلوں
سے لڑ نہیں سکتی
مقدر میں جو کرب سہنا ہو
وہ ٹل نہیں سکتی
کوئی حاصل
تو کوئی لا حاصل
یہ خاردار رستہ بڑا کر بناک ہوتا ہے
کبھی خواہشوں کو تھپک تھپک سلانا ہوتا ہے
تو، کبھی دکھ چھپا کے ہنسا اور ہنسانا ہوتا ہے
زندگی کے فیصلوں میں کوئی اپنا
کوئی بہت پیارا ہوتا ہے
ہاں یہ مانتی ہوں
سب جانتی بھی ہوں
پر کیا کروں اس سنجوگ کا
اس دل کے دامن میں
یہی خواہش پہنتی ہے
محبت ہو مسافر میری
اس احساس سے جھکو خدا یا سرشار کر دے
میرے دل کی ویران شاخ کو آباد کر دے
میرے دامن میں فقط میری محبت دے دے
فقط محبت!!!!!!

دسمبر

پڑھا تھا میں نے

کتابوں میں

رسالوں میں

قصوں میں

کہانیوں میں

نظموں میں

غزلوں میں

دسمبر درد جہانی ہے

تب دل نہیں مانا

اسے ہمنے

جھوٹ گردانا

مگر

دسمبر کی

انہی اداس شاموں میں

ٹھکرتی سکتی

عذابِ رتوں میں

دامن چھڑا کر وہ

درد تہائی دے گئی

درد جہانی دے گئی

بقلم: فاطمہ عبدالخالق

☆.....☆.....☆.....☆

کہ اپنے توستارے ہی نہیں ملتے
میں اکثر سوچتی ہوں اب
وہ لفظوں کا کھلاڑی تھا
جولا کر چاند تارے دے
ستارے بھی ملتا ہے!!!...
از قلم: نامہ غول

☆.....☆.....☆.....☆

صرف کاٹوں سے پناہ نہ مانگیے
یہاں کے گل بھی زہر اگتے ہیں
اشجار یہاں سائے کی طلب میں ہیں
اطوار اس چمن میں کچھ الٹ چلتے ہیں
شوخی رنگ گل پہ اعتبار نہ کیجیے
پہل پلن اس چمن کے رت بدلتے ہیں
جیف چمن والوں پہ کہ ہو راج نکلنے سے پہلے
سورج کے ڈوب جانے کی باتیں کرتے ہیں
عرض ہے کہ بلوں پہ نظر نہ رکھیے فقط
آستینوں سے بھی یہاں کچھ سانپ نکلتے ہیں
بام عروج پہ پہننے والوں کو یاد دلائے کوئی حمزہ
چوٹی پہ ٹھہرے لوگ اکثر پھسلتے ہیں

حمزہ اخوان

☆.....☆.....☆.....☆

مخافت

مجھے کچھ یاد آتا ہے
مجھے اک شخص کہتا تھا
محبت تم سے کرتا ہوں
میں تم بن زور نہیں سکتا
تمہیں دکھ دے نہیں سکتا
میں لا کر چاند تاروں کو
ترے قدموں میں رکھ دوں گا
میں سارا آسماں اپنا
تمہارے نام کر دوں گا
محبت کس کو کہتے ہیں
میں دنیا کو سکھا دوں گا
مگر کچھ دن ہی گزرے تھے
بہت مایوس آیا تھا
رنگ ہوں کو بھکائے تھا
بہت پر سوز لہجے میں
کہا اس نے
بہت مجبور ہوں جاناں
میں غم سے چور ہوں جاناں
میں یہ کیسے کہوں تم سے
کہ ہم تم مل نہیں سکتے

بیزار تو نہیں کچھ تھک گئی ہوں
یہ نہ سمجھو تری آرزو نہ رہی

تیرے کوچے سے ٹوٹا نہیں رابطہ
جانے کیوں پر تیرے روبرو نہ رہی

سامنے آ تو دیکھ لیں آئینہ
عاشی ماضی مثل ہو بہو نہ رہی

عائشہ پروین

الوداع

شاعرہ مریم رضی

میں نے کہا

مت جاؤ

رک جاؤ

کچھ ساتھیوں

کچھ لمحے

چند گہریاں

دہ گہریاں

جو عمر بہر کی یاد بنیں

جو وقت کا حصہ بنے

گزرے لمحوں کا حصہ بنے

وہ ٹہہرا

توقف کے بعد بولا

یاد ہے؟

آخری بار جب ملی تھی تم سے

میں آدھا کپ چائے

یونہی ٹیبل پہ چھوڑ آئی تھی

جانے کیسی

سک سی اٹتی ہے دل میں

کہ آج بھی

میں ابن آدھا کپ چائے کو

ختم کرنے کو

دن میں جانے

کتی بار چائے پیتی

ہوں۔۔۔۔۔!!!!

مالا راجپوت

جستجو ہی نہیں آرزو نہ رہی

زمانے میں نبھانے کی خو نہ رہی

سلسلے دفاں کے کردو شروع

کہ شناسائی اب کو بہ کو نہ رہی

ہاں اگتی تھی سونا زمیں یہ کبھی

اب فصل کی کوئی آرزو نہ رہی

اس کو ہلاں یا دل کو سمجھاں

ہماری تو اس دل سے گفتگو نہ رہی

کچھ خواب

عریشہ بخاری

کچھ خواب ابھی ادھورے ہیں
 جو خواب ابھی ادھورے ہوں
 وہ خواب تو زندہ رہتے ہیں
 گو تعبیر انہیں نہیں ملتی
 جو عکس بنے تصور میں
 پر خواب تو خواب ہوتے ہیں
 جس آنکھ میں جنم لیتے ہیں
 اس آنکھ میں مجسم رہتے ہیں
 شاید کبھی وہ پورے ہوں
 اس آس میں زندہ رہتے ہیں
 کچھ خواب ابھی ادھورے ہیں

☆.....☆.....☆

وقت گزر گیا
 اب رکے گا نہیں
 جتنا بیتا اسے یاد کے سانچے میں ڈال لو
 گئے لمحوں کو ماضی کے صندوقے میں سنبھال لو
 مجھے اب جانا ہے
 وقت آواز دیتا ہے
 کہ میں رخصت ہو جاؤں
 تمہیں الزادیں کہہ ڈالوں
 غزل

بکنے لگا ہے دل میں عجب سازِ محبت کا
 شاید کہ ہو گیا ہے یہ آغازِ محبت کا

کوئی کوئی مستِ عشق میں رقص کرتا ہے
 ہر دل میں نہیں بجتا سازِ محبت کا

کبھی خواب کبھی خیال کبھی ہجر کبھی وصال
 ہر شے سے زالا ہے اندازِ محبت کا

ہے اگر ان کو اپنی اداں کا خزا
 ہے ہمیں بھی خود پر بہت نازِ محبت کا

اتنے شوق سے انہیں نہ دیکھا کرو شوخ
 کہیں افشا نہ ہو جائے ، رازِ محبت کا
 شاعر کا سم شوخ

اور ترے ہر ستم جانناں
دسمبر میں آ کے جم سے جاتے ہیں
کہ ہر شجر پر ہوتا ہے جانناں خزاں کا مسایہ دسمبر میں
سو گھر سے نہیں نکلتے ہم دسمبر میں
پلوں پہ مری جانناں زخم کی سی کر چیاں سی ہوتی ہیں
دسمبر میں

ہر طرف تری یاد کا موسم ہوتا ہے جانناں دسمبر میں
اک اجڑا سادل کا عالم ہوتا ہے جانناں دسمبر میں
دشتوں کا پیرا ہوتا ہے جانناں دسمبر میں
اس طرح سے یاد میں تری جانناں چھٹیاں منانے
آ جاتیں ہیں دسمبر میں

کہ الا بن کر دہکتا ہے دسمبر کی سرد راتوں میں
خیال ترا مرے طاقتوں میں رہتا ہے دسمبر میں
یوں تو گزر جاتا ہے پورا سال جانناں نہیں کھتا تو

صرف دسمبر میں
پلکیں بھیگی بھیگی سی رہتی ہیں دسمبر میں
بس یہی مری جمع پونجی سی ہوتی ہے جانناں دسمبر
میں

تری یادوں کا موسم سلگتا رہتا ہے دسمبر میں

از قلم: شازیہ کریم

☆.....☆.....☆

مجت

کہیں برستی بارش کہیں صحرا سی پیاس مجت
کہیں بجھتے چراغ کہیں پہ جلتی آس مجت
کسی نے پایا کچھ نہ کھو کر کسی نے کھو پایا کر نسبت
کسی کو ملی گئی جاگیز و فائز کسی کو آئی زرا اس مجت
کہیں برستی بارش کہیں صحرا سی پیاس مجت
کچھ جانے کچھ نہ جانے ایسا ہے انداز مجت
کوئی بتا دے راز دل کوئی رکھے پاکیزہ راز مجت
کہیں خاموشی کا راج گہرا تو کہیں پہ بختا ساز مجت
کوئی بن جائے پابند کسی کا کسی کو کرے آزاد مجت
مجت ہر حال میں بس مجت ہے!!
کہیں آسودہ خواہشیں کہیں خوشیوں کا احساس مجت
کہیں برستی بارش کہیں صحرا سی پیاس مجت
نومبر کی سرد رات میں
تنہائی بھی چوکھٹ پر کھڑی ہے جانناں
اور دسمبر بھی آن پہنچا ہے
کہ اب تو ترے آنے کی امید بھی معدوم ہو چلی
ہے جانناں

سنے برس کا اہتمام بھی ہے جانناں اور دسمبر بھی آن

پہنچا ہے

غزل

میں خود سے دور جانے کس سمت جا رہی ہوں
غم مجھ کو کھا رہا ہے میں غم کو کھا رہی ہوں

میں یاد کر رہی ہوں، تو مجھ کو بھول بیٹھا
میں تیری الجھنوں میں خود کو ستا رہی ہوں

ہے مسئلہ تو کوئی لیکن خبر نہیں ہے
اس سمت جا رہی ہوں اس سمت آ رہی ہوں

ایسا بھی وقت آیا ہوں بے نیاز اتنی
وہ ظلم کر رہے ہیں میں مسکرا رہی ہوں

مت پوچھ اے تنگ کس کرب میں صبا ہے
باہر ہیں کرب جتنے اندر اٹھا رہی ہوں

ڈاکٹر صبا خان

☆.....☆.....☆

ہم تو بہت نادان ٹھہرے،
آپ تو دانا لوگ جی...
ہم تو بہت بد صورت ٹھہرے،
آپ تو خوب سیرت لوگ جی...
ہم تو بہت غریب ٹھہرے،
آپ تو امیر لوگ جی...
ہم تو بہت دجندلے ٹھہرے،
آپ تو شفاف لوگ جی...
ہم تو بہت بد معاش ٹھہرے،
آپ تو معصوم لوگ جی...
ہم تو بہت گنہگار ٹھہرے،
آپ تو پاک لوگ جی...
ہم تو بہت غمگین ٹھہرے،
آپ تو خوش حال لوگ جی...
ہم تو بہت داغدار ٹھہرے،
آپ تو بے داغ لوگ جی...
ہم تو بہت ظالم ٹھہرے،
آپ تو مظلوم لوگ جی...
ہم تو بہت چھوٹے ٹھہرے،
آپ تو بڑے لوگ جی...
ہم تو بیباک ٹھہرے،
آپ تو آپ لوگ جی...

شاعرہ: سعدیہ سعید

سن لی خدا نے وہ دعا تم تو نہیں ہو
 رروا ذمے پہ دستک کی صدا تم تو نہیں ہو
 سمٹی ہوئی شرمائی ہوئی رات کی رانی
 سوئی ہوئی کلیوں کی حیات تم تو نہیں ہو
 محسوس کیا تم کو تو گنگی ہوئیں پلکیں
 بھیگے ہوئے موسم کی ادا تم تو نہیں ہو
 ان اجنبی راہوں میں نہیں کوئی میرا
 کسی نے مجھے یوں اپنا کہا تم تو نہیں ہو
 سوئی ہوئی کلیوں کی حیات تم تو نہیں ہو
 شفیع سعید

☆.....☆.....☆

الفاظِ حلق میں پھنس جاتے ہیں
 لگہ ریدہ جاتا ہے آنکھیں تر ہوتیں
 جب کبھی نام وفا کالیا جاتا ہے
 جب بھی نامِ محبت کالیا جاتا ہے
 نفرت کی لہر اٹھتی ہے سینے میں
 زخم تازہ ہوتے ہیں پرانے سارے
 جی چاہتا ہے ننگے پاؤں بھاگ جاؤں
 صحرا میں کہیں اور تاحیات یونہی
 بھٹکتا رہوں، پتہ نہ ہوں، جلتا رہوں
 اس قدر کہ کندن ہو جاؤں اور پھر
 مجھ کو میرا ماہی بہن کہ گلے میں
 تا عمر بھٹکتا رہے، تر پتہ نہ ہے، سکتا رہے

از قلم..... اقراباد

مخاطب رہنا تم.....!!!

نہ ہے عشق نہ ہے محبت

ہے ایک خوبصورت دھوکہ یہ سب

یہ ٹھکانا بوجہ ہوتا ہے اس وقت تک

پھنس نہ جا جان میں جب تک

یہ ہے اس صدی کے انسان

انسان کی شکل میں موجود ہوتا ہے ایک حیوان

اپنی ہوس کی خاطر گزرتے ہیں ہر وہ کام

جس کی وجہ سے ہوتے ہیں زندگی کے ہر موڑ پے ناکام

زرا مخاطب رہنا تم.....!!!

اسکے ہاتھوں کھلوانا نہ بننا

اپنے آپ کو رسوا نہ کرنا

اسی میں ہے بھلائی تمہاری

زرا مخاطب رہنا تم.....!!!

از قلم..... ہانیہ درانی

☆.....☆.....☆

نہ اب مجھ کو پزیرائی سے مطلب
 نہ ذلت سے، نہ رسوائی سے مطلب
 اکیلا چھوڑ دو، جی بھر کے رولوں
 مجھے بس اپنی تنہائی سے مطلب
 شہباز اکبرالفت

☆.....☆.....☆

کل ہم نے چاند دیکھا تھا
 دعا بھی مانگی تھی
 اپنے ملن کی
 کیسا خوب صورت چاند تھا
 مکمل اور روشن
 دل نین آیا تمہیں پوچھوں
 کیا اب بھی چاند نکلتے ہو
 کیا اب بھی اس سے مجھے مانگتے ہو
 کیا جب جب میری دھڑکن بڑھتی ہے
 میری آنکھیں کچھ تلاشے لگتی ہیں
 کیا وہ تم ہی ہوتے ہو؟
 کیا چاند کی مانند
 اب بھی میرا چہرہ سوچتے ہو؟
 بولو نا! کیا اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہو...؟؟

تحریر: بشری ایوب خان

☆.....☆.....☆

پریتاں

کچی عمراں پکیاں پریتاں لا کے جیڑے پہنیں
 کڑیاں لائے میلے اتورل مل سا ربیاں بہن
 اکھاں بچلے۔ بلاں لالی، ہتھ انا، دے جین
 اک کھلی دیاں باواں پھڑ کے اونڈے کو لو پوچھن
 تیرے ہتھ نادنگاں میندی، ماند کیوں تیرا حسن؟
 اس کھلی دے اتھرو ڈ لے، انے فیراے آکھیا..
 میں تنزی نو پیتا کوئی نہیں، او ہی تو انوں دس..
 کچی عمراں پکیاں پریتاں لا کے جیڑے پہنیں

صباحت عروج

☆.....☆.....☆

کچھ یوں مضبوط اپنا رشتہ ہے
گر محبت ہوں میں وفا ہو تم

یاد بن کر برستی ہو مجھ پر
دل کے صحراں کی گھٹا ہو تم

ہے یہ اسرار کیسا کہ ہمدم
مجھ میں مجھ سے بھی زیادہ ہو تم

دل تری اور ہے کھنچا جانے
جانے کس سمت کی ہوا ہو تم

آنکھ ہے مری خواب تیرے ہیں
جس کی آلو میں ہوں وہ دیا ہو تم

جو بھی بھی نہ ہو شکی پوری
بے اثر سی وہی دعا ہو تم

تم تو مجھ میں ہو آج تک باقی
ہم لے سوچا یہ تھا فنا ہو تم

پھر نہ آئے گا دل میں کوہ بھی
دل کی بس آخری صدا ہو تم

سید حسن رضا

تم کو کیا ہے خبر کہ کیا ہو تم
سانس کا میری سلسلہ ہو تم

جیسے بدکار کو ملے جنت
ایسی میرے لئے عطا ہو تم

جس کے ہوں میں خمار میں کھویا
خواب کا ایسا سلسلہ ہو تم

جو نظر کا قرار لے جائے
ایسی بہکی ہو ادا ہو تم

درد چاہے ملے ہوں جتنے بھی
میرے ہر درد کی دوا ہو تم

جس نے روکا ہے غلط راہوں سے
آنکھ میں میری وہ حیا ہو تم

جو صحیفے کی طرح اترا ہے
ایسا الہامی سلسلہ ہو تم

جو سنبھالے رکھتا ہے مجھ کو
زیست کا میری حوصلہ ہو تم

نظم
 کبھی ہوتا ہے نایوں
 دل درد سے پھٹ جائے
 اشک آنکھوں سے مٹ جائیں
 ہوا کے ہاتھوں میں تلوار ہو
 آسمان لہو سے رنگ جائے
 جب شکوہ سناں بے بس نظر میں
 عرش کی تلاش میں اٹھ جائیں
 جب گود میں اجاڑ دی جائے
 جب سینے پھاڑ دیے جائے
 جب بے حس کی قیمت ہو
 حکمرانوں کو کرسی سے محبت ہو
 تبت نہو کی نہریں بھی نکل آئے
 تو وہ بے نام ہوتی ہیں گناہم ہوتی ہیں
 اے شہیدوں ہم تتر منڈو ہیں
 بہت آبدیدہ ہیں
 اب سے ہاتھ جوڑ کے کہتے ہیں
 اپنا آج ہمارے گل پہ نہ کرو قربان
 انسانیت اب قصہ پارینہ ہوتی
 اب یہاں نہیں بستے انسان

ماوراءِ اطلالہ

☆.....☆.....☆

غم حیات، غم جہاں سے دل آشنا نہیں رکھتے
 یہ کیسے لوگ ہیں دل میں، خوفِ خدا نہیں رکھتے

پھیلا نہیں دست و دامن، غیروں کے در پہ جا کر
 مسلمان اب خود میں، کیوں انا نہیں رکھتے

جو گئی نصیب میں محبت تلخیاں جہان کی
 کہ مخلص یا رہی کوئی، مخلص دعا نہیں رکھتے

نہیں ہے پاس اپنے کچھ مگر خودی کا عزم

ہے

وہ بھی کیا ہمیں؟؟ جو ضمیر کا آئینہ نہیں رکھتے

دلوں میں بسے ہیں جو ذات و زر کے بت کدے
 انکو توڑنے کا ایماں میں حوصلہ نہیں رکھتے

اتارا ہے لباس پھر، ہنت جو انے سر بازار
 ثنائی دیکھنے والے بھی نظر میں حیا نہیں رکھتے

شاعر: سر جیل ثنائی

جو بانٹ لے گا تو درد میرے
تو غم مجھے عمگسار کیا ہے

پیو مئے عشق جان لو گے
یہ نشہ کیا یہ خمار کیا ہے

خفا ہوتے جا رہے ہو ہم سے
ہمارا دوش اس میں یار کیا ہے

کیسے ہی جاتا ہے یاد تجھ کو
کہ دل پہ اب اختیار کیا ہے

لہو بہاتے ہیں آنکھ سے ہم
ہم ایسا گریہ گزار کیا ہے

مرے لیے ہی سہی اے نوشی
بھگی تو خود کو سنوار کیا ہے

شاعرہ نوشین اقبال نوشی

☆.....☆.....☆

غزل

چہار جانب حصار کیا ہے
سنائی دئے ناں پکار کیا ہے

بھگی سے سیکھے ہیں دا سارے
بھگی پہ کرتے ہو وار کیا ہے

ادا سی چہرے کی کب چھپے گی
ہزار کروں سنگھار کیا ہے

مری طرح تو بھی جان جاناں
بھگی تو مجھ کو پکار کیا ہے

تمہی سے مل کر کھلا ہے ہم پر
یہ درد کیا ہے یہ پیار کیا ہے

پلٹ کے آنا نہیں جو تم نے
تو بھر ترا انقار کیا ہے

نفرت کا کوئی نشان نہیں
 پاگل لڑکی
 نادانی میں سب کچھ بھلائے
 قدم سے قدم ملائے
 محبت کے سڑیاں چروٹی جاتی ہے
 پھر وہ

اک ایسے مقام پے
 آ کے ٹھہری جاتی ہے
 جہاں اس کی
 آنکھوں میں سجا
 ہر سینا ٹوٹ جاتا ہے
 حسین خوابوں کی مالا
 پلن بھر میں بکھر جاتی ہے
 پاگل لڑکی
 بس اسی لمحے
 اپنی زندگی ہار جاتی ہے
 خاموشی سے دنیا
 چھوڑ جاتی ہے
 پاگل لڑکی
 پاگل لڑکی

کنول خان۔ ہری پور ہزارہ

نظم: پاگل لڑکی

پاگل لڑکی
 ہر روز
 اک نیا خواب دیکھتی ہے
 جھیل سی گہری آنکھوں میں
 ہیشمار سینے بنتی ہے
 شاید کہ کوئی ایسا
 میری زندگی میں آئے گا
 جو بیستہا پیار
 صرف مجھ سے ہی کرے گا
 ہر حالات میں
 میرے ساتھ
 میرے سنگ رہے گا
 مگر۔۔۔!!!
 پاگل لڑکی
 جانتی نہیں شاید
 زمانے کی چالیں
 سمجھتی ہے
 محبت میں۔۔۔
 کوئی فریب نہیں
 ساتھ نئے چہروں میں

خود کو کوستے ہیں ہم
 پیار ہی تو تھا
 سارے خود سے وعدے بھول
 کیوں کر بیٹھے پیار ہم؟
 پھر بھی ہر لمحہ
 ڈوبے رہتے ہیں
 تیری یادوں میں ہم ...

بشری ایوب خان

☆.....☆.....☆

میرے ہندم مجھے تلاش کر
 میں کھویا ہوا مسافر ہوں
 دل میں میرے بتائے خدا
 لوگ کہتے ہیں میں کافر ہوں

ماورا بشارت چیمہ

☆.....☆.....☆

تمہیں دیکھا
 دل دھڑکا
 قدم تھمے
 ہم رستہ بھولنے
 تیری آنکھیں
 نقاب کے پار
 کچھ بے نام وعدے کرنے لگیں
 ہم ان کی آنچ میں
 جل جل سے گئے
 تمہارے پیار میں ڈوب ہی گئے
 تمہیں پانے کی خاطر
 رب سے التجا میں کرنے لگے
 تمہیں پا کے سوچا ہم نے
 التجا میں کامل ہوتی ہیں
 محبتیں بھی ملتی ہیں
 مگر بے خبر تھے ہم
 جدائی جب بھی آتی ہے
 دے پال ساری خوشیاں لے جاتی ہے
 اب تنہا ہیں ہم

اب کے سوچا ہے تم سے نہ کچھ کہا جائے
بہر اگر زہر ہے چپ چاپ ہی پیا جائے

جس طرح پھرتی ہیں لہریں کناروں سے ملنے کو
کیوں نا وصل کے طوفان میں یوں بہا جائے

یوں تو اک پل کو بھی روبرو نہ ہوتے پھر بھی
مجھ سے جانے کیوں تیرا بہر نہ سہا جائے

میں نے ہواؤں سے بھی پوچھا ہے اس کا پتہ
آتا جانا کوئی تھوڑا ہی بخدا اس کو بتا جائے

میں تو شاید نہ بتا پاؤں اسے عمر رواں میں
میری چاہت کا اسے نوات اے کاش آ جائے

نام آتا ہے کتابوں میں مثالوں کی طرح
محبت میں اگر کوئی وفا نبھا جائے

اگر محبت کبھی مانگو تو مانگنا یہ بھی مالا
محبت کی طلب میں آنکھوں سے نہ حیا جائے
مالا راجپوت

میں تمہیں بہلانا چاہوں ہی تو

میں تم کو بہلانے سکوں گی

مجھے یاد دلائیں گے

کنگن گلاب کے

خوشبو تمہارے پیاری

میری آنکھوں کی تیرگی میں

جہلم لٹاتا عکس تمہاری محبت کا

میرے وجود میں نہاںس لیتا

احساس تمہارے ہونے کا

تمہارے لفظوں میں چہپا

ضبط میری دیوانگی کا

میرے کمرے میں مہکتا

گلدستہ تمہاری چاہت کا

میری زلف میں مہکتا

پہول نیلے کا

میری ڈائری پہ لکھا

اقرار تمہاری محبت کا

بتا جانا !!!

کیسے میں کروں

ادا ندرانہ

تمہارے خلوص

مجنتوں اور چاہتوں کا...

شاعرہ .. منون کنول

وطن کی خاطر، جان کی بازیوں میں
 اور صف بستہ کھڑے نمازیوں میں
 محبت ماں کی پیشانی پر رقصاں
 محبت بہن کی خوشیوں سے ارزاں
 محبت باپ کی چوڑی سی چھاتی
 چھپائے رکھتی ہے ساری حیاتی
 زمانے کے ہر اک سرد و گرم سے
 میرے مولا، صرف تیرے کرم سے
 محبت جنگلوں میں، ساحلوں میں
 یہ اک ابر کرم سے بادلوں میں
 محبت جھوم کر برستی گھٹا میں
 محبت نرم اور گرم سی ہوا میں
 محبت ہنڈی میں اور خدا میں
 محبت ڈھونڈنے نکلے ہوئے ہو؟
 محبت کون سی؟
 کیسی محبت؟
 زمین سے آسماں تک ہے محبت
 جہاں تک رب، وہاں تک ہے محبت

شہباز اکبر الفت

☆.....☆.....☆

محبت ڈھونڈنے نکلے ہوئے ہو؟

محبت ڈھونڈنے نکلے ہوئے ہو؟

تمہیں شک ہے محبت کھو گئی ہے؟

کوئی ماضی کا قصہ ہو گئی ہے؟

طاق نیاں کا حصہ ہو گئی ہے؟

محبت ... کون سی؟

کیسی محبت؟

وہ قصہ لیلیٰ مجنوں کے جنوں کا؟

وہ مرزا، صاحبان کے ناحق خوں کا؟

وہ وارث شاہ کی ہیر کے فسوں کا؟

پس دیوار وہ پنہاں سکوں کا؟

محبت ... کون سی؟

کیسی محبت؟

تیشہ فرہاد کا قصہ پرانا

وہ راول جگنی کا دلکش فسانہ

یا سوہنی کا دریا میں ڈوب جانا؟

میرے صاحب، نہیں بدلا زمانہ

شہیدوں میں محبت آغاز یوں میں

☆.....☆.....☆

مقدر میں جس کے ستارہ نہیں تھا
وہ سب کا تھا بس اک ہمارا نہیں تھا

گنوائی تھی میں نے بھی یہ جان اپنی
فقط اس نے ہی دل کو ہارا نہیں تھا

اتارا ہے مجھ کو نگاہوں سے اس نے
جسے دل سے میں نے اتارا نہیں تھا

بہناڑے یہ کیسے بھلا پہنچتے ہم
سمندر کا کوئی کنارہ نہیں تھا

رہا سنگ یوں تو ہر اک شخص میرے
مگر کوئی سنبل کا پیارا نہیں تھا

از قلم سنبل خان بٹ، بورسے والا

☆.....☆.....☆

جگ میں مشہور تھیں ناز برداریاں اپنی
کیسے گھٹنوں پہ لے آیا ہمیں عشق تیرا

☆.....☆.....☆

اب چھوڑیے محبت قصہ تمام ہوا
دل کے اک اور افسانے کا اختتام ہوا

شاعرہ سارہ خان

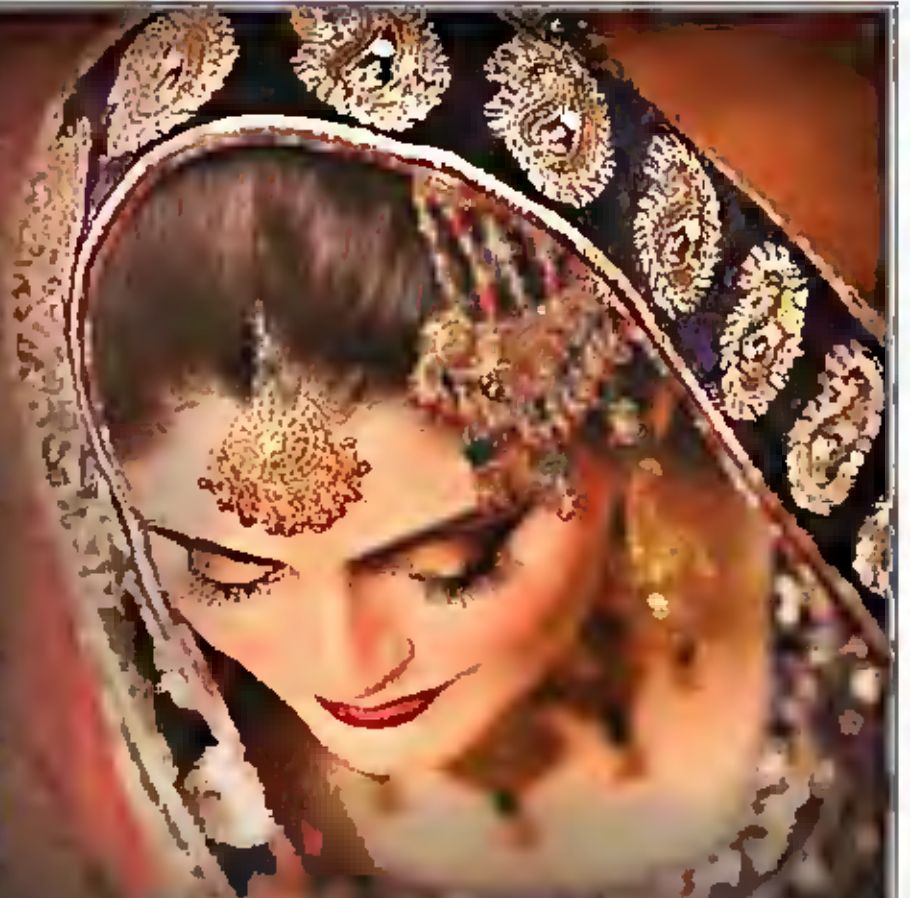
☆.....☆.....☆

اے عشق تیرا شکر یہ
مجھے کیا سے کیا بنا دیا

ملک طالب حسین سوات 0301-7486812

www.paksociety.com

خالی دل کا ہے یہ مکان پیا
 تیرے لولوں تجھے بلائے جی
 تیری یاد بہت ہی آئے تھی
 تیرے نام پہ تیرے دل وار دیا
 پیاسی نگھنوں کو تو نے قرار دیا
 کسی میری عمر کھان پیا
 بس ایک تھی ہی خواہش ہے
 میں سنا نہیں تجھ پہ وار دوں
 تجھے ساری عمر میں پیار دوں
 دل دھڑکے دھڑکے تیرے لیے
 پورے دل کے گرو وار مان پیا
 تیرے نام کی تسبیح کرتی ہوں
 تیرے نام پہ پیش مہرت ہوں
 ہوش کی خواہش مان پیا
 دیداد تیرا لب لہم ہے
 میری سبائسوں کے سلطان پیا
 شاعرہ..... مہوش احسن



کبھی آؤ میرے ملتان پیا

کبھی آؤ میرے ملتان پیا

تیرا نام لولوں پہ دہتا ہے

کبھی آؤ میرے ملتان پیا

دل جو ہم جاتے تیری باتوں میں

میری جان بجا کے تیرے ہاتھوں میں

جو جی چاہے میری جاں گرو

ملتان

Khushboo Online Digest خوشبو آن لائن ڈائجسٹ



فتاہ احمد فتاہ
(پارسلوفا سپین)

0034632113939

نگران اعلیٰ

کی زیر نگرانی

www.geokhabrain.com

www.paksociety.com

www.hamariweb.com

www.voice-of-society.com

0303-3310786 خضر حیات مون اینڈیکٹو ایڈیٹر

امانیہ سردار خان مدیر

کبریٰ نوید مدیر اعلیٰ

[f Khushboo Online Digest](https://www.facebook.com/Khushboo-Online-Digest) 0300-7198339

Email: khushboodigest@gmail.com

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابراراجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبد اللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مستنصر حسین
رضیہ بٹ	زُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ ہریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے آفاق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابن صفی،

جاسوسی دنیا از ابن صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

Khushboo

Online Digest

خوشبو

آن لائن ڈائجسٹ



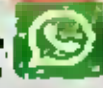
نضر حیات ہون ایگزیکٹو ایڈیٹر 0303-3310786

امانیہ سردار خان منیرہ

کبیری نوید معذیر اعلیٰ



Khushboo Online Digest



0300-7198339

Email: khushboodigest@gmail.com

